حق حق حق

تجلیات شہید عشق

یعنی سوانح حیات

قطب زماں، شہید عشق رب المشرقین، حاجی الحرمین الشریفین

حضرت مولینا حافظ شاہ **محمد حسین** صاحب فاروقی صابری الہ آبادی علیہ الرحمہ

مع

ملفوظات، مکتوبات و کرامات

تالیف

مولانا **محمد الفاروقی** ازہری چشتی صابری علیہ الرحمہ

تصحیح و ترتیب جدید

مفتی محمد احمد رضا اشرفی مصباحی

شیخ الحدیث جامعہ چشتیہ

ناشر شعبہ نشر و اشاعت جامعہ چشتیہ خانقاہ

حضرت شیخ العالم ردولی شریف

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	تجلیات شہید عشق
تالیف	مولانا محمد الفاروقی الہ آبادی
تصحیح و ترتیب جدید	مفتی محمد احمد رضا اشرفی مصباحی
پروف ریڈنگ	مولانا حسین اختر مصباحی، مولانا میزان الرحمن، مولانا فیروز عالم، قاری منصور عالم
سنہ اشاعت	۲۰۱۱ء
کمپوزنگ	پرنٹ ایکسیز، لکھنؤ موبائل: 9450110238
طباعت	نور پرنٹرس، لکھنؤ موبائل: 9336628735
تعداد اشاعت	پانچ سو 500
ناشر	شعبہ نشر و اشاعت جامعہ چشتیہ خانقاہ حضرت شیخ العالم ردولی شریف، ضلع فیض آباد۔
قیمت	

:ملنے کا پتہ:

جامعہ چشتیہ خانقاہ حضرت شیخ العالم ردولی شریف، ضلع فیض آباد۔

موبائل : 9026742301

فہرست

تجلیات شہید عشق

حق حق حق

عرض ناشر

فکر اسلامی کی معتبر شارح، صوفی روایات کی قدیم پاسباں، خانقاہ شیخ العالم ارباب علم و دانش کے درمیان ایک منفرد مقام رکھتی ہے، خانقاہ کے موجودہ سجادہ نیر ملت حضرت شاہ عمار احمد احمدی فاروقی عرف نیر میاں صاحب قبلہ ہیں، موصوف اعلیٰ تعلیم یافتہ، وسیع الخیال، روایتی قدروں کے امین اور خانقاہی فکر و شعور کی نمایاں پہچان ہیں، دعوتی وعلمی سرگرمیوں میں اپنے نیک سیرت و نیک صورت پیش روؤں کی تصویر ہیں، فکر و کردار کی رعنائیاں نتیجہ خیز کارکردگیوں سے مترشح ہیں، ۱۹۹۹ء میں حضرت صاحب سجادہ نے نئے حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ خانقاہ شیخ العالم کے وسیع و عریض صحن میں ''جامعہ چشتیہ'' نامی ایک ادارہ کی بنیاد رکھی جس نے بہت ہی قلیل عرصے میں اپنی بلند تعلیمی و تعمیری کارکردگیوں کی بنا پر ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ خوبصورت سہ منزلہ ''سینٹرل بلڈنگ'' طلبہ کی رہائش کے لئے امکانی سہولیات سے معمور وسیع ترین ''ہاسٹل'' جدید وقدیم اور کمیاب و نایاب کتابوں کی ایک بھاری تعداد پر مشتمل لائبریری، ایک وسیع پلاٹ پر چشتیہ گرلس انٹر کالج کی پرشکوہ زیر تعمیر عمارت اور خانقاہ شیخ العالم کی دیدہ زیب بلڈنگ ہر آنے والے کو دعوت نظارہ دے رہی ہے۔

حضرت نیر ملت نے اکابر اہل سنت کی قدیم مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصنیفات کی تجدید کاری کے لئے خانقاہ سے متعلق ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم فرمایا ہے، اس ادارہ نے اب تک مندرجہ ذیل کتابیں شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (۱) جہان حق (۲) ضیاء حق (۳) صدائے حق (۴) سبیل السلام فی فضائل الصیام والقیام (۵) رحلۃ المسکین الی البلد الامین (۶) حضور شیخ العالم ایک اجمالی تعارف (۷) ضیاء الابصار (۸) نیل المطالب فی

فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اب یہ کتاب یعنی ''تجلیات شہید عشق'' جو اس کی اشاعتی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ارباب علم و دانش کی نذر ہونے جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مقبول عام و تام بخشے اور جامعہ چشتیہ کے اس اشاعتی ادارہ کو عمر دوام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

طالب دعا

محمد نیاز احمد اشرفی بھاگلپوری

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت

متعلقہ خانقاہ حضرت شیخ العالم

ردولی شریف فیض آباد یو۔ پی۔

حق حق حق

کلمات تبریک

از: نیر ملت حضرت شاہ عمار احمد احمدی (نیر میاں)
سجادہ نشین خانقاہ حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ
ردولی شریف

میرے نانا جان شہید عشق حضرت علامہ حافظ محمد حسین صاحب صابری چشتی الہ آبادی علیہ الرحمہ کی ذات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں البتہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ عام حلقوں میں کچھ بے اعتنائیاں ضرور بڑھی ہیں۔

چنانچہ میں نے اس مرض کو دفع کرنے کے لئے حضرت شہید عشق کی حیات و خدمات کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا حالانکہ یہ میرا موروثی حق تھا اور زمانے کا تقاضا بھی۔

اس سے قبل اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے میں نے حضرت شہید عشق کی دو چار کتابیں شائع بھی کردی ہے جس کا سب سے بہتر نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ہر طرف سے مولانا کی تصنیفات کی مانگ ہونے لگی اور آپ کی غیر مطبوعہ کتابوں کی اشاعت کا مطالبہ بھی ہونے لگا۔

لیکن میرے دل میں بار بار یہ خلش جنم لے رہی تھی کہ حضرت کی حیات و خدمات پر کوئی جامع دستاویز منظر عام پر آنا چاہئے تاکہ نئی نسل بے گانگی کی لعنت سے محفوظ رہے۔ مجھکو یہ بھی معلوم تھا کہ تقریباً اسی سال قبل حضرت مولانا محمد الفاروقی صابری ازہری الہ آبادی علیہ الرحمہ نے آپ کی حیات و خدمات پر ایک جامع کتاب تالیف فرمائی تھی۔

میں نے سوچا کہ دوبارہ کسی نئی کوشش کے بجائے کیوں نہ اسی کتاب کو شائع کردی جائے کہ اس سے ایک تیر دو شکار کا عمل بھی پورا کیا جائے گا اور مولانا سے قریب الزمان ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی معتبریت بھی مسلم رہے گی۔

لہٰذا بڑی کوشش سے میں نے کتاب مذکور کو حاصل کیا اور اس کی ترتیب جدید و تصحیح کی ذمہ داری عزیزم مفتی محمد احمد رضا اشرفی مصباحی سلمہ مفتی صابری دارالافتاء جامعہ چشتیہ ردولی شریف کو تفویض کی جناب مفتی صاحب نے بحسن و خوبی اس ذمہ داری کو نبھایا اور اس کو حسین بنانے کی پوری کوشش کی۔ اللہ انھیں سلامت رکھے اور علم نافع سے نوازے۔

''تجلیات شہید عشق'' یہ اس کتاب کا جدید نام ہے جو حضرت مفتی صاحب ہی کا تجویز کردہ ہے اور مجھے بے حد پسند ہے اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش قبول فرمائے اور کتاب کو اس کے قارئین کے لئے نفع بخش بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

دعا گو

فقیر شاہ عمار احمد احمدی (نیر میاں)
سجادہ نشین خانقاہ حضرت شیخ العالم
ردولی شریف فیض آباد یوپی
۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
۶/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ

حق حق حق

عرضِ حال

شہید عشق عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حافظ محمد حسین صاحب فاروقی چشتی صابری الہ آبادی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۲۲ھ ملک وملت کے ان سرمایۂ افتخار افراد میں سے تھے جن کی دینی وعلمی مقام کا اعتراف اغیار کو بھی ہے۔ درس وتدریس کا میدان ہو یا وعظ وخطابت کا۔ تصنیف وتالیف کی انجمن ہو یا جمہوری سیادت وقیادت کا پلیٹ فارم۔ ہر شعبۂ حیات میں آپ نے ایک نمایاں اور دیر پا اثر چھوڑا۔

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
گر ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ایک صدی پر محیط ایک طویل زمانہ گزر گیا مگر اس گراں قدر شخصیت پر کوئی ایسا خاطر خواہ کام نہیں ہوا جس سے عوام وخواص کچھ علمی وعرفانی استفادہ کرتے۔ حالانکہ آپ کی ذات ہر لحاظ سے اس قابل تھی کہ اس پر مختلف جہت سے تحقیق کی جاتی۔ ہمارے شعور وفکر کی تحدید کی اسے انتہا کہئے کہ جب کسی عالی وقار فرد سے ہماری محبت ...... کا رشتہ استوار ہوجاتا ہے تو اگر اپنے ہی عقائد ومسلک کا کوئی علمی شخص اپنی علمی تحقیق وجستجو کی بنیاد پر ان سے مختلف الرائے ہوجاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ ہم ایسے شخص کو جماعت سے نکال باہر کرتے ہیں بلکہ ہماری غیرت ایمانی اس وقت تک یایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی جب تک کہ ہم اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کردیں۔ العیاذ باللہ۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ حضرت شہید عشق سمیت ہزارہا عظیم ترین علمی وروحانی شخصیتیں ہمارے اس مذموم نظریئے کی بھینٹ چڑھ گئیں ہیں جبکہ اسلامی روایات اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ اہل علم کو فروعات کے باب میں ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں اختلاف امتی رحمۃ کی یہی تعبیر ہے ورنہ اگر ائمہ مجتہدین، علماء راسخین، فقہا، محدثین اور علماء وصوفیاء کے درمیان علمی اختلافات رونما نہ ہوتے تو شاید علمی ارتقا اور اظہار صداقت کی راہ مسدود ہوجاتی۔

آج مخالفین اہل سنت کی طرف سے ہم پر اکابر پرستی کا الزام لگایا جارہا ہے جبکہ سچائی یہ ہے کہ ہم نے اپنے اکابر کی طرف سے ہر معاملے میں جتنی بے اعتنائی برتی وہ ناقابل تلافی ہے۔ ورنہ الزام تھوپنے والے جس ہوشیاری اور تندہی سے ملک وملت کے غداروں کو ائمہ وقت اور علمائے حق بنا کر پیش کررہے ہیں ہم اگر اس کے عشر عشیر بھی کوشش کرتے تو ردولی، فرنگی محل، بدایوں، کچھوچھہ، کانپور، الہ آباد، پٹنہ، حیدرآباد، دہلی، رامپور، بریلی، جونپور، مرادآباد وغیرہ صدہا مقامات کے وہ اولیاء وعلماء جن کے علمی فیضان سے دنیائے اسلام سرشار ہے، پردۂ خفا میں ہرگز نہ ہوتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے بزرگوں کا تذکرہ عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہانِ چشتیت وصابریت کا شہرہ آفاق ادارہ ''جامعہ چشتیہ خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف، اپنے دینی وملّی کارناموں کی بنیاد پر اب کسی حلقے میں محتاج تعارف نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ عمر خضر عطا فرمائے اس ادارے کے بانی ومبانی مفکر اہلسنّت نیر ملت حضرت العلام الشاہ عمار احمد احمدی المعروف بہ نیر میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ حضور شیخ العالم احمد عبدالحق چشتی رضی اللہ عنہ کو جن کی مساعی جمیلہ نے قلیل مدت میں اس چھوٹے سے مدرسہ کو ایک عظیم الشان دارالعلوم میں تبدیل کردیا۔

حضرت نیر ملت کے اہم ترین کارناموں میں سے ایک قابل قدر کارنامہ یہ ہے کہ عوامی سطح پر اپنے بزرگوں کو متعارف کرانے میں آپ نے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس کے اہتمام کے لئے نشر واشاعت کا ایک شعبہ بھی قائم فرمایا۔ اس شعبے نے اب تک درجنوں نادر ونایاب اور غیر مطبوعہ کتابیں شائع کی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی ''تجلیاتِ شہید عشق'' بھی ہے۔ یہ کتاب شہید راہ عشق حضرت مفتی محمد حسین صاحب فاروقی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور مشاغل ومعمولات پر مشتمل ہے جسے تقریباً آج سے ۷۸ سال قبل ۱۳۵۴ھ میں مولانا محمد الفاروقی الہ آبادی فاضل جامع ازہر مصر نے انتہائی تتبع وتلاش کے بعد مستند واقعات یکجا کرکے ترتیب دی تھی اور مؤلف مرحوم ہی کی حیات میں شائع ہوکر نایاب ہوگئی تھی۔ حسن اتفاق سے اس کا ایک نسخہ حضرت نیر ملت کو کہیں سے ہاتھ آگیا اور پہلی فرصت میں آپ نے اس کی اشاعت کا عزم فرمایا۔

میں حضرت نیر ملت کا بیحد ممنون ومشکور ہوں کہ آپ نے مجھ بے مایہ کو اس قابل سمجھا کہ میں اس کتاب کی تصحیح کروں اور غیر ضروری مواد کو خارج کردوں۔ چنانچہ اس کتاب کی ترتیب جدید میں میں

نے اس کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے حضرت کا فارسی دیوان اور ایک رسالہ تذکرہ الاعظم الگ کرلیا ہے ۔آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ دونوں تحریریں فردوس نظر ہوں گی۔اس کتاب کی ترتیب جدید میں میں نے حتی المقدور اس بات کی کوشش کی ہے کہ کتاب کا ظاہری و باطنی حسن نکھر کر سامنے آجائے تاہم بشری تقاضا کے مطابق اس میں غلطی کا رہ جانا عین ممکن ہے۔لہٰذا اگر کوئی خامی نظر آئے تو قارئین اسے میری کوتاہی پر محمول کریں اور اطلاع کی زحمت اٹھائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ ممکن ہوسکے۔

بہت ہی غیر مناسب بات ہوگی اگر میں اپنے ان احباب ذوی الاحترام کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت دیکر کتاب کی ترتیب جدید میں بھرپور تعاون پیش کیا۔خصوصاً مولانا نیاز احمد اشرفی ،مولانا حسین اختر مصباحی، مولانا میزان الرحمٰن علائی ،مولانا فیروز عالم اشرفی اور حافظ وقاری منصور عالم اشرفی اساتذہ جامعہ چشتیہ کہ انھوں نے نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کی پوری زحمت برداشت کی اور مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

چلتے چلتے ایک اہم بات یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ کتاب عام کتب سوانح سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ اس میں شخصی احوال وکوائف کا تذکرہ کم علمی حقائق وروحانی دقائق کی جلوہ گری زیادہ ہے۔اس لئے اس کا مطالعہ جہاں قارئین کو قلب ونظر کی تسکین کا سامان فراہم کرے گا وہیں ان پر یہ بھی ظاہر کردے گا کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے مسلک ومشرب کا سچا پاسبان اور علماء فرنگی محل کا علمی ترجمان درحقیقت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

رحمت حق ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

فقط

بندۂ عاجز طالب دعا
محمد احمد رضا مصباحی حنفی دیناجپوری
خادم التدریس والافتا جامعہ چشتیہ خانقاہ شیخ العالم
ردولی شریف ،فیض آباد۔یوپی
بتاریخ ۲۸ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲ رفروری ۲۰۱۱ء

......☆......

تقریظ

از کلک عالی بارندۂ لآلی حضرت شاہ قطب الدین عبد الوالی فرنگی محلی زیدت برکاتہم
سجادہ نشین امام المتاخرین سیّدنا ومولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ

......☆......

دور حاضر کی ’’برہان طلب‘‘ اور کم مایہ منطق نے جب مادیت کے پردے سے صداقت کا منھ چھپانا چاہا تو غیرت الٰہی نے جادہ پیمائے فنا کو حضرت مولانا شاہ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے وجود مسعود کے ذریعہ سے بقا باللہ کا درجہ عطا فرمایا۔اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا نظارہ ہزاروں آنکھوں نے برائ العین دیکھا۔اور لاکھوں نے سن کر اس چودھویں صدی میں اپنا ایمان تازہ کیا۔’’نغمۂ زیر و بم ہستی‘‘ کے سننے والوں کو ذات واجب الوجود نے اپنی بے پایاں قدوسیت سے وہ سبق وحدت دیا کہ منکرین بھی عارفانہ انداز میں کہنے لگے ؎

پس عدم گردم، عدم چوں ارغنوں
گویدم کانّا الیہ راجعون

ہمیں اُمید کامل ہے کہ احب الاخوان مولانا محمد میاں فاروقی سلّمہ الباری کی اس بے بہا تالیف سے علمائے کرام ،صوفیائے عظام اور اخوان ملت بقدر ذوق بہرہ اندوز ہوں گے۔آپ نے اپنے جد محترم کے سوانح حیات جمع فرما کر خصوصیت سے ارباب سلوک ومشائخ ہند پر احسان عظیم فرمایا ہے۔خدا سے دُعا ہے کہ آپ جلد حضرت مولانا کی بقیہ تصنیفات شائع فرما سکیں، اس لئے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام معرفت التیام نے ارباب ذوق کی تشنگی میں اضافہ کردیا ہے۔

فقیر قطب الدین محمد عبد الولی
فرنگی محل ،لکھنؤ۔ ۱۵ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

التماس از مؤلف

حق حق حق

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے وہ بندے جن کو وہ اپنی بارگاہِ قدرت کا ہم راز بناتا ہے، دُنیا کے لئے نور ہدایت بن کر آتے ہیں اور جن کا وجود بھٹکے ہوؤں کے لئے چراغِ ہدایت ہوتا ہے، مگر فنا کے قانون سے وہ بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے اور چند ہی دن میں راہی ملک عدم ہوتے ہیں۔ ہاں جانے کے بعد ان کی زندگی کے کارنامے ارشاد و ہدایت کے کلمات اور خدمت خلق کے سلسلے میں اُن کی ایثار و قربانی باقی رہ جاتی ہے۔ یہ چیزیں اگر مرتب کر لی جائیں اور انہیں اشاعت کا جامہ پہنایا جائے تو اُن کے وجود جسمانی سے کچھ کم باعث افادہ نہ ہوں۔

ہدایت وارشاد کے اسی بدیہی قانون نے ہر زمانے میں غیر معمولی شخصیتوں کے حالات مرتب کرنے کا ولولہ ارباب علم میں پیدا کیا اور آج ان برگزیدہ ہستیوں کے تذکرے، ان کے حالات زندگی ہدایت وارشاد کے کلمات ہمارے لئے سعادت بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ خیال تھا جس نے دس برس سے (جب سے میں فرنگی محل چھوڑ کر الہ آباد آیا) مجھے حضرت جدی ومولائی حضرت شاہ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کی ترتیب وتالیف کے لئے بے چین کر رکھا تھا۔ مگر مدرسہ محمدیہ کے تدریسی مشاغل اور طباعت کے غیر مرتب اور انتہائی مشغول کن کاموں نے مجھے فرصت نہ دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کام کا ولولہ اور شوق پوری طرح نہ تھا ورنہ تمام رکاوٹیں اُس کی قوت کے سامنے فنا ہو جاتیں۔ صرف ایک سال سے اس خیال کی پرورش میں بہت ترقی ہوگئی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ میں سالہا سال سے اس چیز پر غور کرتا تھا کہ دُنیا مادہ پرستی، تعیش اور تن آسانی کے اس درجہ تک پہنچ چکی ہے جہاں سے بجائے آگے ترقی کرنے کے رجعت کر رہی ہے اور لوٹ کر وہ پھر اپنے کو روحانیت اور تہذیب نفس کے دامن سے وابستہ کرنا چاہتی ہے۔

متمدن ممالک میں سنیما قہوہ خانوں اور رقص گاہوں کے دوش بدوش روحانی ادبیات کی پرورش کی غرض سے انجمنیں بھی قائم ہو رہی ہیں جہاں اگر خواہشات نفسانی کو اُبھارنے کے لئے نئے نئے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور مختلف رسالوں اور پرچوں کے ذریعہ نفس پرستی کی اشاعت کی جاتی ہے، وہاں تھوڑے بہت روحانی لوگوں کی سوانح عمریاں ان کے تذکرے اور ان کے اقوال بھی منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ دُنیا مستقبل قریب میں روحانیت کے اس مرکز پر آنا چاہتی ہے جس کی آواز ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تپتے ہوئے ریگستان میں بلند کی گئی تھی اور جو اب تک مختلف دور میں اسی طرح پرورش پاتی رہی، جس طرح کوہ آتش فشاں پتھروں کی چٹانوں میں مخفی طور پر پرورش پاتا ہے اور بالآخر ایک نہ ایک دن صدائے لمن الملک کہتا ہوا سر نکال کر انقلاب کا اعلان کر دیتا ہے۔

آج دُنیا کی سلیم عقلیں للچائی ہوئی نظروں سے اُن لوگوں کے حالات کا مطالعہ کر رہی ہیں جنہوں نے کبھی بھی دُنیا میں صدائے حق بلند کی تھی کہ شاید جس حق اور روحانیت کے وہ طالب ہیں یا جن باتوں کو وہ اپنی روحانی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کسی قدیم خزانے سے اُن کو مل جائے۔ اس سلسلہ میں دُنیا کے تمام مذہبی طبقے اپنے یہاں کے روحانی اصول مختلف زیب وزینت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں مگر وہ جماعت بدقسمتی سے آج بالکل خاموش ہے جو ان علوم کی خزینہ دار ہے جن کو تمام روحانی علوم میں جامعیت کا مرتبہ حاصل ہے، جن میں ایسے فلسفیانہ حقائق کا اجتماع ہے جو فطرت اور عقل انسانی کے بالکل موافق ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جس کی شہرت تصوف اسلامی کے نام سے ہے۔ خوش قسمتی سے میرے چند احباب اس جانب متوجہ ہوئے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام ''ادارۂ نوامیس الٰہیہ'' ہے۔ اس ادارہ کے قیام نے اور اُس کے تکمیل فرائض کے خیال نے مجھے اور زیادہ اس پر مجبور کیا کہ میں تمام مشاغل کو ترک کر کے ادارہ کی کچھ نہ کچھ خدمت کروں۔

لہٰذا باوجود اپنی نا قابلیت کے جو جد وجہد اس مقدس فرض کی تکمیل کے لئے میں کر سکتا تھا مجھے شروع کرنی پڑی۔

اس کتاب کی تالیف میں بوجوہ کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خاکسار نے مولانا کا زمانہ نہ پایا تھا، اس لئے چشم دید واقعات کا خزانہ میرے پاس نہ تھا، شاگردوں، معتقدین اور مریدین کا شیرازہ بکھر چکا ہے جس کی وجہ سے کوئی ایسا اجتماع ممکن نہ تھا جس میں متعدد متوسلین یا واقعات کا مشاہدہ کرنے والے تبادلہ خیالات کر کے مستند واقعات کی ایک فہرست مرتب کر سکتے۔ اس سلسلے کے اگر کچھ لوگ باقی ہیں لیکن وہ اپنی کبرسنی کی وجہ سے اتنے ضعیف الحافظہ ہو چکے ہیں کہ ارباب روایت کے نزدیک اُن کے اقوال بہت زیادہ باوثوق نہیں سمجھے جاتے۔

ان دقتوں کے باوجود مولانا کے تصرف نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے اور ایسے لوگ مل گئے جو اپنے علم وفضل قوت حفظ وتدین اور احتیاط کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہیں۔ نیز ان لوگوں کو مولانا کی خدمت میں شب وروز سفر اور حضر میں رہنے کا شرف حاصل ہے، جس کی وجہ سے واقعات جو اس سوانح عمری میں درج ہیں یقینی قابل وثوق ہیں۔

فن روایت میں تدین وقوت حفظ اور مشاہدہ واقعات روایت کی صحت کے لئے کافی ہیں جو ان حضرات میں جن سے میں نے روایت کی ہے مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ جن حضرات سے میں نے ان واقعات کو نقل کیا اُن میں سے چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

جناب مولوی مظہر حسین صاحب، جناب مولانا ولایت حسین صاحب (صاحبزادہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ)، جناب مولانا حکیم فخر الدین صاحب (برادرزادہ وشاگرد خاص مولانا رحمۃ اللہ علیہ)، جناب مولانا حکیم رفیع الدین خاں صاحب، جناب منشی عبدالوحید صاحب شہر آرا باغ، جناب مولانا شفاء الصمد صاحب (شاگرد رشید)، جناب محمد خاں صاحب ٹھیکیدار دارا گنج، جناب فخر الدین خاں صاحب رئیس گوتنی، جناب عبدالحئی خاں صاحب وغیرہ وغیرہ۔

جو لوگ ان حضرات کو جانتے ہیں وہ اس کی بھی تصدیق فرمائیں گے کہ ان لوگوں میں دینداری، تقویٰ اور علم وفضل سب پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں سے مختلف واقعات مجھے معلوم ہوئے۔ جن میں سے اکثر میں نے طوالت کے خیال سے ترک کر دیئے۔ وہ

واقعات زیادہ تر خوارق عادات سے متعلق تھے۔ نیز میں نے تمام واقعات لکھ کر ابی مولانا محمد ولایت حسین صاحب قبلہ مدظلہ حضرت عمی مولانا حکیم فخر الدین صاحب مدظلہ استاذی حکیم مولانا رفیع الدین خاں صاحب مدظلہ کو دکھالیا، یہ وہ حضرات ہیں جو ہر وقت مولانا کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ اور ثالث الذکر صاحب تو رات بھی یہیں گزارتے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ صاحب جنہوں نے پوری عمر مولانا کی خدمت میں گزار دی، آج ہم لوگوں میں نہیں رہے۔ ورنہ یقیناً یہ سوانح عمری اس سے زیادہ مکمل ہوتی جتنی اب ہے۔

بزرگانِ دین کے سوانح حیات مرتب کرنے کے متعلق خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے ایک خط میں اپنی رائے تحریر فرمائی ہے، جو بعینہٖ حصۂ مکتوبات میں نقل کیا جائے گا۔

''مولانا کی رائے متعلق تالیف سوانح عمری''۔

آپ بزرگانِ دین کے حالات اس طرح پر مرتب کرنے کو پسند نہیں کرتے کہ جس میں بزرگانِ دین کے عادات واطوار سے زیادہ ان کی کرامت مذکور ہوں (جو طریقہ آج تک بزرگوں کی سوانح عمری میں اختیار کیا جاتا ہے) اور آپ اس طریقہ کو ضعیف العقیدہ لوگوں کے اعتقادات کے خراب ہونے کا سبب سمجھتے ہیں اور آپ اخلاق علوم اور تعلیمات کی تالیف کو کرامات کی حکایتوں کے تحریر کرنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں نے مولانا کی تعلیمات، عادات وخصائل ومجاہدات اور آپ کے علوم کو زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور کرامات صرف چند ذکر کئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ آپ کے کرامات کا ذخیرہ لوگوں کے روایات کے ذریعہ سے کافی تعداد میں مجھ تک پہنچ چکا ہے۔

میں ان سب حضرات کا جنہوں نے اس سلسلہ میں میری مدد فرمائی، تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

محمد الفاروقی عفی عنہ

هو الحق لا اله الا هو

حالاتِ زندگی

ولادت تربیت تعلیم
ہدایت و ارشاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی محمد حسین تھا۔کبھی آپ اپنے نام کے ساتھ عمری تحریر فرماتے۔کبھی فریدی اور کبھی محب الٰہی۔

آپ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تینتالیسویں پشت میں متصل ہوتا ہے۔

شجرۂ نسب

حضرت شاہ محمد حسین بن حضرت شاہ تفضّل حسین بن حضرت شاہ رضا حسین بن حضرت شاہ غلام غوث بن حضرت شیخ غلام محمد بن حضرت شیخ لطف اللہ بن حضرت سیف اللہ بن شیخ تاج الدین بن شیخ محب اللہ قطب الاقطاب الہ آبادی بن شیخ مبارز بن شیخ پیر بن شیخ بڈی بن شیخ قاضی مٹھی بن شیخ قاضی رضی الدین ملک العلماء بن قاضی شیخ اوحد الدین حاجی الحرمین بن قاضی مجد الدین فیاض۔بن شیخ قاضی جمیل الدین حاجی بن قاضی رفیع الدین حاجی الحرمین بن شیخ محب اللہ فیاض۔بن شیخ رستم اللہ حاجی بن شیخ حبیب اللہ حاجی۔بن شیخ ابراہیم حاجی۔بن شیخ قاضی علاء الدین فیاض۔بن امام قاسم حاجی بن شیخ قاضی عبد الرزاق فیاض بن قاضی شیخ عبد القادر جامع العلوم بن شیخ ابوالفتح حاجی الحرمین بن شیخ عبد السلام ظلوماً جہولا بن شیخ خضر فیاض بن مولانا شیخ شہاب الدین ملک العلماء گنج العلم بن شیخ خواجہ فرید مسعود شکر گنج اجودھنی۔ابن شیخ جمال الدین سلیمان فاروقی ابن شیخ سعید ابن احمد شاہ سلطان کابل ابن شیخ فرخ شاہ عادل شاہ کابل ابن شیخ مسعود شاہ سلطان کابل ابن شیخ عبد اللہ ابن شیخ واعظ الاصغر ابن شیخ واعظ الاکبر ابن ابوالفتح ابن شیخ اسحاق ابن ناصر الدین عبد اللہ ابن امیر المومنین امام المسلمین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و

عنہم اجمعین۔

آپ ساتویں پشت میں حضرت قطب عالم شیخ کبیر محب اللہ الہ آبادی سے نسباً واصل ہوتے ہیں۔ مگر جو روحانی تعلق آپ کو حضرت شیخ سے تھا اس کا اندازہ ان واقعات سے ہوسکتا ہے جن کا ذکر میں نے آپ کے فضائل کے ضمن میں کیا ہے اور یہ تو حقیقت تھی کہ شیخ کبیر کی تصانیف سے صحیح ذوق رکھنے والا شیخ کی اولاد میں اب تک آپ کے علاوہ کوئی نہیں پیدا ہوا، ہمارے استاد امام المتاخرین حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر اس حقیقت کا اظہار ایک خاص احترام، اخلاص اور محبت کے ساتھ (جو آپ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پایا جاتا تھا) اکثر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو اپنے علوم و معارف میں حضرت شیخ کبیر کے ساتھ جو مناسبت پائی جاتی تھی اس کا حامل برسوں سے کوئی نہیں ہوا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آخر عمر میں سوائے ان دونوں شیوخ کی کتابوں کے تمام کتابیں ایک حد تک علیحدہ کر دی تھیں۔

مولانا کے ان خطوط میں جن میں حقائق تصوفیہ کا اظہار کیا گیا ہے، کوئی خط شاید ہی ایسا ہو جس میں ان شیوخ کی کتابوں کے مضامین نہ ذکر ہوئے ہوں۔

انتیسویں پشت میں آپ کا نسب حضرت شیخ خواجہ فریدالدین گنج شکر سے ملتا ہے، جو سلسلہ صابریہ کے بزرگوں میں اپنے کثرت مجاہدہ اور شدت مشقت کے اعتبار سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ مولانا کو اپنے اس جد سے بھی بہ اعتبار مجاہدۂ نفس کے خاص مناسبت تھی، جس کا ظہور آپ کے کثرت مجاہدات سے ہوتا ہے، جس کا تذکرہ آپ کے معمولات میں آئے گا۔

تینتالیسویں پشت میں آپ اپنے جد امجد خلیفہ ثانی امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتے ہیں۔

اسی نسبی تعلق کا بھی خاص خاص موقعوں پر آپ کے عادات و فضائل میں ظہور ہوا۔ حق گوئی، جرأت اور غیر معمولی شجاعت آپ میں جتنی پائی جاتی تھیں اس کا اندازہ آپ کے سوانح حیات سے ہوسکتا ہے۔

ولادت تربیت و تعلیم

۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان کی پہلی تحریک آزادی شروع ہوئی، جسے غدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا کی عمر ساڑھے چار برس کی تھی، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا غالباً ۱۸۵۳ء کے کسی مہینہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانہ میں چونکہ ہندوستان کی حالت نہایت ہیجانی ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت کو نکلے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے۔ حکومت کی آنکھوں میں ان کے افعال و حرکات پورے طور پر کھٹکتے تھے۔ علماء کو اپنی عزت و حرمت کی حفاظت مشکل ہو رہی تھی، ہر شخص مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ چونکہ مولانا کا خاندان بھی ایک بااثر علمی خاندان تھا، لہٰذا اس پر بھی اشتباہ کی نظریں پڑتی تھیں۔ چنانچہ اکثر افراد خاندان قلعہ میں قید کئے جاچکے تھے۔ آپ کے چچا مولانا تجمل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر والوں کو لے کر موضع میلھن چلے گئے (جو تحصیل پھولپور میں الہ آباد سے تقریباً پچیس میل پر واقع ہے) اور جب تک غدر کا زمانہ رہا یہ سب لوگ وہیں مقیم رہے۔ خاندانی رواج کے مطابق مکتب کی عمر ساڑھے چار برس تھی۔ اس لئے آپ کا مکتب بھی وہیں ہوا۔

واپسی پر حفظ قرآن کے لئے اجرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نامی ایک حافظ جو الہ آباد میں جماعت حفاظ میں اچھی شخصیت رکھتے تھے) مقرر کئے گئے۔ موصوف نے خدمت متعلقہ باحسن وجوہ انجام دی۔ مولانا تیرہ برس کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے۔ حفظ قرآن کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا مولوی مہدی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ کو حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو علمائے فرنگی محل میں سے تھے جبل پور میں ملازم تھے اور یہاں اکثر تشریف لایا کرتے تھے جن کے خاندان میں استاذی جناب مولوی عظمت اللہ صاحب اب تک بقید حیات ہیں اور مدرسہ قدیمیہ فرنگی محل کے آج کل افسر مدرس ہیں) اپنے ہمراہ فرنگی محل لے گئے اور شروع میں خود تعلیم دیتے رہے، پھر مولانا

عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمادیا۔ زواہد ہیئت اور خلاصۃ الحساب آپ نے مولوی
نعمت اللہ صاحب مرحوم ہی سے پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب مولانا کے ساتھ خاص
شفقت فرماتے تھے اور آپ اُن کے بہت مقبول شاگردوں میں تھے۔ جیسا کہ رسالہ الاحسان
(مطبوعہ ۱۳۲۲ھ) کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

''مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر شفقت آپ پر بہت تھی۔ انہوں نے آپ کو
ابوالذکاء کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اکثر آپ حکم دیتے تھے کہ فلاں مسجد میں وعظ بیان کرو، چنانچہ
یہ بھی فرمایا کہ آج میں بھی تمہارا بیان سنوں گا۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کے تلامذہ میں یہ
شرف آپ ہی کو حاصل تھا کہ آپ کی ذات میں مولانا (عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ) کی جامعیت علوم
وفنون بھی آئی۔ آپ اپنے تمام معاصرین میں اس خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھے۔ چنانچہ مولوی
محمد علی صاحب مونگیری ناظم ندوۃ العلماء مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ یوں تو ایک ایک فن کے
اعتبار سے بہت سے لوگ مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پایہ ہیں۔ مثلاً کوئی مفسر
ہے تو کوئی محدث، کوئی فقیہ ہے تو کوئی ادیب، کوئی منطقی ہے تو کوئی فلسفی، کسی میں تقریر کا ملکہ ہے
تو کوئی تحریر کا ماہر، لیکن اگر جامعیت کے لحاظ سے دیکھو تو انصاف یہ ہے کہ ہم میں کوئی مولانا کا
حریف نہیں اور یہ بات خاص کر آپ ہی کو حاصل ہے کہ جس مسئلہ علمی یا غیر علمی کے متعلق کہہ
دیجئے تو بغیر فکر و تردد فی الفور برجستہ تقریر و تحریر اُس پر کر دیتے ہیں اور پھر یہ تقریر و تحریر بھی ایسی
ہوتی ہے کہ سبحان اللہ و ماشاء اللہ۔

مذکورہ بالا عبارت سے مولانا کے تبحر علمی اور زمانۂ طالب علمی کے کارناموں پر ایک حد
تک روشنی پڑتی ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ کو کھیل کود اور وقت ضائع کرنے والے کاموں
سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ آپ کے شاگرد مولوی نذیر احمد صاحب لکھنوی (جو آپ کے بھائی
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب فاروقی جج ہائی کورٹ کے ہم سبق تھے) بیان فرماتے تھے کہ
زمانۂ طالب علمی ہی سے مولانا کو کھانے پہننے اور راحت و آرام کی بہت کم پروا تھی۔ مولانا کے
والد کی مالی حالت اچھی تھی، اس لئے مصارف کافی ملتے تھے، مگر مولوی نذیر صاحب کی روایت

کے مطابق سب روپیہ کتب فروشوں کو چلا جاتا تھا اور اس کے باوجود مولانا ان کے قرضدار رہتے
تھے۔ فرنگی محل کے پل کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو مسجد ملا مبین رحمۃ اللہ کے نام سے
مشہور ہے، اس مسجد میں ایک حجرہ ہے جو اتنا تنگ ہے کہ اس میں تین چار آدمی مشکل سے لیٹ
سکتے ہیں، جس کے دروازہ سے صرف چند گز فاصلہ پر پاخانہ بنا ہوا ہے اور اس کی کافی بدبو حجرہ میں
رہتی ہے۔ مسجد کے مغربی دروازہ پر ایک سائبان ہے جہاں تمام دن اور نصف شب تک کباب
والوں کے چولہوں کا دُھواں بھرا رہتا ہے، اس مسجد کی موجودہ حالت یہ ہے لیکن میں نے اپنے
اساتذہ سے سنا ہے کہ مولانا مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں اس سے بھی کم راحت کے سامان
وہاں تھے۔ اسی مسجد میں آپ نے طالب علمی کا پورا زمانہ بسر فرمادیا۔ مولانا کو ہمیشہ تلاش رہتی کہ
جو فن حاصل فرمائیں وہ اس فن کے ماہر سے حاصل کریں۔ چنانچہ فن طب حکیم سیّد محمد صاحب
لکھنوی سے اور فن ادب مفتی عباس صاحب سے حاصل کیا جو اپنے فنون کے امام سمجھے جاتے
تھے۔ خدا نے طبیعت رسا دی تھی اور ذوق سلیم جس کا خود مولانا نے اپنی تحریر میں (جو آخری حج
کے موقع پر اپنے صاحبزادہ صاحب مدظلہ کو تحریر فرمائی اور آئندہ چل کر وہ پوری تحریر نقل بھی
ہوگی) اظہار فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعر و شاعری کا ذوق طالب علمی کے زمانہ ہی سے تھا۔

اسی سلسلہ میں حضرت خواجہ عزیز الدین صاحب سے خاص تعلقات تھے اور اکثر شعرو
شاعری پر گفتگو رہتی تھی۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کو اپنا کلام سناتے تھے۔ آپ فارسی ادب
میں بھی میر مفتی محمد عباس صاحب مرحوم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ارباب ذوق اور عقل سلیم
رکھنے والوں کا آج یہ فتویٰ ہے کہ مولانا کی طبع رسا اور تعبیر حقائق نے کلام میں جو رنگ پیدا کیا اس
نے آپ کو اساتذہ سے بالکل ممتاز کر دیا۔ کثرت مطالعہ اور کتب بینی میں انہماک کا اکثر نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ طبیعت میں خشکی روکھا پن اور بدمذاقی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر مولانا پر اس کا اثر بالکل برعکس ہوا
اور آپ کی خوش مزاجی بعض اوقات خصوصاً علماء متقشفین (وہ علماء جو حد سے زیادہ خشک اور کٹر
ہوتے ہیں) کی صحبت میں رندانہ حیثیت تک پہنچ جاتی مگر تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ جاتا۔

آپ ہمیشہ جب کسی خاص مضمون پر مطالعہ کرنا چاہتے تو کتابیں لے کر شاہ پیر محمد

صاحب کے ٹیلہ پر جو گومتی کے کنارے واقع ہے تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد پر پورا پورا دن صرف کر دیتے۔ جب آپ نے طب شروع کی تو ایک طبیب صاحب کے پاس جو وہاں کے مشہور اطباء میں تھے تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ مگر موجز (یہ طب کی ابتدائی کتاب ہے) ہی کے درس میں آپ کی قابلیت اور تبحر کا اندازہ کر کے انہوں نے پڑھانے سے عاجزی ظاہر کر دی۔ مجبوراً دوسرے استاد کی جانب رجوع کرنا پڑا۔

زمانۂ تدریس

طب اور درسیات ختم کرنے کے بعد آپ کو مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال تک اپنے پاس رکھا اور تمام اسباق آپ کے سپرد کر دیئے۔ سوائے آخری کتابوں کے باقی سب آپ ہی پڑھاتے تھے۔ اسی زمانہ میں بہت سے حضرات آپ کے شاگرد ہوئے۔ اور آپ مطب بھی کرتے رہے۔ پھر آپ کو فن تجوید حاصل کرنے کا شوق ہوا اور آپ جناب قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی کے پاس پانی پت تشریف لے گئے جن سے آپ نے حدیث کی بھی سند لی۔ پھر آپ نے اپنے وطن الہ آباد میں اقامت فرمائی اور محلہ دائرہ شاہ حجت اللہ میں اپنے خاندانی مکان میں رہنے لگے۔

دائرہ شاہ حجت اللہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کی اولاد مقیم ہوئی اور جس خطہ نے بعد کو دائرہ شاہ حجت اللہ کا نام حاصل کر لیا۔ اس طرح پر کہ حضرت شاہ حجۃ اللہ صاحب جو شیخ کے خاندان میں ایک بزرگ اور مشہور لوگوں میں تھے ان کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ حضرت شیخ کی اولاد اب تک اسی دائرہ میں مقیم ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ آخر الذکر دائرہ کے ایک فرد تھے۔ یہ دائرہ مرکز علم وفن تھا اور بڑے بڑے اولیائے کرام کی قیام گاہ۔ چنانچہ حضرت مولانا نے اپنے ایک مکتوب میں اسی دائرہ کے لوگوں کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

''اس ناچیز کی نمو و بود ابتدا سے ایسے خاندان میں ہوئی جو مدت دراز سے علوم حقیقت اور فنون تصوف میں مشہور تھا۔ پہلے پہل آنکھیں کھلیں تو جمال صوفیاء پر باتیں سنیں تو وہی توحید و

حقائق کی۔ خود میرے خاندان میں اتنے لوگ تھے کہ اگر کوئی ملنے آتا اور پندرہ پندرہ منٹ بھی ایک ایک شخص کے پاس بیٹھتا تو قریب قریب پورا دن صرف ہو جاتا۔ وہ سب ایک خیال کے لوگ تھے ان کی صحبت میں بجز اس کے کہ حقائق و معارف کی باتیں ہوں۔ ذوق وشوق کا ذکر ہو، اولیاء کرام کے تذکرے ہوں اور کوئی چرچا ہی نہیں تھا۔ خانقاہ میں مسجد میں اور ہر ایک مکان میں باہر کے فقراء بھی بکثرت آتے جاتے تھے۔ راتوں کو تمام محلہ ذکر کی آواز سے گونجتا رہتا تھا۔ لڑکپن سے جو انہیں کی صحبت رہی تو اسی وقت سے اہل اللہ کے ملنے کا شوق رہا اور اُن کی صحبت کے فیضان سے دل آداب صحبت فقراء سے انتہا درجہ باادب رہا، اس وجہ سے اس ناچیز کو اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کے وقت ہمیشہ تتبع عادات کا خیال رہا نہ تفتیش خرق عادات کا۔ ہاں کوئی کرامت یا خرق عادت بلا اختیار پیش آئی تو آمنّا صدّقنا کر کے مان لیا''۔

اس تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف کی جانب خاص میلان تھا۔ ان دائرہ والوں کے علاوہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب ایک بزرگ تھے جو علماء میں اچھی خاصی شخصیت رکھتے تھے اور مرجع انام تھے۔ یہاں جامع مسجد میں نماز بھی پڑھاتے تھے اور وعظ بھی فرماتے تھے۔

ایسی ہستیاں جو دُنیا میں اہم شخصیت اور غیر معمولی زندگی لے کر آتی ہیں اور کوئی کام شروع کرتی ہیں تو ابتداً مخالفین کی تعداد موافقین سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ ان کے الہ آباد میں تشریف آوری کے ساتھ ہی مخالفتوں کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ کسی نے قیام نہ کرنے کا الزام لگایا اور کوئی غیر مقلدیت کا طوفان لے کر اٹھا۔ غرضیکہ ہر شخص نے ہمہ تن مولانا کی بڑھتی ہوئی شخصیت اور وقار کو ٹھیس لگانے کی کوشش کی اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے آپ کی مخالفت کے درپے ہوئے، لیکن بادِ مخالف کے یہ جھونکے آپ کے اثر و اقتدار کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور دن بدن آپ کا وقار بڑھتا گیا۔ چنانچہ عمر کے آخری سال میں پہنچ کر ہر طرف مولانا کے دوست ہی دوست نظر آنے لگے اور تقریباً تمام الہ آباد مولانا کے خدام میں شامل ہو گیا۔ خود مولانا اس حقیقت کو اس خط میں بیان فرماتے ہیں جو آپ نے اپنے صاحبزادے ابی ومولائی حضرت مولانا محمد ولایت

حسین صاحب مدظلہ کو تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط مولانا کی زندگی کے بہترین حقائق اور کافی حالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کا درج کرنا خالی از منفعت نہ ہوگا۔

مکتوب

برگرفتم ز جہاں جان جہانے کہ مپرس — جاں فشاندم بسر آفت جانے کہ مپرس
دمے آبے کہ سکندر بجہاں جست و نیافت — یافتم از دم شمشیر و سنانے کہ مپرس
داغ بر داغم ازاں لالہ عذارے کہ مگو — پا بہ گل ہستم ازاں سرد روانے کہ مپرس
ماند پیکان خدنگت بدہانِ زخمم — یافتم بہر سپاس تو زبانے کہ مپرس

رگ مجنوں کو اگر سوداءِ نوک نشتر ہو تو نجد کے خار صحرا سے بڑھ کر نہیں۔ چشم وامق کو سرمہ کی حاجت ہو تو غبارِ کوئے عذرا سے بہتر نہیں۔ دردمندان الفت کو دوا کی پرواہ نہیں۔ خاک راہ محبوب ان کے لئے سرمایۂ شفا ہے۔ جاں دادگان محبوب کو کسی بت اعجاز نما کی حاجت نہیں ہوائے کوئے جاناں اُن کے حق میں دم عیسیٰ ہے۔ اس راہ کے صدقے جس کی انتہا کوچہ جاناں تک ہو۔ اُس کوچہ کے قربان جس کی نسبت سید انس و جان تک ہو۔ اس شہر کا سودا آنکھوں میں نور اور دل میں سویداء بن کر رہے تو کم ہے۔ جو سایہ پرور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس سرگشتہ دشت ناکامی نے مدتوں تڑپ کر فکر کی کہ اپنے آقائے نامدار کے بارگاہِ عزیز الجاہ کے آستانہ فیض کاشانہ کی جبہہ سائی کرے مگر نارسائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔

آخر خدا نے وہ دن دکھایا کہ ناچیز آپ لوگوں سے رخصت ہو کر صبح آٹھ بجے جبل پور پہنچا۔ جبل پور کے مسلمانوں نے میرے دن بھر قیام کے لئے اسٹیشن پر خیمہ وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ مگر آنے کا وقت یقینی طور پر معلوم نہ تھا، اس لئے وہ انتظام ناتمام رہا۔ دن بھر اسٹیشن ہی پر قیام رہا۔ وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے دن عصر کے وقت بائی کلہ کے اسٹیشن پر میرے مخدوم محمد صدیق سیٹھ ملے اور کہنے لگے کہ بمبئی میں اور لوگ بھی آپ کے منتظر ہوں گے مگر ''الفضل للمتقدم'' آپ میرے مہمان ہو چکے۔ میں نے خیال کیا کہ میرے قدیم دوست مولوی محمد صدیق ہیں وہ

اگر اصرار فرمائیں گے تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔ وہ میرے ساتھ بوری بندر اسٹیشن تک آئے۔ یہاں مولوی صدیق احمد صاحب اور ایک جماعت مسلمانوں کی میری منتظر تھی اور سواری کے لئے گاڑیاں بکثرت موجود تھیں۔ غرضیکہ مولوی صاحب کی لائی ہوئی گاڑی پر سوار ہو کر باتفاق صدیقین آغا بلڈنگ میں آ کر ٹھہرے۔ بمبئی کی سرگزشت اس پرچہ کے آخر میں لکھوں گا۔ ابھی کچھ اور ضروری باتیں لکھوں گا۔

''میری طبیعت فطرتاً کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ دُنیا کے رنج و راحت بخش اسباب سے بہت کم متاثر ہوتی ہے، کسی دوست کے قرب و بعد کا اثر میرے قلب پر بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے یہ امر متیقن مثل مشہود کے ہے کہ ہر وصل کی انتہا فصل ہر جمع کا انجام تفریق ہے۔ بقول شاعر:

ع ہر جمع کا انجام پریشانی ہے

(مولانا نے اس پورے جملے میں اپنی وہ حالت بیان کی ہے جس کی جانب میں نے مولانا کے سلوک کے تحت میں استاذی مولوی رفیع الدین صاحب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مولانا ابوالوقت تھے جو حالت چاہتے تھے اپنے اوپر طاری فرما لیا کرتے تھے۔ تکلیف کے وقت ہمیشہ چہرہ پر بشاشت کے آثار نمایاں رہتے تھے۔ مؤلف)

مگر اس مرتبہ ہم وطنوں کے ظاہر و باطنی تجاذب نے میرے قلب کو اس طرح کشاکش میں ڈالا کہ اگر قبلہ عالم سرکار والا اقتدار آقائے نامدار جہاں پناہ روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آستانہ بوسی کا شوق دل پر غالب نہ ہوتا تو یقیناً دل کی ایسی حالت پہنچتی تھی کہ دامان شکیبائی ہاتھ سے جاتا رہتا۔ مجھے یہ تو یقین ہے کہ میرے ہم وطن سب نہیں تو اکثر دلی محبت رکھتے ہوں گے۔ اس لئے کہ میں نے جہاں تک محبت اور اس کے اسباب میں غور کیا تو یوں سمجھ میں آیا کہ اصل محبت تو ہر شخص کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے، اس کے بعد جس کو اس کی ذات کے ساتھ جس قدر قرب ہے اسی قدر محبت کم و بیش ہوتی ہے اولاد اور بھائیوں کی محبت کا تفاوت اسی تفاوت مراتب قرب پر مبنی ہے۔ مگر قرب دو ہیں۔ ایک قرب زمانی و مکانی۔ دوسرے قرب باطنی (جس طرح اخلاق اور مزاج آپس میں متقارب ہوتے ہیں) ہاں جس طرح قرب زمانی اور مکانی میں زمان اور مکان کا

متحد ہونا ملحوظ ہے قرب باطنی میں بھی کسی امر کا مشترک ہونا ضروری ہے۔اسی امر مشترک کو اتحاد باطن یا اتحاد معدن کہتے ہیں۔ بہر حال اپنے ساتھ اوّل درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ دوسرے درجہ کی محبت قریبوں کے ساتھ ہوتی ہے۔غرضیکہ قرابت کو محبت لازم ہے۔قرابت نسبی کو غور سے دیکھئے تو وہ بھی اشتراک معدن کی ایک فرع معلوم ہوتی ہے۔اس لئے کہ اجزائے نطفۂ پدری اس کے اصل کے ساتھ کبھی مخلوط اور ایک معدن میں تھے۔ پیدا ہونے کے بعد اگر قرب کے اور وجوہ پیدا ہو جائیں تو محبت میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ ہاں کہیں باوجود اتحاد معدن وموطن کے بجائے محبت کے عداوت نظر آتی ہے تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسری قسم کی محبت جو اُس کے معارض ہے غالب آتی ہے۔

معدن دوطور کے ہوتے ہیں۔ایک حقیقی اور دوسرا غیر حقیقی۔معدن حقیقی سے ہماری مراد کسی وصف انضامی میں شرکت واتحاد ہے۔جس طرح دوفرد انسانیت یا اوصاف ذاتی میں متحد ہیں اور معدن غیر حقیقی سے مراد وصف انتزاعی میں شرکت ہے جیسے مکی یا مدنی ہونے میں شرکت۔ غرضیکہ غور سے دیکھا گیا تو اتحاد معدن موجب محبت ہے۔ ہاں کہیں باوجود اتحاد معدن حقیقی اور غیر حقیقی کے وہ محبت نہیں ہوتی جو دور کے رہنے والوں میں یا متحد المذہب والاخلاق میں ہوتی ہے۔تو اس کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرابت نسبی میں اتحاد معدن غیر حقیقی ہے۔اس لئے نطفہ سے اگر پیدا ہوتا ہے تو جسم پیدا ہوتا ہے نہ روح۔اور بدن روح کے حق میں ایسا ہے جیسا مکین کے حق میں مکان۔اور اخلاق اور امور مذہبی کا تعلق بالذات روح کے ساتھ ہے اور اتحاد مکانی میں معدن غیر حقیقی اتحاد ہے اور اوصاف روحانی کا اتحاد معدن حقیقی کا اتحاد ہے اور حقیقی غیر حقیقی پر غالب ہے۔ بہر حال مجھے اپنے ہم وطنوں سے چونکہ اتحاد معدن کبھی ایک وجہ سے کبھی بوجوہ حاصل تھا۔ اس لئے خیال محبت راجح اور اس کا مخالف خیال میری نظر میں مرجوح معلوم ہوتا ہے۔اسی بنا پر اہل وطن کے ان برتاؤ کو جو خلاف محبت تھے۔نہایت حیرت کی نگاہ سے دیکھتا۔ میرے وطنی بھائیوں نے ایک زمانہ تک مجھے وہابی بنایا اور محض اپنے وہم وگمان کے موافق وہابیہ کے سارے عقائد کا اچھے ہوں یا بُرے۔ واقع میں وہ میرے عقائد ہوں یا نہ ہوں مجھے معتقد ٹھہرایا۔اس کا منشا محض اسی قدر تھا کہ مولود شریف کے محافل میں ذکر ولادت کے وقت بالخصوص حسب رواج قیام (جس وقت ولادت کا بیان میلاد شریف میں ہو تو اس وقت کھڑے ہونے کو

قیام میلاد کہتے ہیں) کو سخت ضروری نہیں شمار کرتا تھا۔ گو میں قیام کو حرام نہ جانتا تھا اور قیام کرنے والوں کو بُرا نہ سمجھتا تھا،اس کے ساتھ ہی قیام مخصوص کو فرض یا واجب یا رکن ایمان نہ جانتا تھا۔جیسا اب بھی نہیں جانتا۔فقط اتنی ذرا سی بات پر میں وہابی بنا، بدعقیدہ کہلایا اور وہابیہ کے سارے عقائد میرے ذمہ لگائے گئے گو خدا کے فضل وکرم سے ان سارے عقائد سے دور تھا۔طرفہ یہ ہے کہ جو اصحاب قیام کے قائل تھے یا ہیں وہ بھی فرضیت یا وجوب کے قائل نہیں۔غرض ایک زمانہ تک میں اُن کے گمان میں وہابی بنا رہا۔اُس دور میں وہابی مجھ سے خوش اور ان کے مقابل ناخوش رہے وہابیوں نے اپنی غلط فہمی سے سمجھا کہ یہ من کل الوجوہ مِنّا'' ہیں اور اُن کے مقابل نے خیال کیا کہ یہ ''منہم'' ہیں۔حالانکہ میں من کل الوجوہ سنی صحیح العقیدہ تھا اور ہوں۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من

وز درونِ من نہ جست اسرار من

یہ پہلا دور تھا۔اب دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ قیام میرے نزدیک معصیت یا قبیح کبھی نہ تھا اور عند التحقیق اس کی حقیقت بھی استحباب اور استحسان علماء سے زائد نہیں۔اہل محبت اپنے ذوق وشوق میں اس کو مقام شہود میں جو کچھ سمجھیں وہ اور بات ہے۔ اب میں نے محفل میلاد شریف میں قیام بہ التزام شروع کیا۔اس دور کے انقلاب عملی سے یہ انقلاب اوہام ہوا کہ وہابیہ کے زمرہ میں بجائے متبع،مبتدع میرا نام ہوا اُن کے مخالفین کے زمرہ میں سنی ٹھہرا۔ پہلے دور میں جو مجھے ''مِنّا'' (اپنے میں) سمجھتے تھے ''منہم'' (غیروں میں) سمجھنے لگے اور منہم والے منّا۔اب وہابیہ کی طرف سے جتنے عقائد اُن کے مخالفین کے تھے وہ میرے سر باندھے گئے اور اُن کے مخالفین کی جانب سے وہ ساری تہمتیں جو پہلے دورہ میں میرے ذمہ لگائی گئی تھیں یک قلم دور کردی گئیں۔ پہلے دور میں جس فرقہ کے نزدیک قابل تحسین وآفرین تھا اس کے نزدیک قابل نفرین بنا۔ان دونوں فرقوں کے تبدل وتغیر خیالات کی وجہ سے مجھے یہ علم حاصل ہوا کہ ہمارے اسمائے متعارفہ کے سوا اور نام بھی ہیں، وہابی بدعتی سنی۔ہم تو طالب علم ہیں، ہمارا مطلب کہیں نہیں گیا۔ہم بہر حال اس میں بھی ان کے شکر گزار ہیں۔

یہ دور بھی ختم ہوا۔اب تیسرا دور شروع ہوا۔میری طبیعت میں فطرتاً سوز وگداز رکھا گیا

ہے اور کلام موزوں اور صوت حسن کے ساتھ خلقتاً مجھے ایک فطری مناسبت ہے، اس کے ساتھ ہی مجھے ذاتی اور نسبی تعلق خواجگان چشت سے ہے۔ ان حضرات سے دس پشتوں سے شرف غلامی حاصل ہے۔ اس نسبت نسبی اور ذاتی کے غلبہ سے میری طبیعت کو سماع ونغم اور استماع زیر و بم پر مجبور کیا اور جو فوائد باطنی مجھے سماع وغنا میں ہوئے بیان نہیں کر سکتا۔ جو لعن وطعن دوست و دشمن کے سننے میں آئے اُس کو میرا دل ہی جانتا ہے۔ سب وشتم کے خطوط لکھ کر بھیجے۔ پہلے دونوں دور کے اکثر موافق مخالف ہو گئے بقول شخصے ''بیل نہ کودا کودی گون'' ایسے سفیہ جہلا منھ آئے جنہیں الف بے اور لٹھے شہتیر میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ ہمارے اوپر ان کی طعن آلود یا وہ گوئیوں کا اتنا اثر بھی نہ ہوا جتنا مکھی یا مچھر کی بھنبھناہٹ کی آواز کان میں آنے سے ہوتا ہے...... الہ آباد اہل علم سے خالی ہے کوئی کچھ سمجھے ہماری نظر میں یہ مطاعن جمادات کی آواز اور حیوانات کے صوت وصدا سے بھی زیادہ بے معنی ہیں۔ اس لئے ہم نے ایسی ویسی تحریر و تقریر بھی نہ دیکھا نہ سنا۔ ہم کو اپنے کام سے کام ہے۔ ع

خلقے بطعن و گفتگو عاشق بکار خویشتن

مگر سنتے ہیں کہ کچھ ایسے کلمات (ان لوگوں نے) لکھے جن سے ہمارے دوستوں کو دلی رنج پہنچا۔ ہمیں تو کچھ ان باتوں کا خیال ہی نہیں ہوا کیونکہ مجاذیب کی زبان سے ہم نے اس سے بڑھ بڑھ کر کلمات سنے، دوسرے میری ذات خاص کے اوصاف ذمیمہ جس قدر لکھیں اور ان پر جتنا جی میں آوے ملامت کریں، ان ذمائم سے بدرجہا کم ہیں۔ جن کا ہونا میری ذات میں مجھے عین الیقین کے درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ وہ ساری ملامتیں جن کا اپنے اٹکل سے مجھے مستحق سمجھتے ہیں بہ نسبت ان ملامتوں کے جن کا میں اپنے علم میں فی الواقع مستحق ہوں بہت ہی قلیل ہیں۔ بہر حال اس دور میں میرا لقب صوفی و عارف، فاسق و فاجر، ریا کار ہوا۔ معلوم ہوا کہ میرے یہ بھی اسماء ہیں جن کا اب ہمیں علم ہوا۔

اسمائے مختلفہ کی تشخیص اشخاص مختلفہ سے شہود آثار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ جس نے جس اثر کا مشاہدہ میری ذات میں کیا اُس کے موافق مجھے خطاب دیا۔ مشاہدہ کا اختلاف مشاہد (مشاہدہ کرنے والا) کے استعداد مناسبت پر مبنی ہے اور آثار کا ظہور علمی یا عینی تجلیات اسمائی،

صفاتی اور واقعاتی نیرنگیوں کا مقتضا ہے۔ جن اسماء کی تجلیات علمی یا عینی کے جلوہ گاہ ہونے کا پیشتر ہمیں علم نہ تھا۔ اس دور میں معلوم ہوا کہ ان کے بھی ہم کسی نہ کسی طور کے مظہر ہیں۔ واقع میں یا کسی کے علم میں گو وہ غیر واقعی ہی کیوں نہ ہو مگر ایک قسم کی تحقیق ذہنی سے خالی نہیں۔ دلدادہ الفت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ محبوب کے کسی علم یا صفت کا مظہر ہو۔ عاشق کے لئے محبوب کی ہر ادا دلفریب ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ہم بہر حال شکر گزار ہیں کہ۔ ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ہمارے حضرات کے نزدیک ہر مخلوق کا حضرت حق سے دو طور پر تعلق ہے۔ ایک بواسطہ دوسرے بلا واسطہ۔ تعلق بواسطہ میں تو حکماء ہمارے موافق ہیں، مگر تعلق بلا واسطہ میں مخالف۔ لیکن کتاب و سنت اس کے ساتھ ناطق ہے۔ تعلق بلا واسطہ کو صوفیہ عالیہ کی اصطلاح میں ''وجہ خاص'' کہتے ہیں۔ وجہ خاص ہر شخص کے لئے مبداء فیاض سے فیوض مخصوصہ کے پہنچنے کا واسطہ ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان نام رکھنے والوں کو بواسطہ ''وجہ خاص'' میری ذات میں ایسے آثار کے علم شہودی کا اضافہ ہوا ہو جس کا مجھے علم نہیں اور وہ ان کے لئے ان اسماء کے ساتھ میرے مسمیٰ بنانے کا ذریعہ ہو۔ میں گمان بد کیوں کروں، میں تو یہی سمجھوں گا کہ ان کا علم میرے لئے اس علم کا ذریعہ ہوا کہ میں ان اسماء کا بھی مظہر ہوں۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ میں نے جو اوپر جماد وحیوان کی آواز کو تمثیلاً ذکر کیا وہ باعتبار عوام کے ہے جو جماد وحیوان کو بے علم و ادراک اور بے نطق سمجھتے ہیں۔ اہل کشف کے نزدیک سب ذی علم اور ذی نطق ہیں۔ آیہ کریمہ اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ ہر چیز کو ناطق بتاتی ہے اور آیہ کریمہ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ حجاز کو ذی علم ٹھہراتی ہے۔ اس لئے کہ خشیۃ بے علم کے ناممکن ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اسی بنا پر سنگ ریزوں کی تسبیح میں وجہ اعجاز تسبیح نہیں، کیونکہ وہ عادتاً تسبیح کرتے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ وجہ اعجاز ان لوگوں کو تسبیح سنانا تھی جو عادتاً نہ سنتے تھے۔

یہ تین دور جو اپنی عمر کے میں نے ذکر کئے ان میں لوگوں کی بدگمانی پر مجھے سرسری نظر کے اعتبار سے تعجب ہوا مگر بعد غور کے معلوم ہوا کہ تعجب کا محل نہیں۔ میرے ساتھ بدی کا گمان رکھنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک راست باز جو بتقاضائے حب ایمانی ان عقائد کو جو ان کی نظر میں باطل ہیں مبغوض رکھتے تھے اور اس کے لوازم میں سے ہے کہ ان عقائد کا معتقد ہونا مبغوض مانا جاوے تو گو اتحاد وطنی موجب الفت تھا مگر تباعد اعتقادی باعث نفرت تھا، گو محض ان ہی کے علم میں اس کا تعلق روح کے ساتھ تھا اور اس کا جسم کے ساتھ۔ اور حکم روحی حکم جسمی پر غالب ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ایسے لوگوں کا بھی شکر گزار ہوں کیونکہ حب ایمانی اُن کی دوستی و دشمنی کا سرمایہ ہے۔ ایسے لوگوں کی دوستی و دشمنی بتغیر خیال یا بہ تبدیل احوال تغیر پذیر ہے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے میرے کسی قدر ارتقاع کو بھی اپنے انخفاض کا ذریعہ سمجھا گو یہ خیال اُن کا محض عقلمندی پر مبنی ہے یا بلاوجہ میرا ارتقاع ان کی نظر میں کھٹکا یہ لوگ ہمیشہ ہر دور میں اپنی کاہش قلبی میں مبتلا رہے۔ اس لئے کہ یہاں خدا کے فضل سے کچھ نہ کچھ ہر دور میں عظمت ظاہری رہی۔
ہم اُن کے حق میں بھی دست بدعا ہیں کہ اللہ اُن کو اُن کے مرض سے رہائی دے۔ ہم ان کو بھی معذور سمجھتے ہیں۔ اس قسم کے برتاؤ نے میرے دل کو اپنے وطنی بھائیوں سے سرد کر دیا تھا۔ میں نے محض اپنے شہر والوں کے نفع کی غرض سے انجمن قائم کی۔ ابتداء اس کی اس زمانے میں ہوئی جب باہم ہندو مسلمانوں میں کسی قدر رنجش تھی۔ اس انجمن کے تقرر کی غرض یہ تھی کہ مذہبی حقوق اور دینی آزادی کا جو گورنمنٹ برطانیہ نے اپنی رعایا کو بمقتضائے عدالت و رعایا پروری عطا فرمائی ہے تحفظ کرے اور اگر کچھ نقصان آ گیا ہو تو حکام وقت کی خدمت میں استدعا کرے اور ان سرکاری احکام میں جس کی اشاعت اور تفہیم کی مسلمانوں میں حکام کو ضرورت پڑے ذریعہ اور واسطہ ہونے کی شرافت حاصل کرے۔ لاوارث مردوں کی تجہیز و تکفین کا سامان کرے۔ ابتدا سے اب تک سارے مہتم بالشان کام انجمن کے جلسہ عام میں کثرت رائے سے کئے جاتے ہیں۔ پہلے اشتہار دیا جاتا ہے، اس کے بعد مجمع میں رائے لی جاتی ہے۔ ممبروں کا تقرر وغیرہ سب مجمع میں کیا جاتا ہے۔ انجمن کے ممبر کوئی ایسے نہیں جن کی عزت یا معیشت یا شہرت محض انجمن کی ممبری

کے ذریعہ سے ہو۔ انجمن نے کبھی مسلمانوں کو کثیر سرمایہ اکٹھا کرنے کی تکلیف نہیں دی تا کہ مانگنے کی دردسری اٹھانی پڑے۔ دوسرے جس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے لئے بقدر ضرورت مسلمانوں سے اعانت کی درخواست کی جاتی ہے۔ کوئی سرمایہ کثیر جمع کرنے کی التماس نہیں کی گئی۔ ہاں اس قدر تدبیر کر دی جاتی ہے جس سے ملازمین کی تنخواہ کا انتظام ہو۔
تفضّل حسین خاں منصرم انجمن ایک ہوشیار اور جفاکش آدمی ہے اور قطع نظر جفاکشی کے معاملات فہمی کی قابلیت ان میں ایسی ہے کہ کم کسی میں ہوتی ہے۔ اتنے زمانہ تک انجمن نے اپنے کار و فرض منصبی کو پورے طور سے ادا کیا۔ میں اگرچہ دو تین سال سے بیشتر سفر میں رہتا ہوں۔ مگر ہمیشہ انجمن کے حالات سے جہاں بھی رہوں مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ اس انجمن کے قائم ہونے پر بالخصوص مجھ پر اور منصرم پر جس قدر طعن و تشنیع کی بوچھاریں تحریراً و تقریراً ہوئیں ان کو میرا دل ہی جانتا ہے۔

جراحات السنان لہا التیام　　ولا یلتام ماجرح اللسان

کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان جگر خراش مضامین سے ایک دیرپا اثر دل میں پیدا ہو جس کا ازالہ مرور دہور کے بغیر دشوار ہو مگر میں نے ان باتوں کو دل میں جگہ نہیں دی۔ اور یہ سمجھا کہ۔ع

این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

میں نے انجمن کو مسلمانوں کے مذہبی امور کے لئے ایک جارحہ تو یہ بتایا تھا اور حکام والا مقام کے حضور میں مسلمانوں کی حالت عرض کرنے کے واسطے ایک زبان گویا قرار دیا تھا۔
مقتضائے انصاف یہ تھا کہ مسلمان اس سے کام لیتے اور اگر کچھ برائی نظر آتی تو محض خلوص اور اصلاح کے طریقہ سے اس کی درستگی کی کوشش کرتے۔ ممکن ہے کہ ممبران انجمن سے کسی رائے میں غلطی ہوا ان سے کوئی امر فروگذاشت ہو گیا ہو کوئی مسلمان اس غلطی کو بطور تصحیح سمجھا وے تو انجمن اس کے ماننے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ اس کا شکریہ تہہ دل سے ادا کرے گی۔ کسی ہاتھ پیر یا کسی عضو میں نقصان آ گیا ہو تو مقتضائے عقل یہ ہے کہ اس کی اصلاح کی فکر کرے نہ کہ تشہیر کرتا پھرے کہ ہمارا ہاتھ پر عیب ہے۔ بہرحال جب تک ہمارے امکان میں ہے ہم تدبیر سے ہمت

سے دعا سے انجمن کی بقا کی فکر کریں گے۔ آئندہ خدا مالک ہے۔ اب ہم نے انجمن کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا ہے انہیں کی انجمن ہے انہیں کے کام کے لئے قائم کی گئی ہے۔ ہماری کوئی خاص ذاتی غرض اس سے متعلق نہیں۔ دیکھیں وہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ جناب مولوی محی الدین صاحب اور برادر عزیز مولوی مظہر حسین صاحب اور نور دیدہ حافظ ولایت حسین صاحب بجائے میرے انجمن کا کام انجام دیں گے کوئی مصرف انجمن کا بجز معمولی خرچ کے بلا مشورہ تمام اراکین کے نہ ہوگا اور کوئی مہتم بالشان کام انجمن کا مثل تقرری ممبران وغیرہ کے بغیر انعقاد مجلس عام کے نہ ہونا چاہئے۔ انجمن کا کوئی مصرف کسی ذاتی کام یا کسی ایسے کام میں نہ ہونا چاہئے جو طریق اہل سنت کے خلاف ہو۔ بہ ظاہر تو میں نے انجمن کو مسلمانوں اور ان تینوں کے سپرد کیا مگر فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

یہ انجمن کچھ میری ذاتی غرض کے لئے نہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ انجمن کے سرمایہ سے یا اس کی کسی چیز سے قلیل ہو یا کثیر میں کبھی ہرگز متمتع نہیں ہوا نہ یہ انجمن میرے لئے سرمایہ عزت یا ذریعہ معیشت ہے۔ میں بمصداق **وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّث** بطور تحدیث نعمائے الٰہی اپنے اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ میری غیبی امداد ظاہری و باطنی ابتدائے سن شعور سے آج تک برابر فرماتا ہے کہ مجھے ابنائے روزگار میں کسی کی منّت کشی کا نیاز مند نہیں کیا۔ اس شہر میں اور ہندوستان کے دیگر بلاد میں بہت سے صاحب دولت میرے دوست ہیں مگر کبھی خدا کی مہربانی سے کسی متنفس سے مجھے اپنی ذاتی غرض میں التجا کرنی یا اُن کی دولت یا عزت پر طمع اور آرزو کی نگاہ سے نظر ڈالنے کی نوبت نہیں آئی۔ ہاں کبھی قومی معاملات میں بعض معاملات فہم لوگوں سے اعانت طلب کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس میں چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے مدد دی ورنہ اکثروں نے تو بے توجہی سے کام لیا اور اگر توجہ بھی کی تو محض آنی (یعنی بالکل تھوڑی دیر کے لئے) کہ ایک مجلس کے بعد پھر اس توجہ کا اثر نہ رہا۔ یہ اعانت طلبی نہ اس وجہ سے تھی کہ ملکہ فہم میں ان کو تفوق تھا بلکہ اس وجہ سے تھی کہ معاملات کے بکثرت برتاؤ کی وجہ سے ان کا تجربہ زیادہ تھا۔ ایک شخص قوی البصر ہے۔ اس کی بینائی کی قوت بہت قوی ہے، مگر گھر سے کبھی باہر جانے کا اس کو

اتفاق نہیں ہوا۔ اور دوسرا شخص ضعیف البصر ہے۔ مگر اکثر سفر میں رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مبصرات کے صور مرئیہ اس کے خزانۂ علم میں زائد ہوں گے۔ مگر نفس قوت باصرہ میں وہ شخص اوّل کا ہم پلّہ نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر حضور کا ارشاد ہے کہ **انتم اعلم بامور دنیاکم** (اے دنیا دارو) تم اپنے دنیاوی معاملات کو بہتر سمجھتے ہو) میں اپنے خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایسے علوم عربیہ سے بہرہ یاب فرمایا ہے کہ شاید بیشتر اذہان اہل علم اس سے خالی ہوں گے اور وہ علوم محض اُس کے کرم کا نتیجہ ہیں نہ میری سعی و کوشش کا۔ صدہا باریک مسائل جن کے حال میں بیشتر عقلا کے عقول محو حیرت ہیں۔ مبداء فیاض نے بہ تجلّی صفت علمی نہایت سہولت سے مجھ پر اس کی حقیقت منکشف کر دی۔ مثلاً حقیقت نفس کیا ہے اور اُس کے اثبات پر کیا دلیل ہے اور تجرد و بقا پر کیا برہان ہے۔ (ایک تحریر اس موضوع پر بزبان عربی ملی ہے جو کسی موقع پر شائع کی جائے گی۔ مؤلف) ہیکل انسانی کی تدبیر اُس سے کیسے ہوسکتی ہے اور کیا ممکن ہے کہ بعض نفوس انسانی ایسے ہوں کہ ترقی کمال علمی و عملی سے ان کو ایسا کمال حاصل ہو جس سے ایک وقت میں چند ہیاکل انسانی اور صور جسمانی کی تدبیر ان سے ہوسکے۔ جس طرح عقل فعال سے باوجود تجرد کے فساد کی تدبیر حکماء کی مانی ہوئی حقیقت ہے اور آیا نفس انسانی کا وجود مزاج کے بعد ہے یا قبل مزاج اور آیا نفس انسانی کو بدن کے ساتھ کس امر کے ذریعہ سے ارتباط حاصل ہے جو جسم اور نفس دونوں میں مشترک اور دونوں کے من وجہ مناسب ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ بسیط تام مرکب تام کے مبائن ہے اور ہر موثر کی تاثیر دوسرے میں بدون مناسبت اور ارتباط کے ناممکن ہے۔ اگر مناسب ہے تو مزاج مرکب اور نفس بسیط میں کون سی مناسبت ہے اور ان کی حقیقت کیا ہے اور آیا ممکن ہے کہ نفس اس ارتباط سے کلیۃً الگ ہو جائے اور اس کو کسی صورت بسیط یا مرکب سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہے۔ یا یہ امر ناممکن ہے۔ اگر ممکن ہے تو آیا اس عالم میں ممکن ہے باوجود بقاء علاقۂ تدبیر کے۔ یا ناممکن۔ وہ فیض جو مبداء فیاض سے ہوا کیا ہے۔ اور اس کے صدور کی کیفیت اور قوابل تک اس کے اصول کی حقیقت کیوں کر ہے۔ ہیولیٰ قابل قسمت نہ صورت مجرد حلول صورت کے بعد کوئی امر جدید پیدا ہوا۔ بجز اجتماع کے اور اجتماع محض ایک نسبت اعتباری ہے جس کے لئے کوئی تحقیق فی حد ذاتہ نہیں ہے۔

الاتبیعۃ کسی ایسے امر کی جس کے لئے وجود تحقیقی ہو یہ امر تحقیق ہے کہ کوئی جوہر کسی کیفیت کے
باطل ہونے سے باطل نہیں ہوتا۔ حالانکہ حرارت اگر نار سے باطل ہو تو صورت ناریہ باطل ہوجاتی
ہے۔ بہر حال ایسی اوراس کے امثال ہزاروں مسائل اور صدہا اشکال ہیں جن میں عقلاء کو تفتیش
کثیر کے بعد کچھ ظنی اور تخمینی علم ہوتا ہے اور وہ بھی شبہات سے خالی نہیں۔ حضرت حق نے اپنے
کرم سے مجھ پر بآسانی کھول دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ہر اغلاق کے لئے مفتاح ہے۔ کسی کے لئے
ایک، کسی کے لئے متعدد۔ مفاتیح کا انحصار محض آلات جسدیہ یا مشاعر نفسیہ میں نہیں۔ بعض وہ
امور ہیں جو بواسطہ نظر وفکر عقلی ادراک کئے جاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں جو نہ حواس سے
معلوم ہوں نہ عقل سے جس طرح ذات وصفات حق یا ان امور کا علم جو امتزاج قوی مزاجیہ طبیعیہ
یا اختلاطات قوی فلکیہ یا توجہات ملکیہ یا تبلیسیات نفوس بشریہ اور قوی طبعیہ سفلیہ کے نتائج ہیں
یا طبقات عالم کی ترتیب کے اسرار اُن کے احکام اور خواص کلیہ اور ہر جنس اور ہر نوع اور صفت کا
عدد خاص اور اوقات مخصوصہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ہر ایک نوع اور صفت کا باوجود اشتراک کے
بعض بعض امور میں مختار ہونا علیٰ ہذا القیاس مجموعہ عالم کی ایجاد کی علّت غائیہ وغیرہ ایسے امور ہیں
کہ عقل وحواس اُن کے ادراک سے عاجز ہیں، ہاں اگر کسی کو ان امور کا علم ہو تو اُس کے علم کا
ذریعہ عقل وحواس نہیں بلکہ اس کی مفتاح کچھ اور ہے۔ جس پر وہ امور کھلے نہیں اس کے اعتبار سے
غیب ہیں اور جس پر کھل گئے اس کے لئے شہادت ہیں۔ حق کے اعتبار سے سب شہادت ہیں،
کوئی غیب نہیں، غیب اپنے اعتبار سے فی حد ذاتہٖ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کا علم ہے مگر اس
کیلئے وجود نہیں جس طرح محالات مثلاً اجتماع ضدّین یا اجتماع نقیضین یا **الجسم لا یکون
بمکانین والاثنان لا یکون قبل الواحد** اور سب اپنے مسبّب سے پیشتر نہیں ہوتا یا مثلاً
نسبت واعتبار یہ سب چیزیں معلوم ہیں مگر اُن کے لئے وجود نہیں۔ ان کے لئے مفتاح غیبی نہیں
مفتاح علمی ضرور ہے۔ دوسرے وہ جو معلوم بھی ہیں اور موجود بھی مگر بعض وجوہ سے معلوم ہیں اور
بعض وجوہ سے غیر معلوم۔ اس کے لئے مفتاح کی ضرورت ہے۔ پھر بعض غیب ایسے ہیں کہ
ہمارے ادراک میں نہیں آسکتے، اگرچہ فی حد ذاتہٖ قابل ادراک ہیں دوسرے وہ جو ہرگز ادراک

میں آ ہی نہیں سکتے، اس کی ایک قسم غیب مطلق ہے جس کی شان میں وارد ہوا ہے کہ **عِنْدَہٗ مَفَاتِیحُ
الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُو**۔ الف لام شمول جنسی کے لئے ہیں۔

ہر ایک اغلاق کے مفاتیح مخصوص ہیں، وہ میرے مذاق میں باعتبار وجہ خاص ہر ایک
شخص کے لئے جداگانہ ہیں۔ **کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْن** اور سب مفاتیح قادر مطلق کے ید
قدرت میں ہیں۔

اگر اس ناچیز کو بعض دقائق سربستہ کی مفاتیح خزانہ غیب سے عنایت ہوجائیں تو مستبعد
نہیں، میں نے کبر وعجب کی راہ سے یہ مضامین نہیں لکھے بلکہ محض تحدیثاً للنعماء الالٰہیہ لکھے ہیں۔
ہاں اس کا اس قدر تاسف ہے کہ بہت سے علوم بہت سے دقائق فنون کا خدا کے فضل سے میرا سینہ
گنجینہ ہے نہ کوئی طالب ہوا اور نہ میں نے اس کی اشاعت کی۔ طالب کا حال تو ظاہر ہے کہ اور
شہروں میں عموماً اور الہ آباد میں خصوصاً علم کے طالب قلیل بلکہ ناپیدا ہیں۔ دُنیا کے طالب تو جاہ
کے خواہاں بیشتر دو چار باتیں علم کی صحیح یا غلط کہیں سن لیں یا چند روز کی ورق گردانی سے ذرا غلط صحیح
کان، یکوں کے معنی اپنے نزدیک سمجھنے لگے۔ فاضل، فاضل گر بن گئے اور خود میں نے اس واسطے
اشاعت نہیں کی کہ جوہر علوم کا ہر نااہل سے کتمان کرنا مناسب ہے۔ شعر

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی   تا بے خبر بمیرد در درد خود پرستی

امام زین العابدین کی جانب ایک قول منسوب ہے جس کے معنی ہیں کہ میں اپنے جواہر علوم کو اس
لئے ظاہر نہیں کرتا کہ جاہل حق ناشناس اسے نہ سنے۔ منجملہ نعمہائے الٰہی کے اللہ کا کرم ہے کہ ان
جزئی مسائل میں جو شریعت میں نہایت ادون درجہ کی ہیں۔ اور ابنائے زمانہ اپنے مبلغ استعداد کا
ان میں روز وشب صرف کرنا منتہائے علو ہیت اور غایت مصرف کمال سمجھتے ہیں۔ میں نے ان کی
طرف توجہ نہیں کی۔ ہاں اگر تحریر کی نوبت آئے تو بیشتر علوم کے دقائق میں اور کبھی کبھی ایسے امور
میں جو تمام مسلمانوں کے لئے نفع بخش ہے مثلاً **الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد** اس کی تحقیق
میں ایک خبر لطیف ہے تلویح کے مقدمات اربعہ کی جرح وتعدیل میں ایک مجتہدانہ تحریر ہے۔ علاء
الدولہ سمنانی اور عبدالرزاق کاشانی جو نزاع ''نفحات الانس'' میں لکھی ہے اس میں ایک منصفانہ

فیصلہ ہے۔مقولات عشر کی تحقیق میں ایک نفیس تحریر ہے۔ایک لطیف رسالہ ہے جس میں وجوہ
شرافت انسانی واخلاق حمیدہ کی تعلیم محض قرآن شریف سے لکھی گئی ہے۔وجود عقلی بیان کر کے
استنباط قرآنی مذکور ہے۔ایک رسالہ حج کے مسائل اوراس کے اسرار عقلی وکشفی اور ملاحظات کے
بیان میں ہے۔محقق دوانی کے رسالہ زوراء کی ایک شرح ہے،جس میں نفس کا حال اور معترضین
کے خدشات کا جواب کافی دیا گیا ہے۔ایک مولود شریف کا رسالہ ہے جس میں مولود کی ضرورت
اثبات نبوت عام پر اثبات نبوت خاص۔نبوت کی نشانیاں۔معجزات کا امکان اوراس کا وقوع
بوجوہ عقلی ونقلی بیان ہوا ہے۔قیامت کا مسئلہ ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔انبیاء کو اس میں
تحیر۔اولیا اس کے علم سے عاجز۔اشقیاء میں کچھ تو اس کے منکر،کچھ اس کے امکان کے مقر مگر محض
خیالی ہونے کے قائل۔غرض محجوبین اور مجوبین دونوں کو اس کے حال میں حیرت ہے۔ہاں اہل
ایمان واہل معرفت ویقین کو اس کے قطعی الوقوع ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں۔زمانہ وقوع
معلوم ہو کہ نہ ہو بلکہ اُن کو اس کے آنے کا ہر دم انتظار مگر نہ ویسا جیسا غفلت شعاروں کا شعار ہے
کہ اس کے وقوع کا تو انتظار مگر استفسار وقت وقوع میں اصرار یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ
صَادِقِیْنَ۔یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا۔اہل معرفت ہر لحظہ اس کو قریب جانتے اور
اس کے لئے سامان مہیا کرنے کی ہر دم فکر رکھتے ہیں۔یَسْتَعْجِلُ بِھَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِھَا
وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْھَا وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّھَا الْحَقُّ۔اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا۔وَنَرَاہُ قَرِیْبًا۔اور فی
الحقیقت کفار کا یہ کہنا کہ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ بالکل بے جا نہ تھا۔اس لئے کہ ''متی'' کے سوال کا تعلق
ان امور سے ہے جو زمان یا زمانیات سے ہیں اور قیامت تو محض آنی ہے کہ چشم زدن بلکہ اس سے
بھی کم و امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب جس طرح ایک اندھا مادرزاد جس نے کبھی
مبصر اور مرئی نہ دیکھا ہو کبھی رنگ وروپ کا حال سن کر یوں کہے کہ رنگ کیوں کر سونگھا جا سکتا ہے۔
اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہے کہ رنگ کا جاننا باصرہ کا کام نہ شامہ کا۔ویسے ہی ان حقیقت نا
آشناؤں کو جواب ہے کہ علمھا عند اللہ جو اللہ کے پاس ہو وہ جانے فی الحقیقت ایک سر عظیم ہے کہ
انبیاء مرسلین نے بھی اس کے وقت وقوع کو کھول کر نہیں بیان کیا اور بات یہ تھی کہ انبیاء بیان شرائع

کے لئے تشریف لائے تھے اور شرائع کا تعلق اس زمانے سے ہے جس میں عمل ہے جزا نہیں اور
قیامت کا تعلق اس دن سے ہے جس میں جزا ہے عمل نہیں۔بہر حال میں نے قیامت کے متعلق
ایک تحریر نفیس لکھی ہے،جس میں آیات قرآنی سے،کہیں کہیں احادیث صحیحہ سے قیامت کا حال
لکھ کر اس کے اسرار بطور مذاق اہل کشف اور اس کی حقیقت بوجوہ عقلی ایسے عنوان شائستہ سے
بیان کی ہے کہ عقول متوسطہ بھی شاید اس کے ماننے سے نہ عذر کریں اور منکرین قیامت کو بھی شاید
دیکھنے کے بعد انکار کرنے میں تامل ہو۔یہ تحریریں کچھ تو تمام ہیں اور کچھ ناتمام۔اس قسم کی اور بھی
تحریرات ہیں۔غرض یہ ہے کہ خدا کی عنایت سے طبیعت کی توجہ بیشتر علوم دقیقہ اور معارف یقینیہ
کی طرف رہی،نہ محض خطابیات اور سفریات کی جانب۔ہاں پیمانہ عمل میرا البتہ متاع اخروی سے
بالکل خالی ہے۔اور اس کے سرسبز ہونے کے سامان اپنے حول وقوت سے باہر ہیں۔سرکار والا
اقتدار آقائے نامدار کے آستاں بوسی کا احرام اس غرض سے باندھا ہے کہ ان کی ایک نظر ہم ایسے
ناقص الاستعداد لوگوں کے کامل الاستعداد بنا دینے کو کافی ہے۔

میں ان دنوں کچھ ایسا بدحواس و گم کردہ ہوں۔خدا جانے کیا کہتا تھا کیا کہنے لگا۔میری یہ
تحریر بالکل طرز مجنونانہ رکھتی ہے۔اب لکھتے لکھتے جی گھبرا گیا۔باقی حالات انشاء اللہ بمبئی کے
قرنطیہ اور جہاز کے کامران سے لکھوں گا اور اگر نہ لکھ سکا یا وہاں سے بھیجنے کا موقع نہ مل سکا تو انشاء
اللہ پہنچ کر لکھوں گا۔اس تحریر میں میں نے اللہ کے احسانات بیان کئے ہیں۔یہ تحریر ابھی ناتمام
ہے۔اس کے بعد اس کا تکملہ بھیجوں گا۔اس میں اپنی تقصیرات کی تشریح کروں گا جو ان احسانوں
کے ادائے شکریہ میں مجھ سے ظہور میں آئیں''۔

والسلام

فقیر محمد حسین کان اللہ لہٗ

مذکورہ بالا مکتوب سے مولانا کی زندگی پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔جس میں امور
ذیل نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

گرویدگیٔ عام و دُنیاوی شان و شوکت سے تنفر

اس زمانہ میں جب کہ موجودہ زمانہ کی طرح نہ لیڈری کا پروپیگنڈہ ہوتا تھا اور نہ تقدس و روحانیت کا مظاہرہ۔ مولانا کے سفرِ حجاز میں خدا جانے کیا کشش تھی کہ ہر اسٹیشن پر لوگ جوق درجوق آتے اور پروانہ وار مولانا کے قدموں پر نثار ہوتے۔ ارادتمندوں کا جمِ غفیر ہر مقام پر دور دور سے آ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا، جہاں سے آپ کا گزر ہوتا عقیدت مند اکٹھا ہوجاتے۔ حضرت عمی مولوی عبیداللہ صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ''بمبئی میں کثرت سے اصحاب زر نے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی تمنا کی مگر سب کو ٹالتے رہے اور مجھ سے فرماتے تھے کہ ''بمبئی کے لوگ پیروں کی اتنی خاطر کرتے ہیں کہ ان کو اپنا تابع بنا لیتے ہیں''۔ اسی خطرے سے کہ لوگ پریشان کریں گے۔ واپسی کے وقت بلا اطلاع بمبئی سے وطن روانہ ہوگئے''۔ اس سلسلہ میں کثرت سے مولانا کے وہ واقعات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا مقام زہد فی الدنیا (دنیا سے محبت نہ کرنا) میں کس قدر ثابت قدم تھے۔ زمانہ قیام حیدآباد میں مختلف طریقوں سے بڑے بڑے ذیجاہ وزراء اور نوابین نے کوششیں کیں کہ آپ ان کے یہاں تشریف لے جائیں، مگر آپ نے ثروت و جاہ کے ایوانو پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی اور دنیاوی دولت و عزت کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اکثر بڑے بڑے لوگ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، مگر دُنیاوی شان و شوکت کے فانی جلوے بھی آپ کی تجلیات جبروتی کے مشاہدے میں حائل نہ ہو سکے۔ آپ اس قدر منہمک و مستغرق تھے کہ ان کی جانب توجہ بھی نہ فرمائی۔ خود الہ آباد میں بڑے بڑے دولت مندوں اور عز وجاہ والوں نے تمام عمر تمنائیں کیں لیکن آپ نے مرید نہ فرمایا۔

حق و صداقت پر ثبات

آپ نے کبھی عوام کی خاطر کسی فعل کو ترک یا اختیار نہیں کیا، جس بات کو حق سمجھا ہمیشہ اسی پر قائم رہے۔

صفتِ عشقیہ کا غلبہ

مولانا میں صفت عشقیہ کا غلبہ ہونے کی وجہ سے باوجود دُنیا سے غیر معمولی علیحدگی کے اور باوجود اس کے کہ الہ آباد والوں نے کبھی کبھی ان کے ساتھ مخالفانہ برتاؤ کیا۔ (جس سے بقول اُن کے خود سطحی نظر میں تھوڑی سی ناگواری ہوئی، مگر محبت غالب آئی) ان کے قلب نے الہ آباد والوں کی جانب میلان کیا۔ اور الہ آباد والے بھی ان کی جانب مائل ہوئے اور قلوب کی محبت دونوں کی گرویدگی کا یہ اثر ہوا کہ سفرِ حج کے موقع پر طرفین کو کافی تکلیف ہوئی جس کا اظہار خود آپ نے بھی کیا۔

عقائد و خیالات کا سطحی تغیر و عوام کی غلط فہمی

مولانا کی زندگی کے عقائد و خیالات کے اعتبار سے تین دور ہیں، جن میں خود آپ کے خیالات اتنے متغیر نہیں ہوئے جتنا لوگوں نے سمجھا۔ صرف سطحی اور ظاہری تغیر ہوا۔ پہلے مولانا اپنے استاد کی اتباع میں قیام کی پابندی نہ کرتے تھے، یعنی جہاں لوگ کھڑے ہوتے خود بھی قیام میلاد فرما لیتے، جہاں لوگ کھڑے نہ ہوتے خود بھی بیٹھے رہتے۔ قیام میلاد کا بالالتزام کرنا اس کی وجہ کچھ تو خط میں مذکور ہے کچھ استاذی مولوی محمد رفیع صاحب نے تحریر فرمائی ہے کہ ''تیسرے حج میں آپ نے اپنے پیر مرشد کے یہاں مولود شریف میں شرکت کی اور قیام میں شریک ہوئے پھر واپسی کے بعد اپنے یہاں شب کو مسجد میں میلاد شریف کیا اور جب ولادت کا ذکر آیا تو یہ فرمایا کہ قیام کی نسبت میری جو رائے پہلے تھی وہی اب بھی ہے (یہ رائے ایک خط میں مذکور ہے) مگر ایک بزرگ (حاجی امداداللہ صاحب) کے طفیل میں ایک کیفیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے میں قیام

کرتا ہوں''۔اس کے بعد سے ذکر ولادت کے بعد برابر قیام کرتے رہے۔دوسرا تغیر سماع میں ہوا جس کی وجہ خود بیان فرمائی ہے۔مسئلہ سماع میں مولانا کے عقیدہ کی تفصیل خود ان کی عبارت میں اس کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا سماع موجودہ مجالس سماع سے بالکل مختلف تھا۔

علوم ظاہری و باطنی

پانچویں چیز وہ علوم ہیں جو مولانا کو خدا کی طرف سے ظاہری و باطنی عطا ہوئے اور آپ کی وہ تصنیفات ہیں جو آپ کی دقت نظر، تبحر علمی اور نکتہ رسی کا بہترین ثبوت ہیں۔

ان پانچ باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں پر مولانا کی اس تحریر سے روشنی پڑتی ہے اور جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ مولانا کی کیفیت عشقیہ ہے جو آپ کو سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔اس خط سے نیز آپ کی ہر تحریر سے جو والہانہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو اس کیفیت سے لذت اندوز ہو چکے ہیں۔

اس خط اور اس کی تھوڑی سی تشریح کے بعد اپنے کرم فرما اور استاد جناب مولوی حکیم محمد رفیع الدین خاں صاحب کی تحریر کردہ واقعات بالتفصیل پیش کرتا ہوں ان واقعات میں جن حالات کو دوسرے حضرات نے بھی روایت کیا ان کے نام کا حوالہ دے دیا جائے گا۔آپ نے اپنی زندگی نہایت سادگی سے بسر کی اپنی راحت کے لئے کوئی مکان نہیں بنوایا۔صرف مسجد سے متعلق ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جسے بعض احباب نے بنوا دیا تھا اس میں اتنی جگہ بھی نہ تھی کہ انسان راحت سے سو سکے۔آپ کبھی چارپائی پر نہ سوتے تھے۔اسی حجرہ یا مسجد میں آرام فرماتے تھے۔گیارہ بجے شب تک کتب بینی فرماتے، اس کے بعد کتاب بند کر دیتے اور تھوڑی دیر کے لئے آنکھ بند کر لیتے۔جب وہ خدام جو عشاء کے بعد گیارہ بجے رات تک پیر دبایا کرتے تھے چلے جاتے تو تھوڑی دیر کے بعد پھر اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔شب میں بہت کم سوتے، اگر بیٹھے بیٹھے کچھ تکان ہوا تو لیٹ جاتے اور پھر تھوڑی دیر بعد بیٹھ جاتے۔غرض کہ تمام شب اسی طرح گزر جاتی۔کبھی تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرما لیتے۔آپ نے اپنے لئے کبھی کوئی ملازم نہیں رکھا اور اپنی ضروریات

زندگی کو اتنا مختصر کر دیا تھا کہ کوئی ضرورت بھی ملازم کی نہ تھی۔**کن فی الدنیا کانک غریب** (دُنیا میں مسافروں کی سی زندگی بسر کرو) کی حقیقت کو عملی صورت میں متعلقین، خدام اور معتقدین کے سامنے پیش فرما دیا۔آپ کے خدام آپ کی حاضری کے وقت اگر کوئی ضرورت پیش آتی تو اپنی سعادت سمجھ کر خدمت گزاری سے دریغ نہ کرتے، مگر اُن سے کیسا ہی قصور ہو جائے کبھی اظہار ناراضگی نہ فرماتے نہ باز پرس کرتے، اس مسئلہ میں بھی اتباع سنت کا پورا خیال رہا جیسا کہ حدیث میں ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ کی خدمت کی آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا نہ کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر کبھی باز پرس فرمائی''۔(شمائل نبوی۔صفحہ ۲۰۱)

آپ پر ہیبت حق کے ایسے آثار کا ظہور تھا کہ کسی شخص کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر آپ اتنی خوش مزاجی کا اظہار فرماتے تھے کہ اکثر اپنے احباب و گرد و پیش رہنے والوں سے مزاح فرماتے تھے۔اس امر میں بھی اتباع سنت ہاتھ سے نہ گئی۔ارباب بصیرت نے سرکار دو عالم کے مزاح فرمانے کی بھی توضیح فرمائی ہے کہ حضور کا مزاح فرمانا اس واسطے سے تھا کہ صحابہ پر سرکار کی ہیبت اتنی طاری نہ ہو جائے کہ عرض حال نہ کر سکیں اور تعلیم کے کاموں میں رکاوٹ پیش آئے۔نیز ''**المومنون ضحوک**''(مسلمان ہنس مکھ ہوتے ہیں) صراحتاً حدیث نبوی میں ہے، آپ کے جمیع اوقات علاوہ ورود وظائف کے کتب بینی میں صرف ہوتے۔حضور سرور کائنات کے ساتھ کچھ ایسی خاص نوع کی کیفیت عشقیہ تھی کہ مولود کے بیان فرمانے میں انکار بہت کم فرماتے۔اکثر مولود شریف پڑھ کر بارہ بجے شب کو واپس ہوا کرتے، مگر اس کے بعد بھی کتاب کا مطالعہ کئے بغیر نہ سوتے۔کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ رات بھر کتب بینی میں گزار دیتے اور یہ بھی فرمایا کہ تمام خواہشیں مٹ گئیں۔مگر کتب بینی سے سیری نہ ہوئی۔

(ابتدائی اور متوسط تعلیم کے متعلق مولوی صاحب نے جو تحریر کیا ہے اس کو میں اوپر تحریر کر چکا۔آپ لکھتے ہیں کہ) تکمیل تعلیم کے بعد حدیث کی سند کے لئے خاندان ولی اللٰہی کے

یہاں دہلی تشریف لے گئے۔ پھر الہ آباد میں قیام فرما کر درس وتدریس شروع کی۔ دور دراز کے لوگ برابر سلسلہ تلمذ میں داخل ہوتے رہے اور فیض یاب ہو کر دوسروں کو فیض پہنچانے کی غرض سے اطراف ہند میں پھیل گئے۔ اسی اثناء میں خاندان نقشبندیہ کے اذکار واشغال کی تعلیم اپنے چچا حضرت مولانا شاہ تجمل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شروع کی، اس کے بعد سفر حج کا ارادہ ہوا۔ بعد حاضری مکہ معظّمہ ایک بزرگ نقشبندی شاہ عبدالغنی صاحب سے بیعت ارادہ ہوا مگر آپ نے اپنے جدامجد حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے یہ شعر حضرت حافظ علیہ الرحمہ کا پڑھا ؎

باغِ مراچہ حاجت سرو وصنوبر ست　　شمشادِ سایہ پرورمن از کہ کمتر ست

شیخ کے اس شعر پڑھنے کی وجہ سے آپ کو شرح صدر ہوا کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب سے بیعت ہونا چاہئے۔ بعد بیعت کئی ماہ آپ خدمت میں حاضر رہے۔

مولانا کی ملی خدمات

پھر ہندوستان واپس آکر اپنے گزشتہ مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ اور مولود شریف بھی پابندی سے کرنے لگے۔

حضرت ابی مولانا ولایت حسین صاحب نے تیسرے سفر حج کے چند واقعات بیان فرمائے جو انہیں کے الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔

''مکہ معظّمہ میں ایک بزرگ ملا نواب صاحب تھے، وہ تصوف دانی میں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اصرار پر ان سے فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کے سبق شروع کئے، مگر ایک سبق کے بعد ان کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ آپ خود پڑھے لکھے ہیں۔ آپ کو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ مدینہ شریف میں شیخ عبدالجلیل برّادہ جو بہت بڑے ادیب تھے ان سے ادب کے بعض اسباق پڑھے۔ ان کو فارسی کا شوق تھا۔ انہوں نے دیوان بیدلؔ پڑھا۔ اس اثناء میں مدینہ میں ہیضہ پھیلا۔ اکثر بڑے بڑے لوگ بیمار ہوئے۔ مولانا نے بہت حذاقت سے ان

کا علاج کیا، کثرت سے لوگوں کو فائدہ ہوا۔ اس سلسلے میں اکثر لوگوں نے چار چار سو گنیاں نذر کے طور پر پیش کیں قبول نہ فرمایا''۔

جناب مولوی مظہر حسین صاحب (برادر مولانا مرحوم) سے بھی اکثر واقعات مروی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے جو چند باتیں ان کے علاوہ ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

''مولانا کو زمانہ طالب علمی سے شعر وشاعری سے کافی ذوق تھا، سب سے پہلا شعر جو آپ نے زمانۂ طالب علمی میں ارشاد فرمایا یہ تھا ؎

سحر گہ زبالیں جو برخاستم　　برائے وضو آب درخواستم

ایک دن مولانا کے چچا ان کو حضرت شیخ محب اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے گئے جو کچھ واقعہ پیش آیا اس کو وہی حضرات جانتے ہیں۔ مگر وہاں سے واپس آنے کے بعد طبیعت میں سخت انقلاب ہو گیا۔

جب حافظ رحمت اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو الہ آباد کے مسلمانوں نے اپنی قیادت آپ کی خدمت میں پیش کی اور جامع مسجد کی امامت پر اصرار فرمایا۔ آپ طوعاً وکرہاً اس کے لئے تیار ہو گئے اور ہر جمعہ کو جامع مسجد میں آپ کا وعظ ہونے لگا۔ حافظ صاحب کا انتقال رمضان شریف میں ہوا۔ اور بقیہ قرآن شریف مولانا نے ختم کیا۔ تمام مسلمانان الہ آباد کو بہ نسبت حافظ رحمۃ اللہ مرحوم کے آپ سے گرویدگی ہوئی۔ ابتداء میں مولانا کا وعظ طالب علمانہ رنگ لئے ہوئے تھا۔ اس کے بعد اس میں تبحر ہوتا گیا اور بلند عالمانہ روش پیدا ہو گئی۔ بیان کی تاثیر پر اتنی قدرت تھی کہ ہنسانا، رُلانا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ تیسرے حج کے بعد ان کے بیانات تصوف کے مضامین سے پُر ہوتے تھے۔ لیکن دقّت مضامین ہونے کے باوجود جب چاہتے اُسے اتنا عام فہم بنا دیتے کہ جہلاء بھی اسے پورے طور پر سمجھ لیتے۔

مولانا کو باوجود انتہائی کیفیت استغراقیہ کے مسلمانوں کا ہمیشہ خیال رہا اور جب بھی ایسی کوئی صورت پیش آئی آپ نے ہر طرح نہایت جرأت واستقلال سے ہر دشمن اسلام کے مقابلہ کی تدابیر مہیا کیں۔ چنانچہ جب طاعون کے زمانہ میں حفاظتی سلسلہ میں حکومت نے جبراً

غرباء ومساکین کا مال واسباب تلف کرنا شروع کیا تو آپ نے اس کے دفاع میں آئینی اور غیر آئینی ہر طرح کی کارروائی فرمائی۔ گورنر کے پاس بصورت وفد تشریف لے گئے اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جو جبر وظلم وبا کے دفع کرنے کے بہانے سے حکومت کر رہی ہے اگر اس سے وہ باز نہ آئے گی تو ہر مسلمان کا فرض ہوگا کہ وہ حکومت کے خلاف کھڑا ہو جائے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے ایک تقریر بھی کی تھی۔ اسی طرح جب گورنمنٹ ہاؤس کی تعمیر ہونے لگی تو ایک مسجد کو جو اس کے احاطے میں تھی حکومت نے مسمار کرنا چاہا، آپ نے اس کی مخالفت میں ہزاروں آدمیوں کا مجمع اکٹھا کر دیا اور گورنر سے صاف کہہ دیا کہ اگر یہ مسجد کھدے گی تو مسلمان کسی بھی عملی اقدام سے باز نہ رہیں گے اور خاموش نہ بیٹھیں گے۔

ایک مرتبہ ایک مسلمان کو الہ آباد میں پھانسی دی گئی۔ اس نے پھانسی سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ وصیت کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ پھانسی کے بعد آپ اسے اپنے یہاں اٹھالائے اور خود ہی تجہیز وتکفین فرمائی۔ اس کا صحیح علم نہ ہو سکا کہ کسی مذہبی جرم میں اسے پھانسی دی گئی تھی یا کوئی دوسرا جرم تھا مگر پھانسی کی خبر مشہور ہونے کے ساتھ ہی دیہات و شہر کے مسلمان اُمنڈ پڑے۔ جب مقامی حکام کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوج اور پولیس کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ آپ پر یہ دباؤ ڈالا جانے لگا کہ نماز جنازہ شارع عام پر نہ ادا کی جائے اور آپ شرکت نہ فرمائیں۔ مگر آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہی نہیں کہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی بلکہ پورے دو گھنٹہ شارع عام پر کھڑے ہو کر وعظ بھی فرمایا۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ حکومت اتنی خائف ہو گئی تھی کہ جب تک مجمع فرو نہ ہو گیا ہر تھوڑی دیر کے بعد گورنر ٹیلی فون سے حالات دریافت کرتے رہے۔ اسی طرح ترکوں اور روسیوں میں جب جنگ ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کو ترکی کی اعانت پر آمادہ فرمایا۔ ہر طرح دوڑ دھوپ کر کے ایک خاص نظام کے ماتحت کافی روپیہ ترکوں کو بھیجا اور اتنی عملی ہمدردی کی کہ اختتام جنگ پر سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے کچھ تمغے اور بہت سے تحفے آپ کے پاس بھیجے، جن کے شکریہ میں مسلمانوں کی طرف سے مولانا نے ایک خط بطرزِ معروضہ خود سلطان کے نام

دوسرا عثمان پاشا اور تیسرا کاظم پاشا کے نام تحریر کیا۔ اس خط کی کتابت کا واقعہ یوں پیش آیا کہ الہ آباد کے بہت سے فارسی داں حضرات نے جمع ہو کر مختلف مسودے خط کے تیار کئے، مگر جب مولانا کے شاگرد نے آپ کا مسودہ پیش کیا تو تمام مسودے پھاڑ ڈالے گئے۔ منشی غلام غوث صاحب نے جو فارسی اور اُردو میں خاص مہارت رکھتے تھے، جب آپ کا مسودہ دیکھا تو اس کی بلاغت کو اتنا پسند کیا کہ اپنا لکھا ہوا مسودہ محفوظ کر لیا۔ ان تمام واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے قلب میں قومی خدمات کا خاص جذبہ پایا جاتا تھا۔ آپ کی زندگی کے یہی واقعات تھے جن کی وجہ سے حکومت کو آپ کی ذات سے خطرات پیدا ہو گئے اور مقامی حکام آپ کی حرکات و سکنات کی خاص نگرانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ طاعون کے موقع پر جو تقریر کی تھی وہ اس زمانہ کے گورنر ملکڈانلڈ کے پاس بجنسہٖ موجود تھی۔ اور ایک موقع پر اُس نے آپ کو وہ دکھائی۔ جب آپ کی وسعت اثر کو دیکھا گیا تو حکومت نے اپنے ہمنوا مسلمان حضرات کو جمع کر کے یہ طے کیا کہ مولانا کو خان بہادری کا خطاب عطا کر دیا جائے جو کسی بااثر شخص پر قابو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ مگر جب آپ کو خطاب عطا ہوا تو یہ کہہ کر آپ نے واپس کر دیا کہ میں نے تو ایک پھد کی بھی نہیں ماری خان بہادر کیسے ہو گیا۔ لیکن آپ کے بعض احباب نے حکومت تک اس کی اطلاع نہ ہونے دی۔ آپ سے انہوں نے تحریریں اس کی واپسی کے متعلق لے لیں، مگر آپ کے بلا اطلاع حکومت تک نہ پہنچائیں، کبھی حکومت کے دربار وغیرہ میں تشریف نہیں لے گئے۔ ہاں جب مسلمانوں کی کوئی قومی ضرورت پیش آتی تو آپ بذریعہ خط وکتابت یا ملاقات حکام کو ان ضروریات سے مطلع کرتے۔ آپ کے صاحبزادے مدظلہ نے بھی اس کی تقلید فرمائی اور بزمانۂ ''تحریک ترک موالات'' ۱۹۲۰ء میں خطاب خان بہادری واپس فرمادیا۔

اسی طرح جب ہندو مسلم فساد شروع ہوا تو آپ نے انجمن رفاہ اسلام کے مقاصد میں ایک دفعہ صرف اس غرض سے بڑھادی کہ یہ انجمن اصلاحی کاموں کے ساتھ دفاعی کاموں کو بھی انجام دے اور جو فرقہ وارانہ مقدمات چلتے ہیں ان کی پیروی اپنے اہتمام میں کرائے۔ انجمن نے جس طرح ان امور کو انجام دیا اس کی شہادت انجمن کی رپورٹوں سے پورے طور پر ملتی ہے۔ اس

انجمن کے قائم ہونے سے پہلے قبرستان عیدگاہ مساجد اور لاوارث مردوں کی تدفین وغیرہ کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ قبرستان کے لئے زمین مہیا کی گئی، وہاں ملازم رکھے گئے جو قبروں کے کھودنے اور ان کی حفاظت کرنے کے پورے ذمہ دار ہیں۔ عیدگاہ کے لئے زمین لی گئی اور اسے چہار دیواریوں سے محفوظ کردیا گیا۔ انجمن کی ان کوششوں کے قبل عیدگاہ کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ کچھ کھیت تھے جو زمانۂ عیدین میں اگر بوئے ہوئے نہ ہوتے تو نماز پڑھ لی جاتی۔ غرض کہ آپ نے اس انجمن کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کو زندگی اور موت دونوں زمانہ کے اکثر مذہبی امور کی ادائیگی سے سبکدوش کردیا۔ آپ کے بعد بھی آپ کی دُعاؤں سے اور آپ کے صاحبزادے کی جدوجہد سے پورے طور پر انجام پاتا رہا۔ اور بہت سی چیزیں جو مولانا کے ذہن میں تھیں اور جنہیں اس انجمن کی تحریک کے سلسلہ میں آپ مسلمانوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے ان کا اکثر حصہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد تکمیل کو پہنچا۔ مولانا کو یتیم خانہ اسلامی قائم کرنے کا اور ایک عربی مدرسہ کے قیام کا ہمیشہ سے خیال تھا۔ چنانچہ آپ کے تشریف لے جانے کے چند ہی دن بعد یتیم خانہ قائم کردیا گیا اور آج خدا کے فضل سے بہترین حالت میں کام کررہا ہے۔ اسی طرح ایک عربی مدرسہ بھی آپ کی دُعاؤں سے دس برس سے قائم ہے۔ آپ اور آپ کے مرشد کے اسم گرامی پر اس کا نام ''محمدیہ امدادیہ'' رکھا گیا اور آپ کی اس خاص تمنا کی یہ عملی تصویر ہے جس کا اظہار آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ''کاش کہ ایک مدرسہ عربیہ معقول اصول پر قائم کیا جاتا''۔ یہ مدرسہ خدا کے فضل سے جدید اور قدیم دونوں علوم کی پرورش کررہا ہے۔ اس کے طلباء ایک طرف درس نظامی کے عالم ہوتے ہیں تو دوسری طرف (.B.A اور .F.A) کی ڈگریاں بھی ہاتھ میں ہوتی ہیں۔

عام سیاسی حالت اور مولانا کی قومی ومذہبی خدمات

جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان سے گئی تو علماء نے اس خطرہ کو محسوس کیا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی بلا مذہب کے ناممکن ہے اور اسلامی احکام پر عمل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک حکومت نہ ہو، اُن کے پاس اجنبی حکومت کو دفع کرنے کا کوئی مادی ذریعہ نہ تھا۔ نہ فوج تھی نہ ہتھیار، نہ کوئی اور مادی قوت۔ لہٰذا انہوں نے یہ طے کیا کہ اگر اس اجنبی حکومت سے

تعلقات منقطع کردیئے جائیں گے اور ہندوستان کی تمام قومیں اس سے علیٰحدہ ہوجائیں گی تو یہ حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔ اس تحریک کو عملی صورت میں لانے کے لئے دو کام کئے گئے۔

(۱) مسلمان اجنبی تمدن، تعلیم اور تہذیب سے بالکل علیٰحدہ رہیں۔

(۲) ہندو اور مسلمان متفق ہوکر اس علیٰحدگی پر عمل کریں۔

اس تحریک کو جب حکومت نے محسوس کیا اور یہ بھی جانا کہ محض علمائے حق کا جلاوطن کرنا اس تحریک کو روک نہیں سکتا تو اس نے ایک ہاتھ ہندوؤں کے سر پر رکھا اور انہیں تعلیم کی آسانیاں مہیا کرکے بجائے ہندی اور فارسی کے انگریزی کا دلدادہ بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی جو ہندوستان کی سب سے پہلی یونیورسٹی ہے اس تحریک کے سلسلہ میں قائم کردی گئی۔ دوسری طرف ایک نہایت مضبوط مدد کا ہاتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کی طرف بڑھایا گیا اور انہیں عہدوں، خطابوں اور طرح طرح کی ظاہری جاہ وحشمت کی تمنائیں دلاکر یوروپی تمدن کی جانب کھینچا گیا۔ اور چونکہ ہندوؤں میں تعلیم کچھ پہلے سے جاری ہوچکی تھی، اس لئے مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال راسخ کرایا گیا کہ ہندو بڑھتے جارہے ہیں اور علماء تم کو لکیر کا فقیر بناکر فاقوں مارنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کے اور بھی مختلف پروپیگنڈے کئے گئے۔ نیز حکومت نے علماء کی اس تحریک کو کچلنے کے لئے بہت سے علماءِ سوء پیدا کردیئے۔ یہ لوگ ان اختلافات کی پرورش غلط طریقے پر کرنے لگے جو مذہبی اختلافات پہلے سے علماء میں تھے اور جن کا اثر کبھی کبھی مسلمانوں کے متحدہ مفاد پر نہ پڑتا تھا اس کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں یوروپ کے تمدن کی اشاعت کا ایک مرکز قائم ہوگیا، جس کا تذکرہ عروۃ الوثقیٰ میں جمال الدین افغانی نے پیرس میں نہایت درد بھرے دل سے کیا ہے اور جس میں اس ترک موالات کی تائید کی ہے جو علماء ہندوستان نے اس زمانے میں شروع کیا تھا اور اس تحریک کی خرابیوں کی جانب توجہ دلائی ہے جو حکومت کی سیادت میں علی گڑھ میں شروع کی گئی تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں مدبر حضرات میں تھے جو اجنبی حکومت کے اقتدار سے ہندوستان کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا پروپیگنڈہ

شروع ہوا اور اس پروپیگنڈے میں علماء کے اختلاف نے غیر معمولی مدد دی تو آپ نے مع اپنے
چند دردمند حضرات کے ندوۃ العلماء کی تحریک ۱۳۱۰ھ میں فرمائی اور سال بھر اس تحریک کی
اشاعت کرنے کے بعد ۱۳/ شوال ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں آپ نے
ندوۃ العلماء کے قیام کی غرض بیان فرمائی، جس کے بعض جملے درج کئے جاتے ہیں۔

علماء کے اختلافات کی برائی بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جو قوت اغیار
کے حملوں کو دفع کرنے کی ہے وہ آپس کے جھگڑوں میں صرف ہوگئی۔ وہ موقع پا کر بڑے بڑے
زبردست حملے کرتے ہیں اور کوئی ان کو روکنے والا اور دفع کرنے والا نہیں''۔ پھر چند جملوں کے
بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ''آپس کے مقدمات عدالت تک پہنچتے ہیں اور ایک مخالف کے روبرو
مقدمہ پیش ہوتا ہے وہ علٰیحدہ ہنستے ہیں اور جائز و ناجائز جو حکم دیتے ہیں اس کا ماننا لازم ہوتا ہے۔
اس سے بہتر ہے کہ ان نزاعوں کو سرے سے اٹھا دیں۔ ہزاروں تصنیفیں طرفین کی ہو چکیں، اب
کیا حاجت ہے کہ انہیں پرانے دلائل کو ہر دفعہ اُردو کے رسالوں میں لکھ کر اپنی زبان اور قلم کو
آلودہ کیا جائے''۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانے میں بھی عدالتوں میں جانے کو
سخت بُرا سمجھتے تھے اور ان فیصلوں کو شریعت کے خلاف سمجھتے تھے۔ ''چوتھا مقصد اس کا یہ ہے کہ
علماء دین اس امر کی طرف توجہ کریں کہ حال کے انگریزی مدارس کی تعلیم مذہب اور ملّت کو کس قدر
نقصان پہنچا رہی ہے۔ تجربہ سے یہ بات معلوم ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں چاہے ہندو
ہوں یا مسلمان، شاید ہزاروں میں دو ایک ایسے نکلیں جن کو اپنے مذہب کے سارے اصول کا پورا
اور ٹھیک اعتقاد ہو اور ان کو سچ جانتے ہوں۔ ورنہ تو نہ وہ ہندو رہتے ہیں نہ مسلمان، نہ عیسائی
بلکہ اپنے خیالات کے پیرو ہو جاتے ہیں''۔

مولانا کا رسالہ التنظیم اور ندوہ کے نصابِ تعلیم کی اصلاح

اسی جلسہ میں آپ کے سپرد نصاب تعلیم کی اصلاح بھی قرار دی گئی۔ چنانچہ آپ نے
ایک رسالہ ''**التنظیم لنظام التعلم والتعلیم**'' تصنیف فرما کر علماء کی خدمت میں پیش کیا۔

جنہوں نے متفقہ طور پر اس رسالہ کے تمام مشوروں کو اور اس کے مرتب کردہ نصاب کو پسند کیا جو
روداد ندوۃ العلماء ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا۔ اس جلسہ میں ہندوستان کے ہر طبقہ کے علماء کو شریک کیا
گیا تھا اور اس کے بعد ایک سال تک اس کی کارروائی خوش اسلوبی سے جاری رہی۔

ندوہ کے مقاصد کی پامالی اور مولانا کی اس سے علٰیحدگی

مگر ۱۳۱۲ھ میں ندوہ کے مقاصد کو پامال کرنے کی غرض سے اس کی کارکن جماعت
میں کچھ ایسے لوگ شامل کر دیئے گئے جو اسے بجائے اس بلند مقصد کی جانب لے جانے کے جس
کے لئے وہ قائم کیا گیا تھا علی گڑھ کی تحریک کی تائید پر لے چلے، جس پر تمام مدبر علماء نے ناگواری
کا اظہار کیا۔ چنانچہ ۱۳۱۳ھ میں مولانا ندوۃ العلماء سے علٰیحدہ ہو گئے اور اپنی علٰیحدگی کی وجہ
اپنے ایک خط میں جو مولانا شاہ عبدالصمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا یوں تحریر فرمائی ''کچھ شک
نہیں کہ ندوہ کا محرک اوّل میں ہوں، مگر اس کے استقرار اور انتخاب میں مجھ سے کچھ نہیں پوچھا
گیا۔ میں نے مولوی صاحب (محمد علی) کو اطلاع دی کہ یہ جلسہ شرکت اغیار سے خالی ہونا
چاہئے۔ مگر رائے نا مقبول ہوئی۔ کچھ قواعد بھی میں نے لکھ کر بھیجے تھے مگر علی گڑھ کے بعض حضرات
کے ترتیب دادہ قواعد کے مقابلہ میں ان کی کچھ وقعت نہ ہوئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ کیا عام اور کیا
خاص جلسہ میں دونوں اغیار کا پورا پورا تصرف اور اختیار ہے اور یہ مرض بظاہر لاعلاج سا معلوم ہوتا
ہے۔ اس لئے میں نے اپنے تئیں اس جلسہ کی شرکت کے قابل نہیں سمجھا۔ مولوی اشفاق حسین
صاحب کی خدمت میں میں نے عریضہ بھیجا کہ آپ ندوہ کے قبل ایک مختصر جلسہ بریلی میں کیجئے اور
اس میں ان حضرات کو جن کو ندوہ میں شریک ہونے سے تامل ہے اور بعض بعض ذی فہم اور متحد
الاذواق حضرات کو شرکت کی تکلیف دیجئے بعد مشاورہ کے جو رائے قرار پائے اس پر عمل کیا
جائے۔ میری رائے میں علی گڑھ کے مذاق والوں کا تو ایک جلسہ ہمیشہ سے قائم ہے۔ غیر مقلدوں
کا ایک جلسہ سالانہ مسمّیٰ بہ مذاکرۂ علمیہ آرہ میں ہوا کرتا ہے، اب یہ جلسہ خاص ہم غرباء کاسہ لیسان
احناف کا مخصوص ہونا چاہئے اور اس کے قواعد اپنے طور پر منضبط ہونا چاہئے اور اس کا اشتہار بھی

مخصوص ہونا چاہئے۔ یہی میری رائے اوّل سے تھی اور اب تک ہے۔ اگر خاص جلسہ میں میرے آنے کی ضرورت ہوگی تو آ بھی سکتا ہوں، مگر عام جلسہ میں جب تک اس کی اصلاح نہ ہو لے میں شریک ہونا نہیں چاہتا‘‘۔

صوفیائے عصر اور مولانا

مولانا کے زمانہ میں صوفیائے کرام کی حالت اسلاف صوفیاء سے بہت کچھ بدل گئی تھی۔ ان کی اخلاقی حالت میں تغیر پیدا ہوگیا تھا۔ ظاہری مراسم اور غیر ضروری رواج نے خانقاہوں اور صوفیاء کے اداروں کو دوراز کار باتوں میں مشغول کر رکھا تھا۔ طریقت پر عمل کرنے والے کم ہوتے جاتے تھے۔ علوم باطنی کا لاشہ تڑپ رہا تھا اور روحانیت کا آفتاب لب بام تھا۔ کثرت سے صوفیاء کی ایسی جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے مسلک تصوف چھوڑ کر بیعت و ارشاد کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ بڑے بڑے تصوف کے مرکزوں میں رخنہ پڑ گئے تھے۔ اعراس میں ذکر و شغل کی جگہ بدعات ولہو ولعب نے لے لی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں تصوف اور صوفیاء سے عام بدظنی پھیلنا شروع ہوگئی اور ہدایت کا وہ راستہ جو صرف ارباب تصوف کی آستاں بوسی سے مل سکتا تھا اس سے محروم ہو رہے تھے لیکن بہر حال موجودہ زمانہ کی سی حالت نہ تھی۔ اور بہت سی خانقاہیں حقیقی معنوں میں تقدس وطہارت کی ملکوتی دنیا تھیں جن میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت پیر مہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف پنجاب۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایونی۔ مولانا سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھلواروی۔ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ علی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھوچھہ شریف۔ شاہ عبداللطیف صاحب۔ حضرت شاہ صوفی جان صاحب میرٹھ کے مقدس حضرات قابل ذکر ہیں۔ مولانا کو اسی زمانہ میں اس مبارک طبقہ کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا اور اس کی خرابیوں، احکام شرعیہ سے لاپرواہیوں اور متعدد دوسرے نقائص کے رفع کرنے کا خیال ہوا۔ جس کے لئے آپ نے ایک رسالہ تحریر کیا جو

بصورت خط تمام صوفیاء کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس میں اس چیز کی تحریک کی گئی تھی کہ اس جماعت کی اصلاح کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے جو علوم ظاہری اور تصوف کی تعلیم ان حضرات کو دے جنہیں کوئی پیر خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں دس سوالات درج ہیں اور ان سوالات کا جواب اثبات یا نفی میں مانگا گیا ہے۔ یہ رسالہ اڑتیس صفحات کا رائل سائز پر ہے، جس میں سب سے پہلے صوفیہ کے فضائل اور ان کے برگزیدہ جماعت ہونے کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ پھر اتباع شریعت کا جزء تصوف ہونا صوفیاء کرام کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُن برائیوں کا تذکرہ ہے جو صوفیاء میں ہوگئیں۔ پھر ان کی اصلاح کی تدبیر بتائی گئی ہے کہ ایک مدرسہ اجمیر شریف میں قائم کیا جائے پھر حسب ذیل سوالات ہیں:

۱۔ ایسے مدرسہ کے ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
۲۔ اس مدرسہ کا کہاں ہونا مناسب ہے؟
۳۔ یہ امر مناسب ہے یا نہیں کہ جو حضرات اپنے کسی مرید کو خلیفہ بنائیں تو اوّل علوم متداولہ مروّجہ مدرسہ میں اس کا اطمینان کر لیں، اس کے بعد اجازت بیعت دیں۔
۴۔ علوم ظاہر کی تعلیم کی متصوفین کو ضرورت ہے یا نہیں؟
۵۔ وہ خرابیاں جو اوپر مذکور ہوئیں لباس فقر میں ظاہر ہونے والوں میں موجود ہیں یا نہیں؟
۶۔ ان خرابیوں کا دور کرنا ضروری ہے یا نہیں؟
۷۔ یہ مدرسہ ان خرابیوں کے دور کرنے کا ذریعہ ہے یا نہیں؟
۸۔ تعلیم علوم شریعت وطریقت کے سوا اور کوئی طریقہ ان خرابیوں کے دور کرنے کا ہے یا نہیں؟
۹۔ تصوف وہی ہے جو حضرات سرورِ کائنات کی تعلیمات سے ماخوذ ہے یا کوئی دوسری چیز؟
۱۰۔ جوگ اور فقر میں فرق محض اتباع ہی کا ہے یا کچھ اور؟

اس مدرسہ کا نصاب تعلیم بھی آخر میں مذکور ہے۔ تحریر کا اثر بہت اچھا ہوا اور تمام صوفیاء نے اس پر لبیک کہا۔ ان سب کے خطوط میرے یہاں کتب خانہ میں موجود ہیں جو اس رسالہ کے سوالات کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمائے تھے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مولانا

جلد دُنیا سے تشریف نہ لے جاتے تو آج ہمیں نہ جمعیت تبلیغ اسلام قائم کرنے کی ضرورت تھی نہ قوم وملت پر فدا ہونے والی جماعت کی تاسیس کا احتیاج۔ یہی صوفیہ ہوتے جو سب کچھ کرتے۔ مبلغ بھی ہوتے اور معلم بھی۔ قائد بھی ہوتے اور فدا کار متطوع (والنٹئر) بھی۔

مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیا سے اپیل اور مدرسہ تصوف کے قیام کی دوبارہ جدوجہد

امام المتاخرین استاذی سیدی ومولائی الشیخ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۴۱ھ میں پھر اس مقصد کا احیاء کیا مگر ہماری شومی قسمت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا اور وہ بھی مسلمانوں کی کشتی کو منجدھار میں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ آپ نے خادمانہ گزارش کے ساتھ ''التماس'' دوبارہ شائع فرمایا اور اسی سلسلہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو کہ اجمیر شریف میں صوفیاء کا مدرسہ قائم کیا جائے۔ جامۂ عمل پہنانے کے لئے مولوی انوار اللہ صاحب وغیرہ سے اصرار کرکے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی مگر وہ آپ کے نقطہ نظر کے مطابق نہ چل سکا اور صرف درسیات کی تعلیم کا ایک مدرسہ ہو کر رہ گیا۔

مولانا کے تلامذہ

ہر دور میں مولانا کے تلامذہ کی تعداد بہت کافی رہی، لیکن آپ کی درس گاہ کا کوئی رجسٹر نہ تھا، جس کے ذریعہ سے آج ان کی تعداد معلوم ہوسکتی۔ جو تعداد ان کے تلامذہ کی معلوم ہوسکی حسب ذیل ہے۔

۱۔ مولانا نذیر صاحب لکھنوی۔ ۲۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب فاروقی۔ ۳۔ مولانا شاہ عین القضاۃ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی (جو اپنی آخری عمر میں شیوخ کاملین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جنھوں نے تجوید کا ایک مستقل مدرسہ قائم فرمایا، جس سے بڑا کسی ملک میں اس فن کی تعلیم کا مدرسہ نہیں اور جو آج تک مدرسہ فرقانیہ کے نام سے قائم ہے)۔ ۴۔ مولوی حکیم عبدالحیٔ صاحب

ناظم ندوۃ العلماء۔ ۵۔ مولانا حکیم احمد حسین صاحب عثمانی الہ آبادی۔ ۶۔ مولانا سیّد شفاء الصمد صاحب الہ آبادی۔ ۷۔ مولانا عبدالباقی صاحب مہاجر مکی برادر کبیر و استاذ مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ۸۔ مولانا حاجی حسین احمد صاحب۔ ۹۔ مولانا محمد شریف صاحب مصطفیٰ آبادی افسر مدرس مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد۔ ۱۰۔ مولانا حکیم محمد فاخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۱۔ مولوی عبدالرؤف صاحب بنگالی جو ڈھاکہ میں بعد کو مدرس ہوگئے۔ ۱۲۔ مولوی مظہر شہید صاحب سنبھلی۔ ۱۳۔ قاضی مجتبیٰ صاحب جونپوری۔ ۱۴۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب دائرہ شاہ اجمل الہ آباد۔ ۱۵۔ مولوی محمد افضل صاحب دائرہ شاہ اجمل الہ آباد۔ ۱۶۔ مولانا محمود صاحب جونپوری۔ ۱۷۔ ملا محمود صاحب پنجابی۔ ۱۸۔ مولوی فضل حق صاحب۔ ۱۹۔ مولوی عبیداللہ صاحب کانپوری۔ ۲۰۔ حافظ سعیدالدین صاحب۔ ۲۱۔ مولوی محمود شاہ صاحب۔ ۲۲۔ حکیم قنبر علی صاحب۔ ۲۳۔ مولوی عبدالعلی خاں صاحب۔ پروفیسر ایم۔ سی۔ کالج الہ آباد۔ ۲۴۔ حضرت شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین حضرت شیخ عبدالحق ردولوی وغیرہ وغیرہ۔

مولانا کا سلوک

مولانا میں طریقہ شُطاریہ کے آثار

میں اس کے قبل مقدمہ تصوف میں باب سلوک کے زیر عنوان مختلف سلوک کے طریقے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر چکا ہوں۔

مولانا کی ذات میں جس طریقے کے آثار زیادہ نمایاں تھے وہ طریقہ شطاریہ ہے۔لیکن اس طریقہ کے عام سالکین کے حالات سے مولانا کی حالت اچھی خاصی مختلف تھی۔ اس طریقہ کے سالکین پر اکثر ایسا عالم استغراق ہوتا ہے کہ فرائض شرعیہ کے سوا ہر ایک چیز کا احساس یک قلم مٹ جاتا ہے۔مولانا میں یہ بات ضرور تھی لیکن ایک کیفیت جس کا ظہور اکثر ان کے مریدین کے اقوال سے ہوتا ہے۔وہ یہ تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ جس وقت جو حالت اپنے اوپر طاری فرمانا چاہتے طاری کر لیتے۔ان کے خادم خاص استاذی مولوی حکیم رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ شدت گرمی کے وقت مولانا پر بعض وقت ایسی حالت طاری ہوتی کہ دُنیا گرمی کی شدت سے چیختی ہوتی مگر آپ پر کوئی اثر نہ محسوس ہوتا۔پورے جاڑے کے چلّے میں بعض وقت ایک ہلکا کرتا پہن کر پورا پورا دن بسر فرما دیتے۔ مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ درس میں ہم لوگ مشغول رہتے اور مولانا درس بھی دیتے رہتے مگر حرکات وسکنات سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ مولانا ہم لوگوں میں بیٹھے ہیں اور کسی دوسری چیز میں مشغول ہیں۔

شیخ کبیر سے تعلق اور مرشد کی رائے

حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں مولانا احمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کانپوری نے مولانا کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

’’شاہ محمد حسین میں کیفیت عشقیہ کا شباب ہے۔اُن کو حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی سے خاص نسبت ہے۔ان کے پورے حالات میں یہ حقیقت کافی حد تک نمایاں وظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وظائف اوراوراد سے زیادہ علوم اور مشاہدات میں مشغول رہتے۔جب تک شیخ کا شرف قدم بوسی نہ حاصل ہوا تھا اس وقت تک علوم ظاہری میں اتنا غلو تھا کہ کبھی دو بجے رات سے پہلے کتاب ہاتھ سے نہیں چھوٹی،لیکن جب اعلیٰ حضرت کا فیض رفیق ہوا تو یہی علوم مجاہدات کا ذریعہ قرار پائے۔حضرت استاذی قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے دادا اپنے نفس کو کثرت کتب بینی کی وجہ سے اتنی مشقت میں مبتلا کرتے تھے کہ بڑے بڑے مجاہدات کے ذریعہ سے بھی اس سے زیادہ مشقت نہیں حاصل ہو سکتی۔ چنانچہ تمام عمر کبھی کتب بینی میں کمی نہ ہوئی اور برابر زیادتی ہی ہوتی گئی۔مولوی رفیع صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کتاب شب میں کسی وقت رکھ دیتے تھے تو دس ہی منٹ بعد اُٹھ کر بیٹھ جاتے اور مشاہدات الٰہی میں مشغول ہو جاتے،تہجد کے وقت تک یہی کیفیت طاری رہتی۔غرض کہ حضرت اقدس کے قول کے مطابق جس طرح حضرت شیخ کبیر علوم ظاہری و باطنی کے مشاہدہ کے ذریعہ سے مدارج سلوک طے فرمایا کرتے وہی کیفیت مولانا رحمۃ اللہ کی بھی تھی۔اصحاب شطاریہ کثرت صلوٰۃ وصیام اور شدت مجاہدات میں دوسرے طریقوں کے سالکین سے گھٹے ہوئے نہیں ہوتے‘‘۔

یہی حالت مولانا کی بھی تھی۔ چنانچہ جو معمولات آپ کے مقربین نے بیان فرمائے ان کو میں بعینہٖ ذکر کرتا ہوں جن سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اتباع شریعت اور مجاہدات و ریاضات کے کس درجہ پر مولانا فائز تھے۔

معمولات

فجر کی نماز ابتداء وقت میں پڑھتے۔ قرأت بہت طویل کرتے۔ عادت یہ تھی کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت فجر میں سورہ سجدہ پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد حجرہ میں تشریف لے جاتے جو مسجد سے متصل ہے۔ اس وقت دروازہ بند ہوجاتا۔ آفتاب نکلنے تک وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر کتب بینی میں مشغول ہوجاتے۔ آفتاب جب بلند ہوجاتا تو اپنے مکان کے دالان میں تشریف لاکر خدمت خلق میں مشغول ہوجاتے۔ اس وقت مریضوں کا مجمع ہوتا جن کے معالجہ کی خدمت مفت انجام دیتے۔ اسی وقت مسلمانوں کے اہم معاملات بھی سامنے لائے جاتے، جن کے متعلق ضروری باتیں ارشاد فرماتے اور اہم چیزوں کے انتظامات کرتے۔ چاشت کے وقت تک یعنی (دوپہر سے کچھ پہلے) یہ مجلس برخاست ہوجاتی اور تھوڑی دیر کے لئے زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے، وہاں چھوٹے بڑے سب حاضر ہوکر بات چیت اور شفقتوں اور عنایتوں سے فیضیاب ہوتے۔ وہاں سے آکر کبھی یہ ہوتا تھا کہ دریبہ (یہ الہ آباد کا ایک محلہ ہے جہاں آپ کے پھوپھی زاد بھائی کا مکان ہے، جن سے آپ کے بہت گہرے تعلقات تھے) تشریف لے جاتے تھے اور کبھی یہیں قیام رہتا۔ اس وقت اگر درس دینے کے اوقات متعین ہوتے تو درس دیتے، ورنہ دوپہر تک کتب بینی میں مصروف رہتے۔ دوپہر کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، پھر نماز ظہر پڑھ کر کھانا تناول فرماتے اور حسب دستور تدریس میں یا کتب بینی میں مشغول ہوجاتے۔ بعد عصر حاضرین کی طرف توجہ فرماتے۔ جو لوگ کچھ عرض کرتے تھے اس وقت ان کے جوابات دیئے جاتے۔ نیز تفریح اور مزاح کی باتیں بھی اسی وقت ہوا کرتی تھیں۔ کسی زمانہ میں بعد عصر بھی کوئی کتاب تصوف وغیرہ کی پڑھاتے تھے، اس وقت چائے بھی نوش فرماتے تھے۔ مغرب کی نماز پڑھ کر اگر دریبہ میں ہوتے تھے تو جو مکان سے قریب ہے، اسی مسجد میں چلے آیا کرتے تھے اور جو لوگ موجود ہوتے ان سے گفتگو فرماتے۔ جن لوگوں کی جو حاجتیں ہوتیں ان کو پوری کرتے۔ اسی اثناء میں یہ بھی ہوتا تھا کہ کوئی ضروری سبق اگر مناسب سمجھتے تو

پڑھا دیتے۔ عشاء کی نماز بھی سنت کے مطابق دیر میں پڑھتے، نماز کے بعد پھر کتاب لے کر لیٹ جاتے تھے، اگر کہیں مولود ہوتا تو تشریف لے جاتے ورنہ کتب بینی میں مصروف ہوجاتے اور گیارہ بجے خواب استراحت فرماتے۔ اکثر خدام (پیر دبانے والوں میں جناب امام خاں صاحب مرحوم بہت پابند تھے) اُس وقت پیر دبانے کی سعادت حاصل کرتے، لیکن آرام فرمانے کے بعد بارہ بجے کے قریب اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ استاذی مولوی محمد رفیع صاحب فرماتے ہیں کہ جب پیر دبانے والے چلے جاتے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد اُٹھ کر بیٹھ جاتے، جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتے تو ٹیک لگالیتے پھر لیٹ جاتے۔ یہی مشغلہ تہجد کے وقت تک رہتا تھا اور مشکل سے گھنٹہ دو گھنٹہ آرام فرماتے۔ تہجد کی نماز کے لئے پانی اکثر مولوی رفیع صاحب دیا کرتے تھے (جو ان روایتوں کے راوی ہیں) لیکن کوشش یہ فرماتے کہ کوئی دوسرا شخص نہ اٹھے خود ہی لے لیں۔ تہجد کے بعد سے فجر تک ذکر وشغل میں مصروف رہتے۔ غذا میں دن بدن تقلیل ہی ہوتی جاتی تھی۔ ناشتہ کچھ نہ کرتے تھے، کبھی اگر اتفاق سے کچھ جی چاہا تو ایک یا دو انڈے تناول فرمالیتے تھے۔ مگر اس کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا۔ کھانا صرف ایک وقت بعد ظہر تناول فرماتے تھے اور بہت کم مقدار میں۔

ان روزانہ کے معمولات کے علاوہ دو طرح کے معمولات مولانا کے اور تھے۔ ایک تو ان اوقات میں جن اعراس میں تشریف لے جاتے تھے۔ دوسرے رمضان شریف کے موقع پر۔ ان دونوں اوقات کے معمولات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اول میں (یعنی اعراس کے موقع پر) آپ پر ''صفت تشبیہی'' کی تجلّی ہوتی تھی۔ اس لئے اسی کے آثار نمایاں ہوتے تھے اور ثانی الذکر میں ''صفت تنزیہی'' کا غلبہ ہوتا، اس لئے ویسے آثار نمایاں ہوتے۔

اعراس کے موقع پر ایک خاص جوش وخروش کی کیفیت طاری ہوتی۔ پیرزادگان کی خدمت۔ صاحب مزار سے محبت کی والہانہ کیفیت۔ سماع ونغم سے غیر معمولی ذوق۔ ان کے علاوہ اور تمام تشبیہی امور میں مشغول رہتے اور روزانہ کے معمولات کتب بینی وغیرہ میں کافی فرق آجاتا مگر یہ نہ ہوتا کہ جماعت چھوٹ جاتی۔ تہجد قضا ہوجاتی یا شریعت کے خلاف کوئی جملہ ہی زبان سے نکل جاتا۔ مولانا کی حالت تو ان لوگوں کی سی تھی جن کا تذکرہ میں نے نفحات الانس سے نقل کرکے

مقدمہ میں کیا ہے کہ سالکین میں وہ اعلیٰ طبقہ ہے جسے استغراق الٰہی حاصل ہوا ہو اور پھر وہ مخلوق کی خدمت کے لئے ظاہری امور کا پیرو ہوکر کام میں مشغول ہوجائے۔ چنانچہ اجمیر شریف ایسی جگہ جہاں مولانا اتنے مستغرق رہتے کہ ایک مرتبہ پانچ مہینہ تک غریب نواز کے حضور میں روزانہ حاضر ہوتے مگر وہاں سے اجازت واپسی نہ ملتی۔ اس پورے زمانہ میں نماز قصر پڑھتے رہے کیونکہ اپنا ارادہ روز جانے کا ہوتا۔ اتنا تعلق خواجہ بزرگ سے کہ الہ آباد میں طاعون اور بال بچے سب یہاں پڑے ہوئے۔ مگر آپ کو اجازت نہ ملتی۔

اسی زمانہ میں جب اتفاقاً درگاہ شریف میں شہادت کے بیان کے لئے خدام نے اصرار فرمایا تو بھی مولانا نے چار گھنٹے تک بیان فرمایا۔ اور سننے والے یہ کہتے ہیں کہ پورا بیان تعزیہ داری اور بدعت کی حرمت اور برائی سے بھرا ہوا تھا۔ چونکہ بعض خدام صاحبان تعزیہ داری میں شرکت فرماتے تھے اس لئے آپ نے ان پر بھی کافی طعن کیا اور جو سخت سے سخت ان کے افعال کی تنقید ہوسکتی تھی وہ آپ نے فرمائی۔ اس چیز کو صوفیہ کی اصطلاح میں ''جمع'' اور ''تفریق'' کی جامعیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ صرف مولانا ہی کا دل گردہ تھا جو اتنے بڑے ''وجودی'' ہونے کے باوجود اور کیفیت عشقیہ کے انتہائی شباب کے ہوتے ہوئے بھی شریعت کے کسی مستحب کو بھی ترک نہ فرماتے تھے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

اعراس میں حاضری کا ذوق وشوق اور کیفیت توحید کا غلبہ

مولوی رفیع صاحب نے عرس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ اعراس میں حاضری کا خاص ذوق وشوق تھا۔ خصوصاً ردولی شریف، کلیئر شریف اور اجمیر شریف خاص اہتمام سے حاضر ہوتے۔ وہاں کی حاضری کے بعد جو حالت آپ کی ہوتی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ کوئی شخص بیان نہیں کرسکتا ؎

گر مصور صورت آں دل ستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

کثیر علماء اور مشائخ ان اعراس میں ہم صحبت رہتے اور آپ پر غلبہ ''توحید'' ہوتا، جس میں حالت مزاح بھی آپ کے حقائق اور معارف سے پر ہوتی۔ ہر مزاحی جملہ آپ کا بظاہر مزاح ہوتا، لیکن سمجھنے والے بڑے بڑے مضامین اس سے اخذ کرتے۔ صاف یہ معلوم ہوتا کہ آپ مخاطب لوگوں کی طرف ہیں لیکن خیال کہیں اور ہے ؎

خلقے بتو مشغول وتو غائب زمیانہ

بڑے بڑے علماء اور مشائخ حاضر رہتے مگر وہ کیفیت استغراقیہ کبھی نہ بدلتی ''خلوت در انجمن'' کی مکمل تصویر کھنچی رہتی تھی۔

لیکن رمضان کے زمانہ کے معمولات میں مجاہدہ نفس کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔ باوجود انتہائی ذوق سماع کے گانا بہت کم سنتے تھے۔ سوائے قرآن وذکر وشغل اور بھوک پیاس کے کوئی مشغلہ نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

معمولات رمضان شریف

رمضان شریف کے زمانہ میں آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس عالم میں ہیں ہی نہیں۔ چہرۂ مبارک پر نظر کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ صرف صبح کو ایک گھنٹہ کے لئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ دن کی تلاوت میں پورے ماہ صیام میں ۳۱ ختم ہوجاتے تھے۔ علاوہ ان پاروں کے جو تراویح اور تہجد میں پڑھتے تھے۔ ضعیفوں کے خیال سے ایک ختم ڈیڑھ ڈیڑھ پاروں کا شب بیس ۲۰ کو فرمایا کرتے تھے۔ تہجد میں ایک بجے کھڑے ہوجاتے تھے۔ آدھ آدھ گھنٹہ کی رکعتیں کرکے دو گھنٹہ میں چار رکعت پڑھتے اور چار رکعتیں مختصر پڑھتے تھے۔ روزانہ دس پارے ہوجاتے تھے۔ ۲۷ کو بارہ بجے سے تہجد شروع کرتے تھے اور تین بجے ختم کردیتے تھے۔ اس میں اٹھارہ پارے پڑھتے تھے۔ شبینہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ کوئی سننے والا نہیں، اس لئے

نہیں پڑھتا۔ میں نے ایک مرتبہ مولوی مہدی حسین صاحب کو ایک رکعت میں سورہ والضحیٰ تک سنایا اور دوسری رکعت میں ختم کیا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ تم نے مزا خراب کر دیا۔ ''ارے بھائی پورا کر لیتے پھر دوسری رکعت میں الٓمٓ میں سے کچھ پڑھ کر دوسری رکعت پڑھتے''۔ جب سے ایسے لوگ نہ رہے میں نے شبینہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ ابتداء زمانہ میں صرف ایک شخص کو شرکت کی اجازت تھی، یعنی محمد جان خاں مرحوم۔ دروازہ بند رہتا تھا۔ اور کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی سوائے ۲۷ تاریخ کے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر عام اجازت ہوگئی۔ دو رکعت کے بعد دودھ کی چائے سبھوں کو پلائی جاتی تھی۔ آپ نے اپنا مسلک یوں ظاہر فرمایا کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک اگرچہ یہ جماعت مکروہ ہے مگر میں اس لئے اجازت دیتا ہوں کہ یہ لوگ اگر نہ پڑھیں گے تو گھر جا کر سو رہیں گے اور اس مبارک مہینہ کی برکت سے محروم رہیں گے۔

تراویح کے بعد چائے نوشی کا جلسہ رہتا اور اس وقت آپ سب سے باتیں کرتے اور کبھی کبھی کسی تصوف کی کتاب کا سبق ہوتا۔ گیارہ بجے آپ خواب استراحت فرماتے اور ایک بجے اُٹھ جاتے۔ ۲۷ر رمضان کو تہجد کے وقت لوگ اپنے گھر سے مختلف چیزیں سحری کے لئے پکوا کر لاتے تھے اور میٹھی چیزیں سب ایک میں ملا کر شریک ہو کر کھاتے تھے۔ آپ بھی دو ایک لقمے محض ان لوگوں کی خاطر سے تناول فرما لیتے ورنہ آپ سحر کے وقت عادتاً صرف دو تین تولہ بالائی اور سبز چائے نوش فرمایا کرتے تھے۔ آخر عشرہ میں بعد فراغت سحری حلقۂ ذکر ہوتا تھا۔

ابی حضرت مولانا ولایت حسین صاحب فرماتے ھیں کہ ماگھ پوس کے جاڑے میں جب ہم لوگ ذکر کر کے نکلتے تھے تو محنت شاقہ کی وجہ سے تمام کپڑے پسینے سے تر ہو جاتے تھے۔ ذکر کے بعد باقی خاں صاحب مرحوم اکثر مثنوی مولانا روم کی مناجات پڑھتے تھے۔ اس میں لوگوں پر اتنی رقت طاری ہوتی تھی کہ تمام مسجد میں کہرام مچ جاتا۔ تراویح میں ترغیب وترہیب کی آئتیں خاص لہجے سے ادا فرماتے تھے۔ جس سے نہ سمجھنے والا بھی کافی متاثر ہوتا تھا۔ رمضان شریف میں گوشت نہ تناول فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ''شیخ عربی نے لکھا ہے کہ روزہ رکھنے سے مقصود قوت نفسانی قوت بہیمیہ کا استیصال ہے اور گوشت قوت بہیمیہ کو بڑھاتا ہے، لہٰذا اسے ترک کر دینا چاہئے۔ باوجود

اس کے کہ عادتاً گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ اس زمانہ میں غذا بہت کم ہو جاتی تھی۔

آپ کے سلوک پر عام روشنی ڈالنے کے بعد اس سلسلے کے خصوصی حالات درج کئے جاتے ہیں۔

حج بیت اللہ

آپ نے چار حج کئے۔ پہلے حج میں آپ اپنی خالہ کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ اس حج میں آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا۔ جس طرح پر بیعت کا واقعہ پیش آیا اس میں آپ کے معتقدین کے مختلف اقوال ہیں۔ مولانا رفیع الدین صاحب نے جو واقعہ آپ کی بیعت کا ذکر کیا ہے اسے میں نے عام حالات کے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ پہلے آپ شاہ عبدالغنی صاحب نقشبندی سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ مگر حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا جس کے بعد حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب مائل ہوئے اور بیعت فرمائی۔ عمی حضرت مولانا فخر الدین صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''ابتداء ہی سے مولانا کو ریاضت اور مجاہدے کا شوق تھا۔ تعلیم بھی اس طریقہ پر ہوئی کہ اس طرف رغبت ہو۔ بچپن میں حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب عرف نادر میاں اس خاندان میں ایک بہت بڑے بزرگ آدمی تھے۔ (یہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب کے بڑے بھائی تھے اور حضرت شیخ سے جو خاندانی سلسلہ چلا ہے اس کے آخری بزرگ ہیں۔ آپ پر اکثر استغراقی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس خاندان میں شاہ عثمان صاحب سب سے ضعیف العمر بزرگ ابھی تک موجود ہیں) جنہوں نے مولانا کو کھیلنے ہی کی حالت میں ایک شغل تعلیم فرمایا اور سوتے وقت کے لئے ایک طریقہ خاص سونے کا تعلیم فرمایا جس پر مولانا آخری عمر تک کاربند رہے۔ ختم تعلیم کے بعد جب آپ کو اس طرف توجہ ہوئی تو آپ نے مولوی تجمل حسین صاحب سے نقشبندیہ خاندان کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ ذکر خفی اشغال و مراقبات دوائر و لطائف کی سیر جیسا کہ اس طریقہ میں ہے فرماتے رہے۔

پہلا حج

اس کے بعد جب آپ کو پہلی بار حج کے جانے کا اتفاق ہوا تو مفتی اسد اللہ صاحب نے (یہ ایک بزرگ دائرہ شاہ اجمل رحمۃ اللہ علیہ کے رہنے والے تھے جو بزرگ آدمی تھے اور مولانا سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے۔ان کے خاندان کے اب تک مولوی اسلم صاحب وغیرہ موجود ہیں) فرمایا کہ تمہارے خاندان کے ایک بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب وہاں ہیں ان سے ملنا۔

شاہ عبدالغنی محدث سے ملاقات

مگر آپ نہ ملے اور سیدھے مدینے شریف تشریف لے گئے۔ جہاں شاہ عبدالغنی صاحب محدث سے جو خاندان نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بہت بڑے رکن تھے، ملے۔ان سے حدیث کی سند لی اور بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ بیعت کے قبل ہمارے خاندان میں صلوٰۃ استخارہ ہے۔وہ پڑھ کر استخارہ کر لینا۔اگر اس کے بعد مرید ہونا چاہو تو ہو جانا۔ چنانچہ خود شاہ صاحب نے بھی استخارہ کیا اور مولانا نے بھی۔ دوسرے دن جب ملاقات ہوئی تو مولانا کی طبیعت بیعت کی جانب مائل نہ رہ گئی۔ چنانچہ آپ مکہ معظّمہ کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں آ کر حاجی صاحب سے بیعت کی''۔ ان دونوں روایتوں میں تضاد نہیں ہے۔ممکن ہے استخارہ بھی کیا ہو اور اسی کے ساتھ حضرت شیخ کی رُویت بھی حاصل ہوئی ہو۔ بہر حال آپ مکہ معظّمہ تشریف لائے اور بیعت کی۔

پھر مولانا فخر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا نقشبندیہ خاندان کا سلوک قریب قریب طے کر چکے تھے۔حضرت حاجی صاحب نے آپ کو چشتیہ خاندان کے افکار و اشغال بتائے اور اسم ذات کا تین دن کا چلّہ کرایا۔اسی وقت سے آپ ذکر جہر کرنے لگے۔اس کے قبل آپ ذکر خفی کیا کرتے تھے۔اسی وقت آپ کے بہت سے مراتب سلوک طے ہو گئے اور آپ کو بیعت لینے کی اجازت ہو گئی۔ یہ اجازت زبانی تھی۔

دوسرا حج

جب آپ دوسرے حج میں تشریف لے گئے تو پانچ مہینہ رہنے کا اتفاق ہوا۔اس حج میں آپ کے ہمراہ آپ کے بھائی جناب مولوی محی الدین صاحب مرحوم بھی تھے۔

مرشد کے حضور میں قیام،تحریری خلافت نامہ اور جبّۂ خلافت

اس مرتبہ آپ کو اپنے مرشد کے حضور میں قیام کا زیادہ اتفاق ہوا۔مولانا فخر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تحریری خلافت نامہ دیا۔ایک کاغذ پر خلافت نامہ تحریر تھا اور اس کے ساتھ ایک ٹوپی اور ایک کنگھی،ایک مسواک اور ایک جبہ بھی تھا۔اس زمانۂ قیام میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مکمل تعلیم دی۔اس حج میں آپ کا ارادہ ہندوستان کے واپسی کا نہ تھا،مگر مولوی محی الدین صاحب نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ 'تم جاؤ، یہاں رہو گے تو صرف اپنے کو فائدہ پہنچاؤ گے اور ہندوستان جاؤ گے تو دوسروں کو بھی۔اس لئے وہیں رہو۔چنانچہ مجبوراً آپ چلے آئے۔

تیسرا حج

تیسرا حج آپ نے حضرت مولانا تفضّل حسین صاحب کے ساتھ کیا۔ آپ کے صاحبزادے بھی اس حج میں آپ کے ہمراہ تھے جنہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور آپ کے والد صاحب نے بھی بیعت کی۔آپ کے والد کا انتقال مکہ معظّمہ میں ہوا اور اُن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اسی قبر میں وہ دفن ہوئے جس میں بعد کو ان کے مرشد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہوئے۔ چنانچہ بعد کو جب مولانا رحمۃ اللہ مزار پر فاتحہ پڑھنے تشریف لے جاتے تو یہ کہتے کہ اس قبر میں قبلتین ہیں۔اس حج میں تو آپ ہندوستان چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اور جس جہاز کا ٹکٹ تھا اس کمپنی کو لکھ چکے تھے کہ اب نہ جائیں گے۔مگر

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے صاحبزادے کو بلا کر یہ حکم دیا کہ اسباب باندھو اور جاؤ۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ اب جہاز تو جاچکا ہوگا۔ مگر آپ نے جانے کا حکم دیا۔ آپ کی کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ وہ جہاز چند میل جانے کے بعد پھر واپس آیا اور مولانا ہندوستان واپس آئے۔

چوتھا حج

یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس میں آپ کے بھتیجے مولانا فخر الدین صاحب اور آپ کے محبوب ترین شاگرد جناب مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ تھے۔

انتہائی سوز وگداز کی کیفیت تھی۔ قوال حاجی فرزند علی بھی ساتھ تھے۔ قافلہ جتنا مدینہ شریف کے قریب ہوتا جاتا تھا اتنی ہی شورش بڑھتی جاتی تھی۔ فرزند علی اونٹ پر یہ غزل گاتے تھے:

دشت یثرب میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے — دھجیاں جیب وگریباں کی اڑاتے جاتے

صدقہ ہوتے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے — ساریاں کی انہیں ہاتھوں بلائیں لیتے

اسی طرح کی اور بھی بہت سی غزلیں سنی جاتی تھیں اور پورے قافلہ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ اس مرتبہ بھی آپ نے واپسی کا ارادہ فسخ کر دیا تھا۔ مگر حرم نبوی میں حاضر ہوئے تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو تمہیں پہلے رائے دی تھی اس پر عمل کرو۔ چنانچہ آپ نے اسباب بندھوایا، لیکن دربار نبوی میں آخری سلام کرنے تشریف نہیں لے گئے اور فرماتے تھے کہ ''میں رخصت ہونے کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا''۔ اس وقت سے جب تک اس دُنیا میں رہے غمگین ہی رہے۔

پہلے حج کے بعد ایک مرتبہ اور حج کے ارادے سے تشریف لے گئے تھے مگر بمبئی میں حضرت حاجی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے فرمایا کہ میں خود ہندوستان آیا ہوں تم کیوں آرہے ہو۔ آپ جہاز پر سوار ہوگئے مگر جہاز بیچ میں خراب ہوگیا اور واپس آیا۔ پھر دوسرے جہاز سے تشریف نہ لے گئے۔

مجاہدات وریاضات

اس سلسلے کے اکثر واقعات آپ کے روز وشب کے معمولات میں آچکے ہیں، جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر کتنی مشقتوں کا بار ڈالتے تھے۔ ذیل میں مولانا فخر الدین صاحب کی تحریر نقل کرتا ہوں جس سے بعض مخصوص واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔

آپ نے ریاضت ومجاہدہ اس قدر کیا ہے کہ اس زمانہ میں دشوار ہے۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے آپ عام طور پر رکھا کرتے تھے۔ جب اختلاج کی شکایت ہوئی اطباء نے روزوں کی کمی پر مجبور کیا تو ان میں کمی ہوگئی۔ ذی الحجہ میں نو تاریخ تک برابر آپ روزے رکھتے تھے اور یہ معمول آخر تک رہا۔ اختلاج کے مرض کے قبل تمام نفل روزوں کے پابند تھے۔ آپ نے حبس دم بہت زمانے تک کیا راتوں کو اکثر جاگا کرتے تھے۔ ''دوازدہ تسبیح'' جہر کے ساتھ روزانہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے اسم ذات کے بہت سے چلّے کئے، جن میں سے تین معلوم ہیں۔ آپ نے اکثر اوراد کی زکوٰۃ دی۔ مگر ان زکوٰتوں اور عبادتوں میں اتنا اخفاء ہوتا کہ کسی کو پتہ نہ چلتا۔ آپ نے چلّوں کے بارے میں مختلف اقوال ارشاد فرمائے۔

ایک چلّے کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ذکر اسم ذات میں نے اتنا کیا کہ جس کی کوئی تعداد نہیں۔ اس لئے کہ ذکر ہر بن مو سے جاری ہوگیا تھا''۔ ایک اور چلّے کے متعلق جو آپ نے ردولی شریف میں کیا تھا ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی کے چلّے میں بیٹھا جس میں حضرت مخدوم صاحب بہ نفس نفیس اس طرح ظاہر ہوئے جس طرح حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی کے سامنے ظاہر ہوئے تھے اور آپ نے تعلیم فرمائی''۔ اس تعلیم کا اظہار حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں فرمایا۔ اس لئے بتا نہیں سکتا۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ''وہ باتیں جو اذکار واشغال میں لوگوں کو سالہا سال میں حاصل ہوتی ہیں مجھے دو ماہ میں حاصل ہوئیں''۔ سیر اسمائی جو واردات علمیہ کی بنیاد ہے اور بہت مشکل چیز ہے، اس کو آپ نے طے فرمایا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ حضرت اقدس رحمۃ

اللہ علیہ نے مجھے دو تین مہینہ تک سیر اسمائی میں رکھا۔ اتنے زیادہ دن تک رکھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے بعد ہر امر اس طریقہ سے مجھے طے ہوتا کہ گویا اس کے لئے زیادہ وقت ہی نہیں لگتا جو باتیں کہ لوگوں کو سالہا سال میں اور بدشواری طے ہوتی ہیں وہ مجھے چند دن میں حاصل ہو جاتیں''۔

ریاضت قلبی اور شان صدیقیت

آپ کی زیادہ ریاضت قلبی تھی۔ صدیقیت کی شان آپ میں پائی جاتی تھی۔ ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ خاص مناسبت تھی۔ جن بزرگوں کو یہ مناسبت حاصل ہوتی ہے ان کی زیادہ عبادت علمی ہوتی ہے۔ ''حقیقت محمدیہ'' کا انکشاف آپ کو حاصل تھا۔ آواز غیبی کا ظہور آپ پر ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں اپنے عزیز منشی عطاء اللہ صاحب کو لے کر گئے۔ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی نے آپ کو روک لیا اور کہا کچھ لے کر جانا۔ چنانچہ تہجد کے بعد تخلیہ کیا اور دو تین مرتبہ توجہ کی۔ آپ کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو فرمایا کہ تم پر بڑے شخص کا اثر ہے۔

اِختتام سلوک یا وصال

مولانا کی زندگی میں سماع تمام دوسرے مشاغل سلوک کے لحاظ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور سماع کے جن اثرات کا تعلق مولانا کی زندگی میں ظاہر ہوا ان کا ظہور حضرات صوفیہ کی جماعت میں بہت کم لوگوں پر ہوا۔ اور آخری تاثیر جو آپ پر ہوئی وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے اب تک کسی کے سوانح میں نظر نہیں آئی۔ آپ جب تیسرے حج کے بعد ہندوستان تشریف لائے تو سماع سے شغف ہوا۔ اس کے قبل بھی آپ کبھی کبھی اچھی آواز والوں سے کچھ اشعار پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے اور اس سے لذت اندوز ہوتے تھے، لیکن باضابطہ محفل سماع منعقد نہ ہوتی تھی۔

سماع کی حقیقت اور شرعی نقطہ نظر

اس کی حقیقت، اس کے فوائد، مضرتیں اور شرعی نقطہ نظر سے اس کے جواز یا عدم جواز پر اس سلسلہ میں روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

سماع کے لغوی معنی ذکر کے ہیں (یاد کرنا) اصطلاح تصوف میں بھی سماع کے یہی معنی ہیں۔ مگر اس کی تشریح اس طرح پر کرتے ہیں کہ خدا میں سمیع کی حقیقت پائی جاتی ہے، جس کا ظہور بندوں میں ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہر بندہ اس اعتبار سے صاحب سماع ہے۔

(از فتوحات مکیہ۔ صفحہ ۴۸۴۔ جلد ۲)

سماع کے اقسام

اس طرح پر سماع کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ایک مطلق سماع جس کا ظہور ہر شخص میں پایا جاتا ہے اور ہر شخص قوت سمع سے سننے والی چیزوں کو سنتا ہے۔ دوسرے وہ سماع جو اصول موسیقی اور لحن کے ساتھ ہو اور اُسے انسان سنے جسے ہم اصطلاح میں گانا کہتے ہیں۔

سماع کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

سماع کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع کی حالت سننے والے کے اعتبار سے چار طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) وہ لوگ جو نغموں اور اشعار کی خوبیوں سے قوت سمع کو لذت دینا چاہتے ہیں۔ یہ سماع کا سب سے معمولی درجہ ہے جس میں جانور وغیرہ بھی شریک ہیں۔ اس لئے کہ تمام جانوروں کو ایک خاص طرح کی لذت آوازوں سے ہوتی ہے۔

(۲) وہ لوگ جو ان اشعار کے مضامین کو دُنیا کی شہوت پرستی کی چیزوں پر قیاس کر کے اپنے نفس کو لذت دیتے ہیں۔ مثلاً حسن و جمال کا اگر تذکرہ آتا ہے تو اسے اس معشوق پر منطبق کرتے ہیں

جوان کے شہواتِ نفس کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ سماع اربابِ شہوت (خواہش پرستوں) کا سماع کہلاتا ہے۔

(۳) وہ سننے والے جوان نغموں اور مضامین کو اپنے حالات پر منطبق کرتے ہیں اور خدا اور اس کے درمیان جو راہِ سلوک میں تعلقات پیدا ہو رہے ہیں ان کو ان مضامین کے ساتھ مناسبت دیتے ہیں اور اس کے تاثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً فراقِ یار کا اگر تذکرہ ہو تو اسے خدا سے دُوری پر محمول کرے اور متاثر ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سماع سائرین الی اللہ کا ہے جو ابھی ابتدائی مدارج طے کر رہے ہیں۔

(۴) وہ لوگ ہیں جو ابتدائی حالت سے متجاوز ہو چکے ہیں اور احوال و مقامات طے کر کے ماسوی اللہ کو (خدا کے علاوہ تمام چیزیں) اپنے دل سے انہوں نے نکال دیا ہے، حتیٰ کہ اپنے نفس کو بھی بھول گئے ہیں۔ اور خدا کے جلوؤں کا مشاہدہ کرنے کی وجہ سے ان پر بے خودی کی حالت طاری ہوگئی ہے اور اس سماع میں وہ اپنے کو خود ہی بھول جاتے ہیں تو دوسری تمام چیزیں بہرحال ان کے ذہن سے غائب ہو جائیں گی۔ ابوالحسن صوری ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ شعر سنا ؎

مازلت انزل من ودادک منزلاً   تتحیر الالباب عند نزول

یہ سن کر وہ کھڑے ہوگئے اور وجد کرنے لگے۔ قریب گنّے کا کھیت تھا جو کٹ چکا تھا اس میں جا پڑے۔ پیر کے تلوے پھٹ گئے ان سے خون جاری ہوگیا، مگر کوئی احساس نہ ہوا۔ پیر اتنا زخمی ہوگیا کہ چند دن کے بعد اس دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ ان اہلِ سماع کا مرتبہ ''صدیقین'' کا ہے جو سیر الی اللہ میں ایک بلند مرتبہ ہے۔ اس لئے کہ سماع ایک دنیاوی چیز ہے اور اور دنیاوی چیز میں مشغول ہوتے ہوئے اتنی بیخودی ہو جاتی کہ دُنیا کو بھول جائے۔ یہ صرف صدیقیت ہی کی شان ہو سکتی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بشریت باوجود اعضاء ظاہری کے موجود ہونے کے بالکل فنا ہوگئی ہے اور اب ان کا التفات اس طرف بالکل نہیں ہوتا۔ ان تین طبقوں میں پہلے طبقہ کا گانا سننا صرف مباح ہے کوئی اس میں خوبی نہیں ہے۔ دوسرے طبقہ کا گانا قطعاً بُرا اور مضر ہے۔ تیسرے طبقہ کا سماع مستحسن اور چوتھے طبقے کا تیسرے سے زیادہ مستحسن۔

سماع کے منافع

سماع سے وجد پیدا ہوتا ہے۔ وجد کے معنی پائے جانے کے ہیں۔ چونکہ سماع جن تاثرات کو پیدا کرتا ہے وہ نفس میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس اثر کو وجد کہتے ہیں۔ لہٰذا اصطلاحی معنی وجد کے اثر سماع کے ہیں۔ جو سماع کے بعد سامع پر طاری ہوتا ہے اور اس کے حرکات وسکنات میں تغیر پیدا کر دیتا ہے اگر صرف غیر ظاہری اثرات تک اس سماع کا اثر رہے تو وہ وجد نہ کہلائے گا۔ وجد دو طرح کے ہوتے ہیں۔ محمود اور مذموم۔ مذموم وہ وجد ہے جو پہلے اور دوسرے طرح کے لوگوں پر طاری ہوتا ہے یا تصنع سے لوگ اپنے اوپر طاری کر لیا کرتے ہیں۔ محمود وہ ہے جو آخر کے دونوں طبقے کے سامعین پر طاری ہوتا ہے۔

وجد سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس دُنیا سے غفلت ہوتی ہے اور مشاہدات حق حاصل ہوتے ہیں۔ جو چیزیں مادیات میں پھنسے رہنے کی وجہ سے غائب رہتی ہیں وہ حضور کا جامہ پہن لیتی ہیں۔ یعنی جان لے جاتی ہیں۔ سماع سے منافع ذیل مرتب ہوتے ہیں:

(۱) نفس کو ایک تنبہ حاصل ہوتا ہے، یعنی ایسی کیفیت حاصل ہوتی ہے جس کو نہضت یا ابھار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) حالت سماع میں سالک کے حالات اور اس کے مشاہدات جلد جلد بدلتے رہتے ہیں۔

(۳) تیسرے قلب میں ماسوی اللہ سے علیحدگی اور ایک خاص تصور میں مشغول رہنے کی وجہ سے صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) چوتھا قلب میں ایک خاص قوت اور نہضت پیدا ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علوم جو پردۂ خفا میں رہتے ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ علوم کے ظاہر ہونے کے لئے انہیں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

اقوال صوفیہ متعلق وجد

ابوالحسن دراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وجد مجھے خوبیوں کے میدان میں لے گیا جہاں وجود حق نے مجھے عطا یا عنایت فرمائے۔ صفا (نفس علائق مادّی سے پاک ہو) کا پیالہ مجھے پلایا جس سے میں نے رضا کے منازل طے کئے اور وسعت اور بھلائیوں کی جانب مجھے لے گیا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ''سماع ایک خدا کی طرف سے ''وارد'' (سالک پر مجاہدات نفس کے بعد خدا کی طرف سے ان مجاہدات کے صلہ میں علوم یا معارف یا حالات نازل ہوتے ہیں، اُن کو وارد کہتے ہیں) ہونے والی چیز ہے جو قلوب کو خدا کی جانب لے جاتی ہے۔ لیکن جو شخص اسے خدا کے لئے سنتا ہے وہ حق پر رہتا ہے اور جو نفس کے لئے سنتا ہے وہ گمراہ ہوجاتا ہے''۔ اسی طرح کے اور بہت سے اقوال وجد اور سماع محمود کے متعلق ہیں۔

سماع کی علمی تحقیق

لیکن سماع کے چونکہ دو پہلو ہیں۔ ایک اپنے دامن میں اچھے نتائج لکھتا ہے اور دوسرے میں ہلاکتیں ہیں۔ اس لئے اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق اربابِ فہم مختلف ہیں۔ بعض لوگ مطلقاً جواز کے قائل ہیں اور بعض مطلقاً عدم جواز کے۔ لیکن محققین ان دونوں مسلک میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ اگر سماع ان شرائط کے ساتھ سنا جائے جن کو صوفیہ نے اپنے یہاں مقرر فرمالیا ہے تو محض جائز ہی نہیں بلکہ اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ یہی نہیں کہ ناجائز ہے بلکہ نفس کی بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ میں اس چھوٹے سے رسالہ میں تمام مخالف اور موافق فقہی دلائل اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق بیان کرنے کا موقع نہیں پاتا اور اُس پر مستقل رسالے تحریر کئے جاچکے ہیں۔

امام المتاٗخرین استاذی ومولائی حضرت مولانا عبدالباری صاحب نے ایک رسالہ ''احقاق السماع'' اپنے زمانہ طالب علمی میں حسب ایماء حضرت جدی رحمۃ اللہ علیہ شائع فرمایا

تھا۔ نیز اور بھی بہت سے رسالے شائع ہوچکے ہیں۔ یہاں پر صرف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ التماس کی وہ عبارت درج کرتا ہوں جو آپ نے صوفیہ کے حالات ذکر کرتے ہوئے اہل سماع صوفیہ کے متبع شریعت ہونے پر دلیل قائم کرنے کے سلسلے میں تحریر فرمائی ہیں۔

''سماع کی وجہ سے ان حضرات کو کوئی شخص مرتکب امر خلاف شریعت کا نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ مسئلہ سماع میں علماء کا اختلاف ہے۔ محدثین سب کے سب حلّت کے قائل فقہا میں اختلاف اسی طرح ان حضرات میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہا۔ بعضے حلّت کے قائل بعضے حرمت کے بعضے کرامت کے بعضوں کو سکوت جو لوگ سنتے ہیں یا سننے کو جائز سمجھتے ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ جس طرح کسی حرام کو حلال کہنا معصیت کسی حلال چیز کو حرام کہنا بھی گناہ دونوں جانب احتیاط ضروری ہے حرام کے حکم لگانے کو موافق قواعد اصول فقہ کے ایسی دلیل ہونا چاہئے جو قطعی الثبوت ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو نہ ظنّی، یہاں کوئی دلیل قطعی موجود نہیں۔ آیات قرآنی میں کہیں حرمت کی تشریح نہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (بعض لوگوں میں سے وہ لوگ ہیں جو خدا سے غافل کرنے کی بات کے خریدار ہیں) سے جو لوگ حرمت نکالتے ہیں، اوّل تو یہ حکم صریح نہیں جو موجب حرمت ہو۔ دوسرے سماع صوفیہ بہ نیت لہو نہیں ہوتا کہ لہوالحدیث کے افراد میں سے ہو۔ تیسرے لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (تاکہ اللہ کی راہ سے بہکادیں) آگے اُس کی علت موجود وہ یہاں مفقود احادیث نبوی سے حرمت کا ثابت ہونا معلوم اول احادیث اس بارے میں متکلم فیہ محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج میں تحریر فرماتے ہیں۔ دوم طریق محدثین است وایشاں می گویند کہ ثابت نشدہ است درتحریم آں حدیث صحیح ونص صریح بلکہ ہرچہ وارد شدہ است دریں باب از احادیث یا موضوع است یا مطعون۔ اوراگر ہوں بھی تو اخبار احاد یا عام مخصوص منہ البعض موافق اصول فقہ کے ظنی غیر قطعی قیاسات فقہا کے اس بارے میں مختلف ادھر احادیث صحیحہ سے ایام سرور اور غیر سرور دونوں میں حضرت کا سننا ثابت۔

(امام بخاری سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس دولڑکیاں انصار کی اُن مضامین کو گا رہی تھیں جو

جنگ بغاث کے دن انصار نے آپس میں بات چیت کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا شیطان کا باجا رسول خدا کے گھر میں۔ حضرت نے فرمایا اے ابوبکر ہر قوم کے لئے عید ہے)۔

اس سے ایام سرور میں سننا ثابت۔

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک لڑکی تھی کہ مجھے گانا سناتی۔ حضرت میرے پاس آئے وہ اپنے حال پر رہی۔ پھر حضرت عمر آئے تو وہ لڑکی بھاگ گئی۔ اس پر حضرت ہنس دیئے۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں ہنسے آپ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ نے ان سے لڑکی کا حال بیان کیا۔ حضرت عمر بولے کہ میں یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک جو کچھ حضرت سنتے تھے سن نہ لوں گا۔ اس پر حضرت نے اس لڑکی کو حکم دیا تو اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی سنایا۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس سے بلا تخصیص ایام سرور کے سننا ثابت صاحب امتاع نے صحابہ اور تابعین کا سننا بکثرت ثابت کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سننا لکھا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے:

(ابوعمر نے خوات بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر کے ساتھ حج کے ارادہ سے نکلے، چند سواروں کے ساتھ جن میں ابوعبیدہ بن جراح اور عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ضرار کے اشعار میں سے کچھ گاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ ابوعبداللہ کو چھوڑ دو کہ وہ اپنے دل کی باتوں میں سے یعنی اپنے طبعزاد شعر میں سے گاویں۔ خوات کہتے ہیں کہ ہم برابر گاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب گانا بند کرو کہ صبح ہوگئی۔

ایسی حالت میں حرمت جس کے لئے دلیل قطعی ''لاشبهة فيه'' درکار ہے، کیونکر ثابت ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان حضرات نے ان احادیث اور روایات کو جن سے متعلق سماع کی حرمت نکلتی ہے سماع لہو پر محمول کیا اور فی حد ذاتہ اس کو حلال کہا۔ جیسا کہ اور فقہا نے بھی کیا ہے۔

(بزودی میں ہے جان تو کہ وہ سماع کہ جس میں علماء نے اختلاف کیا ہے وہ ہے جو کھیل کود کی راہ سے ہو جیسا کہ بدکار شراب خور تارک نماز سنا کرتے ہیں اور جو شخص نیک بخت اور نمازی

ہو اور سماع سنتا ہو اس کو حلال ہے بلا اختلاف۔ شرح کافی میں ہے ہمارے علماء کے نزدیک سماع وہ مکروہ ہے جو بارادۂ گناہ یا کھیل کود کی راہ سے ہو کہ فساق اس کیلئے جمع ہوں اور نماز اور قرأت قرآن کو چھوڑ دیں جو شخص کہ نمازی قرآن کا پڑھنے والا صالحین میں سے ہو اس کے لئے حلال ہے بغیر اختلاف علماء کے اس لئے کہ اُن کی غرض اس سماع سے محض توجہ الی اللہ اور حضور الٰہی ہوتی ہے۔ اللہ کو اور خوف آخرت کو یاد کرتے ہیں۔ یہ سب اچھی بات ہے نہ کہ بُری)۔

بدائع میں ہے کہ سرور کے بڑھانے کے لئے سرور کے وقت سماع حلال ہے۔ بشرطیکہ سرور مباح ہو۔ مثلاً عیدین یا شادی میں مسافر کے آنے کے وقت ولیمہ میں عقیقہ میں لڑکا پیدا ہونے کے وقت ختنہ کی تقریب میں قرآن کے حفظ ہوجانے کے وقت اور بھی بدائع میں ہے کہ سماع کی حُرمت منکرات شرع اور لہو کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ سماع فی حد ذاتہ حرام ہے۔ اس لئے کہ اچھی آواز کا سننا اصل میں مباح ہے، فحش اور لہو پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرمت عارضی اس کو لاحق ہے اور جب عارضی چیز جاتی رہے گی تو اپنی اصل اباحت پر باقی رہے گا اور یہ بھی بدائع میں ہے کہ سماع جائز ہے اس لئے کہ یہ رقّت قلب پیدا کرتا ہے۔

یہ اُن حضرات کے خیالات تھے جنہوں نے سماع سنانا سننا جائز رکھا اور دوسرے حضرات نے احادیث اور روایات کے اطلاق پر نظر کی اور مطلق کو مقید پر حمل نہ کیا اور جو پیچیدگیاں حرمت کے راستہ میں تھیں اُن سے چشم پوشی کی یہ بہ اقتضائے احتیاط ہو یا جو کچھ ہو انہوں نے حرمت کو ترجیح دی۔ یہ خیال نہ فرمایئے کہ حلت اور حرمت کے تعارض کی حالت میں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے کہ شیخ ابن ہمام نے ''تمسک باقوی الدلائل عندالاختلاف فی المسائل'' میں تصریح کردی ہے کہ تحریم کو تحلیل پر ہمیشہ ترجیح نہیں ہوتی بلکہ اُس وقت ہوتی ہے جب دونوں جانب دلائل سے ہوں مگر جب دلائل اباحت کے قوی ہیں تو اباحت ہی کو ترجیح ہوگی۔ ''الاشتباہ والنظائر'' میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس حالت میں کوئی منصف مزاج سماع کے سننے والے کو مخالف شریعت نہیں کہہ سکتا، یہاں مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان دونوں مسلکوں میں ترجیح کس مسلک کو ہے۔

اس عبارت کے بعد مسئلہ سماع پر اگر نقلی دلائل کی اور ضرورت ہو تو مذکورہ بالا رسالہ

ملاحظہ فرمایا جائے جس کا تذکرہ میں نے کیا ہے۔

آدابِ سماع

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ چیزیں آدابِ سماع میں داخل فرمائی ہیں جن کا تذکرہ ضروری ہے۔

(۱) وقت، جگہ اور ہم جلیسوں کا مخصوص صفات سے متصف ہونا یعنی گانا سننے والا ایسے وقت گانا سنے جب اُس کا وقت کسی مذہبی یا طبعی (مثلاً کھانا پینا اور ضروریاتِ زندگی) کام میں مشغول نہ ہو اور جس جگہ گانا سنے وہ جگہ شور وشغب کی نہ ہو، شارع عام نہ ہو اور ایسی جگہ نہ ہو جہاں یکسوئی پیدا نہ ہو سکے۔ اور جو ساتھی ہوں وہ غیر جنس کے نہ ہوں۔ مثلاً منکرین سماع یا وہ لوگ جو محفلوں میں آکر بلا کسی واقعی حالت طاری ہوئے تصنّعا ''ہوحق'' کرتے ہیں اور دوسروں کا مزا بھی خراب کرتے ہیں۔

(۲) یہ کہ اگر شیخ کے گرد ایسے مریدین ہوں جن کی حالت کے اعتبار سے سماع اُن کے لئے مضر ہے تو انہیں علیحدہ کر دے (اس کے بعد اُن کی تفسیر لکھی ہے جن کے لئے سماع مضر ہے۔

(۳) جو سننے والا ہو وہ ہمہ تن گانے کی جانب متوجہ ہو۔ دوسری جانب نہ رجوع کرے۔

(۴) بلا وجہ بار بار آہ وفغاں اور شور وشغب نہ مچائے جب تک ضبط ہو سکے۔ اگرچہ یہ حرکات کرنا خود حرام نہیں ہیں۔

(۵) عشقیہ جماعت ایسی ہو جو واجدین کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہو اور انہیں کے ساتھ بیٹھ جاتی ہو۔

یہ اختصار کلام ہے، اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''تفصیل سابق سے یہ معلوم ہوا کہ سماع کبھی حرام محض ہوتا ہے کبھی مباح، کبھی مکروہ اور کبھی مستحب۔ حرام اُن جوانوں کے لئے ہے جن پر دُنیاوی شہوتوں کا غلبہ ہے۔ اس لئے کہ سماع سے اُن کے صفات مذمومہ ہی میں حرکت پیدا ہوگی جس کا ان کے قلوب پر غلبہ ہے۔ مکروہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو مضامین سماع کو مخلوقات عالم کے حالات پر منطبق کرتے ہوں۔ مباح اُن

لوگوں کے لئے جن کا حصہ سماع میں محض اچھی آواز سے لذت اندوز ہونا ہے اور مستحب اُن حضرات کے لئے ہے جن پر خدا کی محبت غالب ہو اور سماع سے صرف اُن کے صفات محمودہ ہی متحرک ہوتے ہوں۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ حقیقت متیقن ہو جاتی ہے کہ سماع فی نفسہٖ شرعاً ناجائز نہیں۔ صحابہ نیز سرورِ کائنات کا سننا بھی ثابت ہے اور جس سماع کی برائی ہے وہ وہ سماع ہے جو صوفیہ کے قول کے مطابق نہ ہو اگر میں جرأت کروں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ اکثر موجودہ زمانہ کی محافل سماع ان شرائط کی جامع نہیں ہیں۔ خدا سے دُعا ہے کہ ان محفلوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے وہ معاصرین بھی جو اُن کے زمانہ میں اہل سماع نہ تھے۔ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ آپ پورے طور پر سماع سننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑے عالم سے (جو سماع کو موجودہ صورت حال میں پسند نہیں فرماتے) اُن کے ایک مرید نے پوچھا کہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں کیا ان کے یہاں کی محفل سماع میں شرکت کر سکتا ہوں۔ آپ نے لکھا کہ اُن کے یہاں گانا سن سکتے ہو۔ مولانا کی محفل سماع میں جتنے لوگ حاضر رہتے اُن پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ جس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپ کے وصال کے بعد گانا سننا ترک کر دیا۔

میرے چچا حضرت مولانا حکیم فخر الدین صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ردولی شریف عرس کے زمانہ میں کچھ پہلے ہی سے چلے گئے تھے۔ حسب معمول مولانا بھی تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب موصوف کو جب مولانا کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو قیام گاہ پر ملنے کی غرض سے تشریف لائے۔ مولانا کے یہاں قوالی ہو رہی تھی، اس وقت تک آپ سماع میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے واپس ہونا چاہا، مولانا نے قوالی روکی اور فرمایا کہ مولانا رندوں کی مجلس میں آکر واپس جانا کیسا؟ آئیے۔ مولوی صاحب چلے آئے۔ مولانا نے قوال سے کہا کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل شروع کرو مگر بلا مزامیر کے ؎

زاہد خلوت نشیں دوش بہ میخانہ شد — از سرِ پیما گذشت بر سر پیمانہ شد

مولوی صاحب کو اتنی کیفیت ہوئی کہ بیخود ہو گئے۔ بار بار مولانا کے زانوں پر سر رکھتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مع مزامیر کے گانا شروع کرا دیا۔ (یعنی وہ باجے جو ہوا سے بجتے ہیں مثلاً ہارمونیم وشہنائی وغیرہ) کئی گھنٹہ تک گانا ہوتا رہا۔ اس کے بعد سے مولوی احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کے ساتھ ہمیشہ محفل میں شرکت فرماتے۔ اسی طرح آپ کے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی مناسبت طبع کا اندازہ فرما کر نئے بجانے والے سے یہ فرمایا کہ اگر مولانا الہ آبادی ہوتے تو ہم سنتے وہ اس کے اہل تھے (باب الفضائل) لہٰذا مولانا کا گانا سننا درحقیقت عبادت تھا اور تمام وہ شرائط اس گانے میں پائے جاتے تھے جو صوفیہ کرام کے نزدیک گانے کو مستحب بناتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ " گانے سے مجھے جو فائدے پہنچے ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ چنانچہ آخر وقت میں اُس دُنیائے فانی سے نجات اور وصل محبوب حقیقی بھی اسی ذریعہ سے حاصل ہوا، جس کا واقعہ میں اس زمانہ کی ایک کتاب سے بعینہٖ نقل کرتا ہوں، جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔ میں ان الفاظ میں ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اس بیان کے قبل چند واقعات آپ کے وجد کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

مولانا کا وجد

آپ کو دو طرح کا وجد ہوتا تھا۔ کبھی آپ بالکل خاموش رہتے تھے اور صرف ٹہلتے تھے اور گریہ کی کیفیت طاری رہتی تھی اور کبھی حق حق فرماتے تھے اور بہت تیزی سے ٹہلتے تھے اور اشعار کے مطالب بیان فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بلا گانے کے بھی شورش کی کیفیت رہتی تھی۔ چنانچہ ردولی شریف میں جب خرقۂ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پہن کر صاحب سجادہ برآمد ہوتے تھے تو ردولی شریف کے سماع خانہ کی چھت پر ٹہلتے تھے زار وقطار روتے تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من اندازِ قدت رامی شناسم

جب آخری حج سے واپس ہوئے تو ہر وقت ایک خاص کیفیت طاری رہتی تھی۔ اکثر

اوقات گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔ صرف دو مہینہ مکان پر قیام فرما کر ۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ کو ردولی شریف تشریف لائے۔ اس کے بعد یہاں سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فاتحہ میں شرکت کرنے کے بعد لکھنؤ آئے اور یہاں سے دو چار دن کے قیام کے بعد پہلی تاریخ رجب المرجب کو اجمیر شریف حاضر ہوئے اور حسب دستور مراسم عرس میں شرکت فرمائی۔

واقعہ وصال

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بتاریخ ۷/ رجب شب دوشنبہ ۱۳۲۲ھ اجمیر شریف محلہ عیدگاہ میں تقریباً دو گھنٹے بیان ولادت حضرت سیّد المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا، اس آیت شریف اِنَّ اللہَ وَ مَلٰئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ کی تفسیر نہایت شرح وسبط کے ساتھ بیان فرمائی اور اس کے متعلق بہت سے اسرار بیان فرمائے۔ بعد ختم مولد شریف شب کو وہیں قیام فرمایا۔ ہشتم رجب روز دوشنبہ بعد نماز فجر خوش خوش منیجر صاحب درگاہ شریف حضرت خواجہ غریب نواز کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت کا قیام بھی یہیں تھا، حسب معمول چائے نوش فرمائی۔ اُس روز جلسہ سماع جو محض بخاطر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بمکان نواب سرور جنگ صاحب مرزا نثار بیگ صاحب نے کیا تھا اور یہ مکان احاطہ درگاہ شریف کے اندر متصل جھالرہ شریف بنا ہوا ہے گو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت جلسۂ سماع سے اول انکار فرمایا مگر بپاس خاطر مرزا صاحب موصوف قصد روانگی فرمایا۔ اول حوائج ضروری سے فارغ ہو کر خلاف عادت مولوی عبیداللہ صاحب سے کپڑے طلب فرمائے۔ مولوی عبیداللہ صاحب نے کپڑے لا کر پیش کئے۔ آپ نے فرمایا کہ نیا انگرکھا جو ساتھ لائے ہو وہ بھی لاؤ۔ چنانچہ مولوی عبیداللہ صاحب نے تعمیل ارشاد کیا۔ آپ نے زیب بدن فرما کر آئینہ وشانہ طلب فرمایا۔ اُس وقت کی سج دھج وزیبائی لباس وفرحت و شگفتگی خاطر لائق دید تھی۔ منیجر صاحب جو اپنے مکان پر تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سماع کے جلسہ

میں جاتے وقت دیکھا اور ایک دوسرے شخص سے جو اس وقت منیجر صاحب کے ساتھ گھر آئے تھے۔فرمایا کہ آج مولانا اس قدر حسین معلوم ہو رہے ہیں کہ کبھی ایسے حسین نہیں معلوم ہوئے۔

بعدہٗ حضرت سیّد شاہ صوفی جان صاحب کو بلوا کر فرمایا کہ چلئے مرزا صاحب کے یہاں ہو آویں، ورنہ مرزا صاحب ناخوش ہوں گے۔غرض کہ سیّد صوفی صاحب و سیّد شاہ واجد علی صاحب کو ہمراہ لے کر مرزا صاحب کے یہاں چلے بروقت روانگی حضرت نے مولانا مولوی حافظ حکیم محمد ولایت حسین صاحب و مولوی عبیداللہ صاحب سے فرمایا کہ تم لوگ نہ آؤ گے۔دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ وضو کر کے حاضر ہوتے ہیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذرا جلدی آنا۔جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نواب سرور جنگ صاحب کے مکان پر پہنچے مولوی مظہر حسین صاحب و مولوی غلام مجتبیٰ صاحب و دیگر حضرات موجود تھے۔کُنّو و نظیر قوال دہلی کے شاہ نیاز احمد صاحب کی کوئی غزل گا رہے تھے۔بعد ختم غزل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مستان شاہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کے واسطے گانے کو فرمایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

مست خراب غمزہ کن بادہ کش الست را
نیم کرشمہ ناز دہ نرگس نیم مست را

دیر تک اس مطلع پر کیف رہا۔جب قوال نے دوسرا شعر شروع کیا، آپ نے فرمایا کہ اس غزل کا مطلع ہی زور کا ہے۔بعد ختم غزل دوسری غزل حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی گانے کو فرمایا۔اتفاق سے وہ غزل قوال کو یاد نہ تھی، آپ نے فرمایا کوئی اور بھی ہے۔چنانچہ حقانی خاں قوال ملازم درگاہ شریف مع حیدری و غلام چشتی وغیرہ کے آئے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے حیدری کی آواز کی تعریف فرمائی کہ اچھی آواز اس کی ہے۔بعدہٗ فرمایا کہ نغمہ شروع کرو، کیونکہ صوفی صاحب کے مارنے کی چیز ہے، جس وقت نغمہ شروع ہوا تو صوفی صاحب کو اس پر کیفیت ہوئی، جس کا اثر تمام جلسہ پر طاری تھا۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود بھی مکیف تھے۔اسی حالت کیفیت میں یہ شعر قوالوں کو بتا کر فرمایا کہ اس کو گاؤ۔شعر ؎

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست
از کجا می آید ایں آواز دوست

عرصہ تک قوال یہ شعر کہتے رہے۔بعدہٗ اسی شعر کا جواب بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قوالوں کو بتایا

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست
خود بخود می آید ایں آواز دوست

اسی اثنا میں مولانا مولوی محمد ولایت حسین صاحب دام فیضہ و جناب مولوی عبیداللہ صاحب مع چند اشخاص کے تشریف لائے۔چند ساعت کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گاؤ۔قوالوں نے حضرت قطب العالم بندگی عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل شروع کی:

غزل

آستیں بر رو کشیدی ہمچو مکار آمدی
باخودی خود در تماشا سوئے بازار آمدی

در بہاراں گل شدی در صحن گلزار آمدی
بعد ازاں بلبل شدی با نالۂ زار آمدی

خویشتن را جلوہ کردی اندریں آئینہا
آئینہ اسمے نہادی خود باظہار آمدی

شور منصور از کجا و دار منصور از کجا
خود زدی بانگ اناالحق بر سر دار آمدی

ان اشعار کے مطالب انواع واقسام سے بیان فرمائے کہ قبل اس کے وہ حقائق ومعانی کم سننے میں آئے تھے اور مخاطب اس کے سیّد صوفی جان صاحب و سیّد واجد علی شاہ صاحب تھے۔ہر ہر فقرے و ہر ہر جملے کے مطالب و معانی کئی کئی طور پر بیان فرمائے، جس سے ہر شخص متاثر تھا اور ذوق حاصل کر رہا تھا۔بالآخر جب نوبت مقطع کی آئی اور قوالوں نے مقطع کا شعر کہا:

گفت قدوسِ فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کے معنی اس طرح فرمائے۔"فرمایا قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی فنا اور بقا دونوں حالتوں میں محتاج تھے نہ فنا ان کے اختیار میں تھی نہ بقا۔اس صورت میں فقیرے در فنا و در بقا صفت ہوگی اور قدوس موصوف اور مقولہ شیخ خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی یعنی ذات حق مرتبہ غیب الغیب میں سارے جہاں سے بے نیاز تھی۔اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔اور تنزل اور اظہار کمال کے مرتبہ میں خود مقید ہوگئی، جیسا کہ دوسرے شعر میں وارد ہوا کہ ؎

از تقاضائے حب جلوہ گری

آمد اندر حصار شیشہ پری

پھر ارشاد فرمایا کہ دوسرا علم اور آیا اور مقطع کو اپنی زبان فیض ترجمان سے اعادہ فرمایا۔ گفت قدوسے فقیرے الخ یعنی فرمایا قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہمہ تن فقر تھے کہ ذات مرتبہ فنا میں عالم سے آزاد تھے۔ مرتبہ بقا میں خود گرفتار ہوگئے۔ اس صورت میں فقیرے صفت ہوگی اور مقولہ شیخ درفناؤ در بقا الخ ہوگا اور خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی۔ بطور لف ونشر مرتب کے ہوگا۔ یہ مطلب تمام فرمایا اور سیّد واجد علی شاہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھ اپنی طرف کر کے اس جملہ (خود بخود آزاد) کو اپنی ذات پر تطبیق دیا اور دوبارہ ارشاد فرمایا کہ خود بخود آزاد اور سربسجود ہوگئے۔ واجد علی شاہ صاحب نے اپنی ہتھیلی پیشانی کے نیچے رکھ دیا۔ سیّد صوفی جان صاحب نے پہلو میں ہاتھ لگایا اور اپنا سر بھی پہلو سے لگا دیا۔ سجدہ میں جاتے ہی جاں بحق تسلیم ہوگئے۔ اول سب کو گمان ہوا کہ یہ حالت استغراقی ہے گانا برابر ہوتا رہا۔ دو تین منٹ بعد مولوی محمد ولایت حسین صاحب و مولوی عبیداللہ صاحب نے دیکھا اور نبض پر ہاتھ رکھا مطلق حرکت قلب و نبض محسوس نہ ہوئی۔ جب ان کو و نیز سب کو یقین ہوگیا کہ حالت استغراق یا سکتہ نہیں ہے۔ تب مولوی محمد ولایت حسین صاحب و مولوی عبیداللہ صاحب کی عجیب حالت ہوئی۔ اس صدمہ کی کیفیت کو انہیں حضرات کا دل جانتا ہے۔ مولوی عبیداللہ صاحب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ان حضرات کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگ انہیں بالاخانے سے نیچے اُتار لائے، پھر اکثر حکیم و ڈاکٹر مولوی مظہر حسین صاحب نے بلوائے۔ انہوں نے اپنے طور پر تدبیریں کیں۔ لیکن کچھ سود مند نہ ہوئی۔ بخیال سکتہ ڈاکٹر نے نشتر دیا تاکہ اس کے ذریعے سے پانی چڑھایا جاوے۔ پانی تو نہیں چڑھا بجائے اس کے خون جاری ہوگیا۔ پھر کسی طرح خون بند نہ ہوا۔ اور قبر شریف تک جاری رہا۔ بہت سی تدبیریں کی گئیں لیکن کچھ سود مند نہ ہوئیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد سول سرجن صاحب آئے اور ہر طرح سے دیکھ بھال کر کہا کہ روح اب جسم میں باقی نہیں رہی، لیکن چوبیس گھنٹے کے بعد دفن کرنا چاہئے، کیونکہ جسم نرم ہے۔ وہ نرمی قبر تک باقی رہی۔ مطلق سختی نہ آئی۔ ۸ ر رجب روز

دوشنبہ ۱۳۲۲ھ بوقت ۴ بجے دن وصال ہوا۔ بعد وصال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشین ردولی شریف و جناب نثار احمد صاحب منیجر درگاہ شریف و دیگر مشائخین موجود درگاہ شریف نواب صاحب کے مکان پر یکجا ہوکر حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی نعش مقدس کو پالکی میں رکھ کر منیجر صاحب کے مکان پر بارادہ تجہیز وتکفین لائے۔ حضرت شاہ التفات احمد صاحب و منیجر صاحب و جناب سیّد صوفی جان صاحب قبلہ و دیگر مشائخ و درویش وغیرہ اس پالکی کو اٹھا لائے۔ ہمراہ پالکی ہزاروں آدمی ہندو مسلمان کا اژدہام تھا اور ہر شخص کیا چھوٹا کیا بڑا، بے اختیار زار و قطار رو رہا تھا۔ منیجر صاحب کے مکان پر پہنچ کر کفن وغیرہ بازار سے منگوایا گیا۔ لیکن شیخ احمد مکی صاحب ایک تھان نین سکھ مکہ معظّمہ کا آب زمزم شریف سے تیار کیا ہوا لائے جو بقیمت حضرت مولانا مولوی محمد ولایت حسین صاحب دام فیضہ نے لے کر کفن تیار کرایا۔ شیخ ناصر عرب و سیّد نثار احمد صاحب منیجر درگاہ شریف حضرت خواجہ نواز و جناب سیّد صوفی جان صاحب و جناب مولوی عبداللہ صاحب انصاری پیر بھائی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ و دیگر معزز مشائخین نے مل کر غسل دے کر کفن پہنایا پھر پلنگ پر لٹا دیا۔ ایک چادر صابری رنگ کی صوفی صاحب نے اوپر ڈالی اور ایک چادر شالی سیّد رحمت علی صاحب صاحبزادہ درگاہ خواجہ غریب نواز نے ڈالی۔ جب جنازہ اٹھایا تو شور قیامت برپا ہوگیا۔ منیجر صاحب درگاہ خواجہ غریب نواز کے دل میں یکایک یہ بات آئی کہ اس وقت بھی ہمراہ جنازہ جناب مولانا رحمۃ اللہ علیہ قوالی ہونا چاہئے اور وہی غزل جس پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے گائی جائے۔ چنانچہ وہی قوال آئے اور وہی غزل پھر شروع ہوئی۔ عجب ہنگامہ محشر بپا ہوا۔ کئی ہزار آدمی ہمراہ تھے۔ بلند دروازہ سے ہوکر درگاہ شریف میں جنازہ لائے اور پائین حضور خواجہ غریب نواز کے رکھا باجازت مولانا مولوی محمد ولایت حسین صاحب نماز جنازہ حضرت شاہ التفات احمد صاحب احمدی سجادہ نشین ردولوی شریف نے پڑھائی۔ بعد نماز (ارکاٹ) کے دالان میں جو پائین میں ہے جنازہ اٹھا کر رکھا گیا۔ قوالوں نے وہی غزل گانا شروع کیا۔ ہر شخص پر عجیب حالت طاری تھی۔ نماز مغرب تک قوالی ہوتی رہی۔ بعد نماز مغرب دوبارہ مولوی شیخ محمد مکی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، کیونکہ ہزاروں آدمی نماز جنازہ

سے محروم رہ گئے تھے۔ بعدہ جنازہ کو دفن کے واسطے لے چلے۔ قوالی برابر ساتھ ساتھ ہوتی جاتی تھی۔ حضور خواجہ صاحب کے مواجہ شریف سے جنازہ کو لے کر مقام چار یاری میں لائے۔ یہیں پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف بنائی گئی تھی۔ یہ پہلی بار اور پہلا واقعہ ہے جو کسی بزرگ کے جنازہ کے ساتھ قوالی ہوئی ہو۔ کیونکہ درگاہ شریف میں سوائے خواجہ غریب نواز کے مزار مبارک کے سامنے یا سمع خانہ یا غلاف شریف کے ساتھ دوسری جگہ قوالی نہیں ہوتی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو قبر کے اندر سیّد صوفی جان صاحب و سیّد واجد علی شاہ صاحب نے اُتارا۔ جسم حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت نرم اور ہلکا تھا۔ دونوں صاحبوں نے بلا تکلف نعش مبارک کو قبر میں اُتارا۔ قبر شریف کے اندر مدینہ منورہ کی مٹی پہلے ہی سے لگائی گئی تھی۔ بعدہ قبر شریف کو مٹی دے کر درست کر دیا، اسی وقت سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر فاتحہ خوانوں کا ہجوم رہنے لگا۔ اکثر مجاذیب بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر آ کر بیٹھے بیٹھے کچھ باتیں کیا کرتے ہیں۔ ایک مجذوب صاحب معروف بہ چاچا جو مدتوں سے مقیم اجمیر شریف ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر جا کر پھول اور دو پیسے چڑھا کر بیٹھ گئے اور مزار شریف سے خود بخود باتیں کرنے لگے۔ منیجر صاحب نے مجذوب صاحب سے دریافت فرمایا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کیا باتیں کرتا تھا۔ جواباً عرض کیا کہ یہ سائیں میری بہت امانتیں لے گیا ہے۔ دیتا نہیں ہے۔ میں نے کہا جب سپاہی لاؤں گا تب تم دو گے۔ انہیں مجذوب صاحب کا ایک اور قصہ ہے کہ جس روز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف پہنچے۔ چند ساعت کے بعد مجذوب صاحب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ (سیب و پیالی) لا کر پیش کیا اور ایک چوڑی گلٹ کی اپنے ہاتھ سے اُتار کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں پہنا دیا۔ تیسرے دن فاتحہ سیوم جس جگہ پر حضرت خواجہ غریب نواز کا قل ہر چھٹی کو ہوا کرتا ہے کیا گیا۔ ہزارہا آدمی شریک تھے اور بلا تعداد ختم قرآن مجید ہوئے۔ بوجہ کثرت قرآن خوانان ترتیب تعداد ختم نہ ہوسکی۔ دس بجے دن کو فاتحہ ختم ہوا۔ بعد قل جناب متولّی صاحب و منیجر صاحب درگاہ خواجہ و دیگر صاحبزادگان درگاہ خواجہ غریب نواز نے اندر روضہ اقدس کے جناب مولانا مولوی محمد

ولایت حسین صاحب کو لے جا کر منجانب خواجہ غریب نواز دستار باندھی۔ جب دستار بندی ہو چکی منیجر صاحب کے مکان پر سب حضرات واپس تشریف لائے۔ وہاں حضرت شاہ التفات احمد صاحب سجادہ ردولی شریف و حضرت سیّد صوفی جان صاحب و دیگر حضرات نے مولوی محمد ولایت حسین صاحب کے سر پر دستار باندھی اور اکثر حاضرین نے معہ مولوی مظہر حسین صاحب و مولوی غلام مجتبیٰ صاحب نے نذریں پیش کیں۔ پھر قوالی شروع ہوئی۔ اوّل خاص چوکی قوالوں کی جو درگاہ شریف کے ملازم تھے۔ وہ قول جو بوقت فاتحہ (قل) حضرت خواجہ غریب نواز کے گایا جاتا ہے گانے لگے۔ بعدہٗ دوسری چوکی ملازم درگاہ شریف جن کے گانے میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تھا وہی غزل حضرت بندگی حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی گانے لگے۔ ان کے گانے کے بعد حاجی فرزند علی قوال حضرت رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے ہمراہیوں کے اشعار ذیل گانے لگے۔

اشعار

اے بے تو خراب زندگانی — درد تو حیات جاودانی
سکھ سمپت سب لے گئے بالم اپنے ساتھ — نگری سونی کر گئے ململ رہ گئی ہاتھ
بیدرد تو زیستن حرام است — بے یاد تو ہیچ زندگانی
دے گئے بالم دے گئے بالم ندیا کنار کنار — آپ تو پار اتر گئے بالم ہم چھانڈن منجدھار
کہاں گئے وہ بالم جن چھائی چوپار — چھادت لاگے برس ونا چھن ماں ہوگئے اُوجاڑ

اس کے بعد حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک باد گائی۔ جس کے شعر یہ ہیں:

بر تو ایں محفل شاہانہ مبارک باشد — ساقیا بادہ و پیمانہ مبارک باشد
با تو نسبت نبود ائے شہ خوبان جہاں — ای پری غمزۂ ترکانہ مبارک باشد
بر لب جوئے مصفا بہ ہزاراں انوار — لب یارو لب پیمانہ مبارک باشد
ساغر و بادہ اگر نیست بکف ساقی را — گردش نرگس مستانہ مبارک باشد
بنشیں برسر تختِ ازلی تابہ ابد — سرمدؔ ایں دولت جانانہ مبارک باشد

محفل میں شور قیامت برپا ہوگیا۔ غرضکہ مصلحتاً منیجر صاحب درگاہ خواجہ نے گانا بند

کرادیا۔ عجیب برکت کا وقت تھا جس کے دیکھنے سے آثار قبولیت حضرت مولانا مولوی محمد ولایت حسین صاحب پایا جاتا تھا۔ چار بجے شام کو مولانا مولوی محمد ولایت حسین صاحب مع ہمراہیان اجمیر اسٹیشن پر تشریف لائے اور آٹھ بجے شب کو روانہ ہوئے اور بروز جمعہ سات بجے صبح الہ آباد پہنچے۔ فقط۔

آپ کے وصال کے بعد بہت سی تحریریں متعلق تاریخہائے وصال شائع ہوئیں جن میں سے خان بہادر مولوی زین العابدین صاحب مرحوم، ڈپٹی کلکٹر کا وہ خط درج کرتا ہوں جو آپ نے مولوی مجتبیٰ صاحب مرحوم کو تحریر کیا تھا اور جسے جناب مولوی طفیل احمد صاحب عارف بدایونی نے شائع کیا تھا۔

نقل اعلان شائع کردہ جناب عارف بدایونی نے شائع کیا تھا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ حضرت امام الموحدین فخر الواجدین بحر الحقائق حاجی صوفی حافظ حکیم مولانا شیخ محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بتاریخ ۸؍رجب ۱۳۲۲ھ بمقام اجمیر شریف کچھ اس طور سے واقع ہوا کہ بعد حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے عرفا میں سے کوئی بزرگ متوجہ رفیق اعلیٰ کی طرف اس طرح نہ ہوئے ہوں گے۔ بین و بدیہی رحلت آنجناب کی جلسہ سماع میں اس وجد و کیفیت کے ساتھ خود دلیل علو مراتب ہے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب علیہ الرحمۃ کی غزل ؎ آستیں برروکشیدی ہمچو مکار آمدی۔ قوال گارہے تھے۔ حضرت ہر شعر کی شرح فرماتے تھے۔ محفل پر خاص حالت طاری تھی۔ جب مقطع پر پہنچے کہ ؎

گفت قدوس فقیرے در فناؤ در بقا — خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

الفاظ خود بخود آزاد کی تکرار فرمائی اور نفس نفیس کی طرف اشارہ کیا۔ تیسری دفعہ ادا فرمانا چاہتے تھے کہ سربسجدہ ہو گئے اور آناً فاناً منزلِ مقصود پر جا پہنچے۔ متعدد خطوط تعزیت کے میرے معائنہ سے گزرے۔ منجملہ ان کے ایک خط خان بہادر مولوی زین العابدین صاحب صدر الصدور پنشنر کا جو انہوں نے اپنے بھائی جناب مولوی غلام مجتبیٰ صاحب گورنمنٹ پلیڈر ہائی کورٹ الہ آباد کے نام لکھا ہے وہ اور اس کا جواب قابل اشاعت سمجھتا ہوں۔ ناظرین پڑھ کر خود اندازہ مراتب فرمالیں

گے۔ فقیر طفیل احمد عارف بدایونی گرد اور درگاہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف۔

علی گڑھ — ۲۲ستمبر ۱۹۰۴ء

برادرم لخت جگرم قوت بازو یم سلّمہ تعالیٰ

بعد دُعا کے واضح ہو کل کے روز قریب بارہ بجے کے ولی حسین معہ اپنے اہل خانہ وسب لڑکوں کے یہاں پہنچے۔ سب کے سب علیل پائے گئے اور ولی حسین کی علالت تو سخت پائی جاتی ہے۔ خدا رحم کرے ان سب کی زبانی کیفیت سانحہ انتقال حضرت شاہ حاجی مولوی محمد حسین صاحب معلوم ہو کر سخت رنج وصدمہ اس درجہ ہوا کہ جس کی تشریح نہیں ہوسکتی۔ میں نے اسی وقت دیوان حافظ جو میرے سامنے رکھا ہوا تھا اٹھا کر حافظ صاحب علیہ الرحمہ سے یہ سوال کیا کہ آپ مولوی محمد حسین صاحب کی کیفیت سے آگاہ کیجئے کہ ان کی کیا حالت تھی اور کیا ہوئی اور اب کیا حالت ہے۔ چنانچہ یہ غزل جو اس خط کے ساتھ شامل ہے اوّل صفحہ پر پوری نکلی اور چونکہ تمام اشعار اس غزل سے مولانا مرحوم کی سوانح عمری اور ان کے خاتمہ کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس غزل کی نقل آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور اسی وقت جو میں نے غور کیا غزل کے مقطع کا مصرعہ ثانی ان کی تاریخ وفات کے لئے نہایت موزوں پایا گیا اور بہ مدد روح مقدس حافظ علیہ الرحمہ کے میں نے اس مصرع میں تین مصرعہ اور ملا کر تاریخ ان کی وفات کی بھی لکھ دی جو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ افسوس ہے کہ جو کچھ نسبت و واسطہ درمیان میرے اور مولوی صاحب مرحوم کے تھا اس سے کوئی واقف نہیں ہے۔ آخر میں آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ چندروز آپ مقامات مختلف پر سفر کر کے دل کو بہلایئے ورنہ حالات موجودہ زیادہ دیر قائم رہنا موجب نقصان ہوگا۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ اور چونکہ اب میں خط اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتا ہوں۔ لہٰذا دوسرے سے لکھوایا گیا ہے۔ غزل حافظ شیراز بروقت دیدن فال انتقال حضرت حاجی صوفی شاہ مولوی محمد حسین مرحوم۔ از دیواں شاں برآمد۔

زاہد خلوت نشیں دوش بہ میخانہ شد — از سر پیماں گذشت بر سر پیمانہ شد
شاہد عہد شباب آمدہ بودش بخواب — باز بہ پیرانہ سر عاشق و دیوانہ شد

مغبچۂ میگذشت راہزن عقل و دیں   درپئے آں آشنا از ہمہ بیگانہ شد
آتشِ رخسار گل خرمن بلبل بسوخت   چہرۂ خندان شمع آفت پروانہ شد
گریۂ شام وسحر شکر کہ ضائع نگشت   قطرۂ باران ما گوہر یک دانہ شد
نرگس ساقی بخواند آیت افسونگری   حلقۂ اوراد ما گردش پیمانہ شد
صوفی مجلس کہ دی جام وقدح می شکست   دوش بیک جرعہ مے عاقل وفرزانہ شد
منزلِ حافظؔ کنوں بارگہ کبریاست   دل برِ دلدار رفت جانبر جانا نہ شد

قطعہ: تاریخ انتقال پرملال حضرت شاہ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم کہ ازمصرعۂ ثانی مقطع غزل حافظؔ علیہ الرحمہ تدخلہ الفاظ ''باب دلم'' یعنی ہندسہ ۹۷۔ ۱۹۰۴ء برآمد شد۔

صوفی صافی نہاد شاہ محمد حسین   فانی فی اللہ گشت از ہمہ بیگانہ شد
حافظؔ خوش خواں ندا کرد بہ بابِ دلم   دلبر دلدار رفت جان برجانا نہ شد

۱۹۰۴ء

اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے اعلانات اس زمانہ میں شائع ہوئے تھے۔ جن میں آپ کے فضائل اور تاریخہائے وصال وغیرہ درج تھے۔ ان کو میں اختصار کے خیال سے ترک کرتا ہوں اور صرف ایک رباعی پر اس باب کو میں ختم کرتا ہوں۔ (جو جلسہ رجبی شریف میں جناب شریف میں جناب مولوی زین العابدین صاحب مرحوم نے ارشاد فرمائی تھی)۔

دریں ویرانۂ دنیائے فانی   رسیدی در بہشت جاودانی
پئے تاریخ تو حوراں بگفتند   امام المسلمین شیخ جہانی

۱۳۲۲ھ

تاریخہائے انتقال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

(از جناب کلیم صاحب)

آں محمد حسین مفتی دیں (۱) آفتاب یقین و شرع متیں

حافظ و حاجی و حکیم و ولی   افتخارِ جمیع مجتہدیں
از رجب ہشتم و دوشنبہ بود   کہ سفر کرد ازیں جہانِ حزیں
عین در وجد از سماع شدہ   روح او جلوہ گر بہ علییں
مولد و مسکنش الہ آباد   مدفن اجمیر افتخار زمیں
ہاتف غیب سال نقل کلیمؔ   گفت ہادی و شمس خلد بریں

۱۳۲۲ھ

جہاں تاریک شد از رحلت مولانا وادردا (۲) بشد از دین و دنیا نور فضل و رونق خوبی
کلیمؔ اجماع تاریخیں بہر سال نقلش ہیں   خسوف ماہ درویشی غروب ماہ محبوبی

۱۳۲۲ھ   ۱۳۲۲ھ

باغ فردوس تو مولانا سے آباد ہوا (۳) مگر افسوس کہ ویراں ہوا باغِ عرفا
آپ کی ذات سے تھا فخر ہر اک عارف کو   اب کہاں وہ گل و بو اور وہ دماغ عرفا
آپ کے واصل حق ہونے کی تاریخ کلیمؔ   عیسوی سال میں ہے چشم و چراغ عرفا

مرے پیر خواجہ کے دیس میں ہوئے عین وجد میں جان بحق
یہ کمال شان حضور ہے یہ عجیب راز و نیاز ہے
جو کلیمؔ سال وصال کی ہوئی فکر مجھ کو تو غیب سے
یہ ندا ہوئی کہ سن الم ولی غریب نواز ہے

۱۳۲۲ھ

اِنَّ لِلْبَیَان لیسحراً

مولانا کی تصنیفات

-:☆مکتوبات،ملفوظات اورادبی جواہر پارے ☆:-

مواعظ حسنہ

و

منظومات فارسی

مقدمہ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں صرف فرمایا۔آپ کے مشاغل زیادہ تر علمی ہی رہتے تھے۔اس سلسلے میں آپ کی مختلف تصنیفات موجود ہیں۔ چونکہ عامۃ الناس کومخاطب کرنے کی ضرورت زیادہ پیش آتی تھی۔اس لئے زیادہ تر آپ اُردوزبان ہی میں تحریر فرماتے تھے۔

جہاں تک اُردو نثر کا تعلق ہے اس میں آپ کو ہرقسم کی عبارت کے نمونے ملیں گے۔ آپ کے ہمعصر خواجہ غلام غوث بینجرؔ، مولوی غلام امام شہیدؔ، اور شاہ امین الدین قیصرؔ تھے۔ مؤخرالذکر کے دیوان پر آپ نے جوتقریظ تحریر فرمائی ہے وہ ادبی حیثیت سے عدیم المثال ہے۔ اپنی تبحر علمی کی وجہ سے آپ مسجع مقفع، رنگین وسادہ ہرقسم کی عبارت لکھنے پر قادر تھے۔آپ کی تحریروں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ عربی داں مصنّفین کی طرح الجھی ہوئی اور پرانی ترکیبوں کو بالکل ترک کرچکے تھے۔اور باوجودیکہ بعض دفعہ آپ نے مقامات حریری اور بدیع الزماں کے طرز پر مضامین لکھے ہیں۔لیکن اردو کے ماہرین ان مضامین میں تعقید لفظی نہ پائیں گے۔آپ کی تحریر کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ مضامین میں تصوف وفلسفہ کو اتنے عام فہم اور سلیس مضامین میں ادا فرمایا ہے کہ بڑے بڑے ادباء بھی اس طرح مشکل سے ادا کرسکتے ہیں۔

فارسی میں آپ کی عبارتیں بہت بلند پایہ ہیں اور جوغزلیں آپ نے تحریر فرمائی ہیں ان سے آپ کی قادرالکلامی ہی کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جذبات کوان کے خدوخال کی خوبیوں کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح صفحہ قرطاس پر منقش کیا جاسکتا ہے۔

ان اشعار اور رباعیات کے علاوہ کچھ فارسی خطوط بھی ہیں جومکتوبات کے سلسلے میں درج کئے جائیں گے۔انشاء فارسی ایک مستقل کتاب آپ نے تحریر فرمائی ہے جس کا پتہ مولانا حکیم فخرالدین صاحب جعفری سے معلوم ہوا،مگر وہ موجود نہیں ہے۔اسی طرح آپ نے پنج رقعہ کا

جواب تحریر فرمایا تھا۔ جس میں صرف چار رقعے تھے اور جسے آپ نے اپنے زمانۂ قیام لکھنؤ میں ایک پرانے کاغذ پر لکھوا کر خواجہ عزیز الدین صاحب کو دیا جو اسے کسی قدیم آدمی کا رقعہ سمجھے اور بہت تعریف کی۔ اس کے بعد رائے قرار پائی کہ مفتی میر محمد عباس صاحب کے پاس چل کر ان سے دریافت کیا جائے کہ کس شخص کا یہ کلام ہوسکتا ہے۔ مفتی صاحب میں یہ ملکہ تھا کہ مختلف اساتذہ کے کلام اگر مختلط کر کے ایک جگہ رکھ دیئے جاتے تو وہ اپنے ذوق سلیم کی وجہ سے ہر کلام کو اُس کے صحیح مصنف کی جانب منسوب کر دیتے۔ چنانچہ جب یہ حضرات پہنچے تو مفتی صاحب اُس تحریر کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ محمد حسین تم مجھے دھوکہ دیتے ہو۔ اس کا مسودہ خواجہ صاحب ہی کے پاس رہا۔

عربی میں آپ نثر و نظم دونوں تحریر فرمایا کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی عربی آپ نے لکھی۔ مقامات حریری اور بدیع کے طرز پر اکثر تحریر فرماتے۔ اور ابن مقفع کا طرز بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔ نظم کا ذخیرہ اکثر معدوم ہوگیا۔ مختلف کتابوں میں کچھ اشعار ملتے ہیں۔ چنانچہ جو تصانیف آپ کی موجود ہیں۔ اُن میں کثرت سے عربی اشعار اور نثر کے جملے موجود ہیں۔ ضیاء القلوب کا پورا مسودہ مل گیا اور مطبوعہ شکل میں ہے۔ کتابت کی طرح عربی خطابت اور مکالمہ کی خوبی بھی خاص طور پر آپ کو عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ استاذی امام المتأخرین حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خاکسار سے بیان فرمایا کہ مولانا میرے یہاں مقیم تھے۔ ممالک عربیہ کے ایک سیاح جو بہت متبحر عالم تھے، میرے یہاں آئے اور حسن اتفاق سے مولانا نے اُن سے مختلف علمی مسائل پر گفتگو کی۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ تک برابر ایک قافیہ پر مقفع جملوں میں گفتگو کرتے رہے۔ نہ آپ کے علوم میں کمی ہوئی نہ آپ کے ذخیرۂ الفاظ میں کمی نظر آئی۔ وہ سیاح حیران ہو کر مجھ سے کہتے تھے کہ میں ایسے قابل شخص سے اب تک نہیں ملا۔ ضیاء القلوب کو عربی میں ترجمہ مع شرح کے جو کافی ضخیم کتاب تھی، ضیاء القلوب مل گیا ہے۔ (مگر پورا مسودہ مع مطبوعہ نسخوں کے مفقود ہوگیا) رسالۂ مقولات عشر رسالہ در بیان مثناۃ بالتکریر، شرح میزان البلاغت مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تک۔

اردو تصانیف متعدد ہیں جن میں بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض کے مسودے ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کی صرف خبر معلوم ہے۔

وہ کتابیں جو مفقود ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) سماع کے متعلق دو رسالے ہیں جس کے آخر میں اپنے مسلک کی وضاحت بھی کی ہے۔

(۲) دوازدہ مجلس۔

(۳) ترجمہ عشرہ کاملہ۔

(۴) ہادی الامم الی ارض الحرام۔

(۵) قیادت نامہ۔

(۶) دیوان اُردو جو آپ کے دوست ڈاکٹر میر باسط علی صاحب کے بعض خاندان والوں نے ترتیب دیا تھا باوجود بڑی کوششوں کے حاصل نہ ہوئے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تصانیف ہیں جن کا تذکرہ آپ نے اس خط میں فرمایا ہے جو آپ نے مکہ معظّمہ سے اپنے صاحبزادے کے نام لکھا (جو حالات کے سلسلے میں درج ہے)

وہ تصانیف جو موجود ہیں ان کے میں نے دو حصے کر دیئے ہیں۔ ایک وہ تصانیف جو مستقل کتاب کی حیثیت نہیں رکھتیں، جن کو میں حالات کے ضمن میں درج کرتا ہوں۔

دوسری وہ جو طبع ہو چکی ہیں مگر سوا دو ایک نسخوں کے اب وہ نہیں پائی جاتیں۔

وہ تصانیف جو بضمن حالات درج کئے جاتے ہیں

ملفوظات و مکتوبات

ملفوظ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو بولی جاتی ہیں۔ لیکن علمی اصطلاح میں تمام وہ جملے جو کسی بڑے شخص کی زبان سے (چاہے وہ مذہبی شخص ہو یا سیاسی یا علمی) سنے جاتے ہیں اور اس کے متبعین اُسے ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔ ملفوظات کہلاتے ہیں۔ صوفیا نے ملفوظات کو تحریر میں لانا خاص طور پر اپنا شیوہ قرار دے لیا ہے۔ اس لئے کہ ہر صوفی رات و دن جتنی باتیں کرتا ہے وہ سب

اس کے مریدین کے لئے کسی نہ کسی نہج سے مفید ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر بزرگ کی سوانح میں ملفوظات کا خاص باب قائم ہوگیا۔ مولاناؒ کے زیادہ اوقات درس و تدریس اور تصنیف کتب میں صرف ہوتے تھے۔ اس لئے خطوط، مضامین اور تصانیف کی صورت میں مولانا کے ملفوظات زیادہ پائے جاتے ہیں بہ نسبت گفتگو کے۔

چنانچہ پہلے مکتوبات درج کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کلمات و ارشادات درج ہوں گے۔

خط بنام حضرت صوفی جان صاحب رحمتہ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب مرادآبادی کے خلفاء میں سے تھے، جن کا مزار برہانپور برار میں ہے۔ آپ مولانا کے خاص دوستوں میں تھے اور اصلاح حالات صوفیہ کے بہت دلدادہ، صاحب سماع اور صاحب وجد تھے۔ حالت سماع میں آپ کی حالت خراب ہوئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہنے کے بعد برہانپور برار میں آپ نے وصال فرمایا۔

مکرمی و معظمی سیّدی وسندی دامت برکاتکم۔

تسلیم۔ دو قطعہ کارڈ عنایت نامہ آپ کے اس ماہ مبارک میں پہنچے۔ مگر کچھ ایسا از خود رفتہ تھا کہ جواب لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ حالانکہ دل بھی چاہتا تھا کہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ آپ سے باتیں کروں اور مضامین بھی قابل عرض بہت تھے۔ مگر کچھ تو عدیم الفرصتی کچھ کسل طبع مانع ہوئے۔ اب دیکھا کہ یہ مقدس مہینہ گزرا جاتا ہے اور آپ سے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے آج کچھ گزارش کرتا ہوں۔ لیکن جو گزارش کرتا ہوں وہ محض دیوانہ پن کا سا خیال، ہسٹری سودائیوں کی سی بڑہ ہے۔ میری کیفیت رمضان شریف کے اول سے بہت اچھی رہی، گو علالت طبع سے ہر روز کھٹکا رہتا تھا کہ آج کچھ نہ ہوسکے گا۔ مگر مالک نے سارے کام اُمید سے زائد کردیئے۔ کبھی کبھی قبض شدید ہوتا تھا، اس سے تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ کل سے اس وقت تک سخت قبض میں گرفتار ہوں۔ جس دن آپ کا خط آیا اس دن سے قبض میں مبتلا تھا۔ رات کو تہجد میں قرآن پڑھتا تھا، اس وقت کے قرآن میں محض یہ عرض ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ زبان پر

جاری ہوں۔ متبرک مقصود بھی ہوتا اور ہو بھی نہیں سکتا۔ ان الفاظ میں تجلی لفظی اور متکلم کے ناطق اور سامع ہونے کا ملاحظہ کلمات قرآنی کو میری زبان سے بلا ارادہ جاری رکھتا ہے۔ سپارہ دو سپارہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ فلاں سورہ پڑھ رہے ہیں۔ عالم شعور اور تدبیر میں آیا تو اکثر بھول جاتا ہوں اس ملاحظہ کا ذوق کسل اور تعب کو آنے نہیں دیتا۔ اس شب کو شدت قبض کی وجہ سے ملاحظہ ٹھیک نہیں بندھتا اور پڑھنے میں بے لطفی ہوتی تھی۔ دفعتاً آپ کے خط کے الفاظ نظر کے سامنے آ گئے اور اس میں نقش رحمانی کا لفظ تھا۔ معاً الفاظ قرآن شریف کے نقش رحمانی کے ساتھ نسبت ذہن میں جو آئی تو انتہا کا ذوق پیدا ہوا اور سارا قبض رفع ہوگیا۔ اُس ذوق کی کیفیت طلوع آفتاب تک رہی۔ ابتدائی مہینے سے جو عنایتیں اس سال ہوئیں اس میں سے کسی قدر ایک علیحدہ پرچہ پر لکھ کر بھیجتا ہوں اور کسی قدر ملاقات کے وقت عرض کروں گا۔ اس پرچہ کو آپ ملاحظہ کرکے چاک کر ڈالئے گا۔ اسرار اور علوم کا بھی فیضان اس کے کرم سے بہت کچھ ہوا۔ خیر یہ باتیں تو معاملات کی ہیں۔ اب جی چاہتا ہے کہ کچھ باتیں اپنی مذاق کی عرض کروں۔ ایک دن یہ بات خیال میں آئی کہ وجد و حال ایک ذائقہ اور لذت ہے۔ جس سے انسان دُنیا میں متمتع ہوتا ہے۔ متملذات اور متمتعات دنیاوی نہ آخرت کے لئے مفید نہ تقرب الٰہی کا ذریعہ کہ اگر شکر یہ نہ ادا کیا جائے اور اس کے ادائے حق میں کمی کی جائے تو مثل اور نعمائے دنیاوی کے قابل باز پرس ہے اور پھر احتمال ہے کہ ''لَتُسئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیمِ'' اور ''اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا'' کے تحت میں داخل نہ ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ نتائج ذکر میں سے ہے مگر ذکر الٰہی کو بغرض حصول لذت کے کرنا ایسا ہے جیسا عمل کرنے والے اسمائے الٰہی کو تسخیر خلائق یا اور منافع دنیاوی کے غرض سے پڑھتے ہیں اور ان پر وہ منافع مرتب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اہل اللہ کے نزدیک نہ وہ منافع قابل اعتبار نہ وہ ذکر قابل شمار۔ لیکن یہ بات محض دل میں گزری تھی۔ کلام کی تائید ضروری تھی۔ اس لئے عوام اور حقیقت ناشناسوں کی نظر میں وجد و حال سرمایہ کمال ہے۔

دادا صاحب کی تصانیف میں جو دیکھا تو وجد و حال کی بہت مذمت لکھتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر کے مدح میں ہمیشہ یہ کلمہ تحریر فرماتے ہیں کہ از وجد و حال بری شیخ محی الدین غزنی'' اور

ادھر سیّد الطائفہ جنید بغدادی کا قول ہے کہ ''**استغراق الوجد فی العلم خیر من استغراق العلم فی الوجد**'' جس کا حاصل یہ ہے کہ علم و معرفت اگر وجد و حال پر غالب ہو تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے وجد و حال علم پر غالب ہو۔ حضرت جد امجد نے انفاس الخواص میں اس قول کی بڑی شرح لکھی ہے۔ حضرت مخدوم راز و نیاز ابوسعید خراز کا قول ہے (نفحات میں) **الوجد یطرب من فی الوجد راحته والجد عند وجود الحق مقصود۔ وقدکان بطربنی وجدی فاذھبنی من رویة الوجد من فی الوجد مقصود**۔ مناقب العارفین میں ہے کہ حضرت مولانا سید برہان الدین محقق (حضرت مولانا جلال رومی کے مرشد) فرماتے ہیں کہ حالم را بہ شیخ صلاح الدین رابخشیدیم وقالم را بمولانا جس کا انجام یہ ہوا کہ شیخ صلاح الدین حضرت مولانا کی خدمت میں آ کے مستفید ہوئے اور خلافت اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ اکبر کے چند اقوال اس کے مطابق میں نے نکالے ہیں۔ اُس میں وجد و حال کی خوب توضیح ہوتی ہے۔ آپ کی خدمت میں لکھ کر بھیجتا ہوں۔ آپ اُس کو کہیں درج کر لیں گے۔ یہ میرے پاس گم ہو جائیں گے۔ فتوحات کے باب چہارم میں ہے (**فقد قیل لمن ادنیٰ جوامع الکلم** الخ) اس کے بعد ایک طویل عبارت ہے جس میں حضرت شیخ اکبر نے وجد و حال کے متعلق تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ (مؤلف)

یہ تو حال اور مقام کی نسبت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات طیبات تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے خیال کے مطابق نکلے اب ایک دوسری بات اور عرض کرتا ہوں جو محض اپنی واردات سے ہے۔ موجودات کو ذات حق کے ساتھ دو قسم کا ارتباط نظر عقل اور شرع میں سمجھنا چاہئے۔ ایک بواسطہ جس طرح سلسلہ ترتیب اور وسائط میں ہے کہ اوّل قلم پھر لوح پھر عرش پھر کرسی پھر سموات پھر عناصر پھر موالید پھر انسان و علیٰ ہذا القیاس دوسرا ارتباط بلاواسطہ ہے جس کی خبر جا بجا قرآن و حدیث میں معیت احاطہ ظاہری و باطنی کے ساتھ دی گئی۔ قرآن میں ہے ''**اللہ معکم این ما کنتم** (ترجمہ خدا تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہوں) مَا یَکُونُ مِنْ نَجْویٰ ثَلٰثَةٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ۔ (ہر تین آدمی جو آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں ان میں چوتھا خدا ہوتا ہے)

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم خدا بندہ کے رگ ورید سے زائد قریب ہیں) وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیط۔ (ترجمہ: خدا ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے) اور ارتباط حق ہر موجود کے ساتھ ثابت ہے۔ ناقصین اس کو نہیں سمجھتے اور نادانی کی وجہ سے اس ارتباط کے ذوق سے محروم رہ جاتے ہیں۔ صاحب ذوق سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ محققین اس ربط خاص کو وجہ خاص کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں۔ فلاسفہ اس کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے واجب کو ممکن کے ساتھ کوئی ارتباط بلاواسطہ نہیں۔ لیکن اس انکار کی وجہ خاص ان کے پاس بجز عدم علم کے کچھ نہیں۔ ہاں بعضے موحدین اور محدثین بھی اس معیت کو معیت ذاتی نہیں سمجھتے بلکہ معیت علمی اور قدرتی خیال کرتے ہیں۔ ان کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وجود معیت ہر ممکن کے ساتھ مان لی جائے تو ذات حق کا ''قاذورات'' (گندی چیزیں) کے ساتھ متلوث ہونا لازم آتا ہے۔ لیکن اگر کیفیت اتحاد کی سمجھ میں آ جائے تو یہ معیت بھی کس قدر ذہن نشین ہو اور وہ شبہ بھی رفع ہو جو اہل حق کے نزدیک اتحاد عبادت ہے تجلی حق سے ماہیات ممکنہ و غیر مجعولہ (مخلوق) پر جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں جو مرأت ظہور حق ہیں۔ ظہورات علمی میں اور وبور ممکن عبارت ہے وجود حقیقی کے متمیز اور متعین ہونے سے کسی مرتبہ ظہور میں احکام اعیان ثابتہ کے ساتھ متلوث ہو کر جس کو حقائق ممکنات کہتے ہیں وجود حقیقی کے حقائق ممکنہ میں ظاہر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی ممکن کے شرائط ظہور پورے ہوئے اس کو ایک نسبت خاص مجہول الکیفیت وجود ظاہر کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے جو بمنزلہ آئینہ کے ہے باطن وجود کہئے۔ اور اسی مناسبت کی وجہ سے ظاہر وجود پر عکس اس عین ثابت کے احکام کا پڑتا ہے اور اس انعکاس کی وجہ سے ظاہر وجود اس کا ان احکام کے ساتھ ملوث نظر آتا ہے اور اس میں اسماء و صفات حسب تقاضہ عین ثابت ظاہر ہوتے ہیں جب وجود خارجی محض ظاہری وجود سے عبارت ہے تو احکام و آثار اعیان ثابتہ سے منصبغ ہوئے اور اقتران اور محبت اسی کا نام پڑا کہ جو نسبت وجود اور ماہیات کے درمیان میں ہے اور جو خارج میں ظاہر ہوئی اور احکام خارجیہ بتقاضائے عین ثابت اس پر مترتب ہوئے اور وجود حقیقی نہ اس کے لئے عارضی ہے نہ معروض اور یہ معیت نہ اس قسم کی معیت ہے جو دو جوہر یا دو عرض یا ایک جوہر ایک عرض کے درمیان میں ہوتی ہے بلکہ بلاتشبیہ اس قسم کی

معیت ہے کہ جو ماہیت کو اپنے افراد کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ جو ہر اعیان کو اپنے منشاء کے ساتھ ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس ماہیت کے ظاہر ہونے کے پیشتر ماہیت متصف بہ قاذورات نہ تھی اور یہ سب احکام ظہور نسبت کے ہیں پس تلطخ اور تلوث کیسا؟ اور موٹی بات یہ ہے کہ تلوث خاص احکام کثیفہ سے ہے۔ وجود واجب نور السموات والارض، اس میں تلوث کا کیا ذکر؟ دوسرے قاذورات نسبیہ امور میں سے ہیں۔ بعض کی نسبت قابل رغبت اور بعض کی نسبت قابل نفرت۔ وجود حقیقی نسبت اور اضافات سے بری جو شخص اس شبہ سے محبت ذاتی کا منکر ہے۔ حقیقت محبت کو نسبت جسمانی پر قیاس کرتا ہے۔ ہاں ذاتِ حق مرتبۂ ذات میں تمام نسبتوں سے بری۔ جملۂ اعتبارات و تعینات سے فوق ہے۔ اس مرتبہ کسی نہ کسی کا اس پر حکم دے سکیں نہ کوئی شے اس کے لئے ثابت کرسکیں۔ وہ مجہول الکیفیت ہے۔ عدیم الوصففا قد المتعین۔ جب تک متعین نہ ہو کسی شے کی مُثبت لہٗ یہ محکوم علیہ کیوں کر بن سکے۔ وہاں نہ اسم نہ رسم۔ ہاں ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص کسی شے کو بذریعہ عقل یا حس یا خیال یا وہم دریافت کرے معلوم خلق ہو یا حق اگر اس کا ادراک حسی یا خیالی یا وہمی تک محدود رہا تو فی الحقیقت ادراک کما ینبغی نہ ہوسکا۔ اس لئے کہ متعین عارضی التعین میں لاتعین کا مرتبہ ضروری ہے۔ خلق کے ادراک میں اگر معلوم متعین ہے۔ اور ادراک کی انتہا فقط تعین تک رہے تو ادراک پورا نہیں ہوا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر حق کو متعین بصفات پاکر رک گیا اور لاتعین تک رسائی نہ ہوئی تو بھی ادراک ناقص رہا جب تک یہ نہ جانے کہ اس متعین کے مافوق ایک اور مرتبہ ہے۔ مراتب ذات اور اطلاق محض کا جہاں اسم و رسم معدوم ہے تو حقیقت میں ادراک پورا نہیں ہوا لیکن اس لاتعین کا ادراک عقل سے فہم سے خیال سے سب سے بالاتر ہے۔ ہاں کسی قدر ذوق کے ذریعہ سے دور سے اس کا پتہ لگتا ہے لیکن یہاں حرام ہے۔ اس قدر تنبیہ کی جاسکتی ہے کہ ذات حق جب وجود محض ٹھہری تو لامحالہ جمیع کمالات سے متصف ہوگی اور جیسے ایک ایک کمال اُس کے اوصاف میں ہے موصوف خالی عن اعتبار ذات الوصف کا خواہاں۔ اسی طرح اتصاف بجمیع کمالات بھی ایمن عن الاوصاف ہوگا۔ اس کے لئے بھی ایک مثبت لہ کی ضرورت ہوگی یا یوں سمجھئے کہ جب ذات حق منشاء تمام تعینات ہے۔ اور ذات

محض بحیثیت اطلاق اس سے منزہ ہے کہ اس کے لئے کچھ ثابت کرسکیں۔ کوئی اعتبار اس کے ساتھ لگاسکیں تو تعینات کا انتساب اس کی طرف کسی نسبت خاص سے ہوگا اور یہ بھی ظاہر کہ تعینات کثیر ہیں اور کثرت دہر کا مرجع وحدت ہے تو ہر تعین کے لئے جس کی وجہ سے انتساب اسماء صفات کا ذات حق کی طرف ہوتا ہے یہی مرجع کسی ایسی تعین کی طرف ہوگا جس کے مافوق بجز لاتعینی کے کوئی تعین بھی ہے اور وہ تعین واحد محض ہوگا اور سارے اضافات اور اعتبارات اور تعینات تعدد کی حیثیت سے وہاں منقطع ہوں گے۔ بجز اپنی ذات تعین کے کسی اسم و رسم کے ساتھ متعین نہ ہوگا اہلِ عقل اگر کشف صحیح نہ رکھتے ہوں تو اسماء صفات اپنے حوصلہ عقل و فہم کے مناسب ادراک کرتے ہوں گے جہاں تک ان کے عقل کی رسائی ہوگی تو لامحالہ ان اسماء وصفات کا جو تعدد کے مرتبہ میں ہیں ایک سرمنشاء متعین خاص اُن کے بھی سمجھ میں آجائے گا اور سرمنشا تمام اسماء وصفات جزیہ کے اعتبار سے اقرب الیٰ الاطلاق ہوگا اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آیۃ کریمہ اِلیٰ رَبِّکَ الْمُنْتَہیٰ میں عطایائے الٰہیٰ یا ذاتیہیں یا اسمائی۔ اگر عطایا کی نسبت ذات کی طرف قوی ہے تو عطایائے ذاتی کہلائیں گی نہیں تو عطایائے اسمائی۔ عطایائے ذات بے حساب ہیں اور عطایائے اسمائی بحساب۔ اور چوں کہ فیضان ادھر سے باعتبار مناسبت کے ہوتا ہے۔ اس لئے جو مناسبت ہوگی عطا بھی ویسی ہوگی۔ اور اسی کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔ **ھٰذا عَطَآؤُنَا فَامنُنْ اَوْ اَمسِک بِغَیرِ حِسابٍ۔ یُرزَقُونَ فِیھَا بِغَیرِ حِسابٍ۔**

ہاں ایک اور امر قابل گزارش ہے جس کی زمانہ میں بڑی ضرورت ہے افکار صوفیہ کے تعلیم میں سعی بلیغ کی جائے اول تو اذکار کے جاننے والے ناپید ہوتے ہیں دوسرے اذکار سے روکنے والے بکثرت موجود ہیں۔ اور ہوتے جاتے ہیں طالبین دنیا و علمائے رسوم اذکار کو بعضے فضول بعض ناجائز۔ بعضے مفر دنیا۔ بعضے مضر صحت سمجھ کر خود بھی رکتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اس لئے مشائخ یہ سمجھاتے ہیں کہ ذکر کی حاجت نہیں۔ اللہ اللہ کرنے کی ضرورت نہیں شیخ کا تصوّر کرلو۔ بزرگوں کا غلام اپنے تئیں سمجھتے رہو زیادہ مشققت کی ضرورت نہیں یہ لوگ ناقص ہیں جو رات دن اللہ اللہ کرتے ہیں اور مراقبوں میں ذکر جہر درود شریف اور قرآن کی تلاوت کرتے

ہیں۔سرکھپاتے ہیں۔اس کی ضرورت نہیں۔صرف گانا سُن لیناکسی بزرگ کا مرید ہوجانا کافی ہے۔تیسرے اذکار ایسے غلط شائع کئے ہیں کہ بزرگوں کے بھی خلاف،شریعت کے بھی خلاف، اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ سچّے طریقے ذکر کے بتائے جائیں۔جو فلسفی خیالات سے مشکوک اور اوہام دل میں ڈالنے والے اسباب عالم میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں ان سے نجات کی کوئی صورت بجز اُس کے معلوم نہیں ہوتی کہ نور ذکر قلوب میں بٹھادیا جائے اور ذکر کی طرف لوگوں کو ہمت دلائی جائے۔جس سے اطمینان قلبی حاصل ہو۔اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنَّ الْقُلُوْبُ۔(ترجمہ یقینی صرف خدا کے ذکر ہی سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔"بذکر اللہ" افادہ حصر کے لئے مقدم فرمایا۔چوتھی محفل طعن انقالازمی ہے۔نیت میں خلوص ہونا چاہئے۔جولوگ ذی فقر اور فقراء کی جماعت میں معدود میں اور پھر اُمّت محمدیہ کو اس نسبت کے پیدا کرنے کی طرف توجہ دلانے میں کوشش نہ کریں تو خلق کے نزدیک بھی محل طعن اور خالق کے نزدیک بھی لائق باز پُرس ہوگئے ہیں۔پانچویں ذکر ایسی چیز ہے کہ اب اُس کی ضرورت مبتدی متوسط اور منتہی سب کو ہے اور ذکر ہی ایسی چیز ہے کہ جس میں کثرت کرنے کا حکم ہے۔چنانچہ حضور سرور کائنات ﷺ بھی اسی حکم کے مامور ہیں۔واذکر ربک (اپنے پالنے والے کو یاد کرو)۔اور اُذکُرُوا اللّٰہ ذکراً کثیراً (اللہ کو بار بار یاد کیا کرو۔چھٹی حضور سرور کائنات ﷺ نے ذکر کرنے کی (خصوصاً حلقہ کرکے ذکر کرنے کی) ترغیب دی ہے۔فرمایا۔**واذا مروا بریاض الجنة فارکعوا فیھا قالوا وما ریاض الجنة۔یارسول اللہ قال حلقة الذکر**"۔(ترجمہ، جب جنت کے باغ سے گزرو تو وہاں سکون کرو۔لوگوں نے پوچھا کہ جنت کا باغ کیا ہے آپ نے فرمایا حلقہ ذکر) ان وجوہ سے میری گذارش یہ ہے کہ میں ہوں یا آپ اپنے اوپر لازم کرلیں کہ کہیں ہوں سفر میں یا حضر میں اگر رفقاء مل جائیں تو حلقہ کے ساتھ ورنہ تنہا تھوڑی دیر کے لئے خاندانی طریقے سے اللہ اللہ کرلیا کریں اور اس کو اپنے اوپر لازم کرلیں میری یہ گستاخی نہ سمجھی جائے اس زمانہ میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ہاں ایک اور لطیفہ خیال میں آیا۔حدیث شریف میں آیا ہے۔"**لاتقوم الساعة حتیٰ لا یقال اللہ**۔(ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اللہ اللہ کہا جائے گا۔(

یعنی اللہ اللہ کہنے والے موجود رہیں گے) تو ذکر کا مفقود ہونا آثار قیامت میں سے ہے۔اور یوں ارشاد کیا گیا ہے کہ "**لایقال اللہ اللہ**' اور اللہ اللہ کی تکرار کے ساتھ ذکر نہیں کیا کرتے۔مگر چشتیہ خصوصاً صابر یہ اس سے یوں پتہ چلتا ہے کہ قیامت جب ہی آئے گی کہ یا تو چشتی نہ رہیں یا رہیں مگر اپنا خاندانی طریقہ ذکر چھوڑ دیں۔میرا خیال تھا کہ نقش رحمانی کی نسبت کچھ لکھتا مگر یہ تحریر طویل ہوگئی انشاءاللہ دوسرے خط میں اس کے لئے کچھ کیفیت عرض کروں گا اور انشاءاللہ تعالیٰ جناب کے تحریر میں بھی کچھ نہ کچھ ایسے ہی مضامین لکھے جایا کریں گے۔بشیر الدین کے معاملہ کی کچھ تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہوئی۔عاشق علی نے اپنے گھر کے لوگوں کو یہاں بھیجا ہے ان کا خط آیا تھا اور ایک آدمی بھی مجھ سے ملا تھا۔رمضان کی وجہ سے مجھے فرصت کم تھی۔معلوم نہیں کہاں ٹھہرے اور کس کا علاج شروع کیا۔الطاف الرحمن آئے تھے ردولی شریف گئے۔آپ آئیں تو مجھے اطلاع دیں۔

فقیر محمد حسین کان اللہ لہ

خط بنام حضرت صوفی جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس مکتوب میں مولانا نے حقیقت خلوت اور جلوت کو جس تبحر کے ساتھ واضح فرمایا اور اس کے سلسلے میں جو مضامین ارشاد ہوئے ہیں وہ دوسرے علمی ذخیروں میں کم دستیاب ہو سکتے ہیں۔ (مؤلف)

مکرمی و معظمی سیدی وسندی دامت برکاتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ برسوں مُدت کے بعد آپ کا عنایت نامہ سخت انتظار کے بعد آیا۔ تحیر تھا۔ سبب کیا ہے کہ نہ ادھر سے ابتدائی کتابت ہوئے نہ میرے خط کا جواب آیا۔ یہی خیال تھا کہ شاید آپ مکان پر نہ ہوں گے۔ مجھے بھی یقین ہے کہ جب تک اقالیم ثلثہ باپ بیٹے روح القدس موجود ہیں۔ مصالحت کا ہونا محال ہے۔ اور سب ان کے بہار جے ہیں۔ رکن اعظم فساد کے بھی تین بزرگ ہیں۔ عبداللہ نے باوجود وعدہ واثق کے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اُس کی مجال نہ تھی کہ مجھ سے مخالفت کرے مگر کاکل والوں نے صلح کی طرف آنے نہ دیا ان کے خیال میں یہ بات آئی اور اگر خیال میں نہیں تو اس کا اظہار ضرور ہے کہ اپنی جانب قوت ہے اور ادھر بفرض محال اس معاملہ میں کامیابی ہوئی بھی تو اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی نفاق کا دائرہ بہت وسیع ہوگا۔ میرے گمان میں اگر ان کا مزعوم بھی نکلے تو زیادہ نقصان انھیں کا رہیگا۔ نہ ادھر کا غالباً چندے کے جھگڑے سے فراغت ہوئی ہو۔ آپ رودولی شرف کب تک آیئے گا۔ اس مہینہ کے آخر میں ابراہیم کی لڑکی کا عقد ہے ۔۲۳/ ۲۴ تک غالباً ہو عجیب نہیں کہ وہ آپ کو شرکت کی تکلیف دیں۔ شاہ صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں جو طریقہ حضرت نے عزلت اور خلوت کا اختیار کیا ہے یا اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اگر مضر نہیں تو چنداں مفید بھی نہیں جو خلوت بنظر تحصیل علم الٰیہہ کے اختیار کی جاوے۔ تو بیشک مقصد اقصیٰ اور مطلب اسنٰے ہے اس لئے کہ علم الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے

اس شخص کو امر ہوا جو علوم اولین وآخرین کا مخزن تھا۔ جلوت اطمینان خاطر اور یک سوئی کے مانع ہوتی ہی اس لئے اہل اللہ اس سے نفور ہوتے ہیں لیکن خلوت میں بھی اگر اغیار پر ہی نظر رہے چاہے اغیار کوئی ہوں۔ صور خیالیہ ہوں صور وہمیہ ہوں یا اور کچھ تو جب تک ایسا طریقہ جو غیریت کا مٹانے والا ہے نہ برتا جائے خلوت بیکار ہے۔ بعضوں کی غرض خلوت سے یہ ہوتی ہے کہ مجمع کے شور وشغب میں خیال مجتمع نہیں ہوتا۔ قوت مفکرہ پریشان رہتی ہے۔ مضامین دقیق سمجھ میں نہیں آئے تو علوم کا فیضان مشکل ہے۔ سیوم طلبہ فلاسفہ شعراء وغیرہ کی خلوت اس غرض سے ہوتی ہے لیکن اہل اللہ اس غرض سے اختیار خلوت نہیں فرماتے۔ اس لئے کہ ان کے علوم فکر کی نتائج میں سے نہیں محض وھبی ہوتے ہیں بلکہ جو علوم تقویٰ کے ثمرات میں سے ہیں ان کو بھی علوم کسبیہ شمار کرتے ہیں اس لئے کہ تقویٰ کسبی ہے تو اس کے ثمرات بھی کسبی ہوں گے گو ایک معنی کے اعتبار سے کسب اور اس کے ثمرات بھی وھبی ہیں مگر وہ دوسرے معنی کے اعتبار سے ہیں بعضے خلوت اس غرض سے اختیار کرتے ہیں کہ ذکر کے برکات کی حلاوت جلوت میں نہیں حاصل ہوتی۔ اس جہت سے کہ ذکر پر جو انوار مرتب ہوتے ہیں جلوت کا شور وشغب ان کے ادراک سے مانع ہے اور جب ادراک نہیں تو لذت نہیں لیکن اہل اللہ کبھی ذکر کو بغرض حلاوت وذائقہ نہیں کرتے ان کے یہاں مسلم ہے کہ لذات اور سموم قاتلہ ہیں حلاوت ذکر بھی شائبہ نفس سے خالی نہیں اور غیر حق تو ضرور ہے اور غیر حق مطلوب اہل اللہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں میں ذکر کرنے کے لئے اصلی حدیث قدسی ہے کہ **ان ذکرتنی فی نفسک ذکرتک فی نفسی و ان ذکرتنی فی ملاء ملائی خیر من ملائک او کماقال**۔ طالب کے لئے خلوت کا طریقہ بہتر ہے یا جلوت کا اس میں اہل اللہ مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خلوت کا تعلق اسم باطن یا اسم احوال کے ساتھ ہے۔ کیوں کہ اوّل خلوت ہی تھی **کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئی** اور جلوت کا تعلق اسم ظاہر اور اسم آخر کے ساتھ ہے جو اسم جس پر غالب ہو اس کے مناسب اسکے احکام اور آثار ہوں گے۔

جس کو منجاب حق حقیقت کا علم دیا گیا ہے وہ جانتا ہے کہ اول میں خلوت تھی کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی شتوبات حق اس تجلی خاص کے قبل جس کو عالم کہتے ہیں حق ہے حق اور غیریت

اعتبار یہ کی نمونہ تھی اور تجلی معانی کہئے یا تجلی ہیاتی کا اس ملاء عالم پر ظہور ہوا اس تجلی سے ملاء ہے جو اب نظر آتا ہے۔ اور قبل اس کے خلاء تھا بدیں معنی کے صور خارجیہ اُس میں نہ تھیں پر ہو گیا۔ مگر وہ ظلمت کی حالت تھی اسم نور کی تجلّی نے اُس کو منور فرمایا۔ عالم تحیر کا ظہور ہوا تو عنصری اور فلکی مثالی روحی وجسمی اعتبار پیدا ہوا۔ یہ عالم صورت انسانی پر تھا اس واسطے اس کو انسان کبیر کہتے ہیں۔ سب کے بعد عالم کبیر کے نتیجہ کی نمود ہوئی جس کو حقیقت انسانیہ اور عالم صغیر کہتے ہیں۔ ظہور ہیائی بمنزلہ بسیط کے ہے اور ظہور اجزائے عالم بمنزلہ انبساط کے اور ظہور انسانی بمنزلہ لب لباب اور خلاصہ کے ارشاد ہوا۔ **سَنُرِیھِم اٰیاتِنا فی الاٰفَاقِ و فی اَنفُسِھِم حتّیٰ یَتَبَیَّنَ لَھُم** سالک کو پہلے تجلیات آفاقی کا مشاہدہ ہوتا ہے اس کے بعد تجلّی نفسی کا جس طرح ظہور کے سلسلہ ترتیب میں ہوا۔ اول مقدمات ترتیب دیئے جاتے ہیں پھر نتیجہ کا ظہور ہوتا ہے لیکن مقدمات اور نتیجہ میں اس قسم کا ارتباط اور اتحاد پایا جاتا ہے کہ مقدمہ کو اجزائے تفصیلہ نتیجہ کے اور نتیجہ کو لب لباب اور حاصل مقدمات کا کہہ سکتے ہیں۔ تو جس کی نظر حقیقت انسانیہ پر پڑی ہوئی ہے وہ تمام عالم کو اپنی حقیقت سے بھرا ہوا پاتا ہے۔ اور جب یہ لحاظ کرے گا کہ **اَوَ لَم یَکفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ علیٰ کُلِّ شئیٍ شَھِید۔** تو ہر مظاہر کے ساتھ ظاہر نظر آئے گا اور جب اس آیت کا لحاظ کیا جائے کہ **انہ بکل شئی محیط** کے لئے ضرور ہے کہ محاط کو چھپا لے۔ جب محاط محیط کے اندر چھپا ہوگا تو ظاہر محیط ہی ہوگا نہ محاط تو ہر ہستی اس محیط کے اندر چھپی ہوگی۔ محیط اس کے نظر میں ایسا ہوگا جس طرح بلا تشبیہ صاحب خلوت کے لئے خلوت کا گہر جدھر نظر اٹھاتا ہے بجز اپنی اور خلوت کے کچھ نہیں دیکھتا تو جس کو یہ حقیقت کھل گئی اس کے لئے یہ جگہ خلوت ہے۔ ہاں مرتبہ ظہور میں باعتبار تعداد اعیان کے امتیازی تعداد علماً نظر آتا ہے۔ لیکن چوں کہ ایک ہی حقیقت کے شیونات ہیں تو حقیقت کا متعدد ہونا لازم نہیں آیا جس طرح انسان ایک حقیقت واحدہ ہے مگر ہاتھ اور چیز ہے اور پاؤں اور چیز ہے۔ سر اور زبان اور کان اور خیال اور عقل اور ہے اعتبار سے اس کو متعدد کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ تعداد حقیقت کی وحدت کے مظاہر نہیں تو حقیقت میں اگر باوجود مشاہدہ کثرت اعتباری کے شاید وحدت کے جمال باکمال پر نظر رکھتا ہے تو کہیں ہو خلوت ہے اور حقیقت ناشناس اور وحدت سے

ناآشنا ہے تو مکان خالی میں بٹھاؤ۔ اور مکان اور بیٹھنے والا دیوار، در، چھت، اینٹ، چونہ، کڑی، ہاتھ، پیر اُمور خیالی اور فکری یہ سب امور بنظر غیریت پیش نظر رہے تو جلوت میں ہے اور رتبہ شناس سیر آفاقی ہے اور ہر اسم کے حق کو کافی طور پر ادا کیا ہے وہ اسم باطن اور ظاہر دونوں پر نظر رکھتا ہے۔ تمام عالم کو ناطق اور گویا بھی سمجھتا ہے۔ کہ **اَنطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنطَقَ کُلَّ شَئیٍ** اور **یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مافِی السَّمواتِ وَمَافی الارضِ** اور پھر سب کو شیونات حق میں نہیں سمجھتا ہے۔ نہ غیر حق تو اگر وہ خلوت میں ہے تو خلوت میں ہے مع الجلوت اور جلوت میں ہے تو جلوت میں ہے مع الخلوت شاید خلوت اور انجمن کے یہی معنی ہیں۔ مگر اور لوگوں نے کچھ اور لکھا ہے۔ **ورزقنا اللّٰہ ھذا المقام بالذوق الصحیح** اور خلوت اور جلوت کبھی مشکل نہیں ہوتی گو ہمیں علم نہ ہو اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ خلوت اور جلوت مقام ہے نہ حال۔

فقط والسلام — فقیر محمد حسین کان لہ

خط بنام فیروز خاں صاحب

یہ صاحب غالباً کوئی پنجابی بزرگ تھے ان کی صحیح حالت معلوم نہیں ہوئی، اس خط میں آپ نے درود شریف کے ورد کے آداب تحریر فرمائے ہیں جو روحانی فیوض کا ذریعہ پڑتے ہیں۔

شفیع ومحبی فیروز خاں صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے کئی خط آئے اور ڈاک کے ذریعہ سے نذر جو بھیجی تھی۔ وہ بھی پہنچی حافظ عبدالرشید کے ہاتھ لنگی بھی آئی چمچہ وغیرہ جس کے ہاتھ بھیجا تھا انھوں نے اب تک نہ پہنچایا۔ آپ کو جو خیال ہے کہ میں ناراض ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کس وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا۔ ہاں خط لکھنے میں ہمیشہ سے البتہ کاہل ہوں اور جس روز سے اختلاج قلب کا عارضہ ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے کبھی طبیعت اچھی رہے تو لکھنے لکھانے کی طرف توجہ ہوتی ہے ورنہ کتابت کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ درود پاک کا شغل تصفیہ ظاہر و باطن اور حضرت برزخ کبریٰ یعنی جناب ختم المرسلین کے تعلق خاص پیدا کرنے کے لئے اکسیر اعظم ہے بالخصوص پڑھنے کے معنی کا تصور ٹھیک ہوا اور حضرت کی طرف پوری پوری توجہ ہوا اعلیٰ درجہ توجہ کا یہ کہ تمام عالم کے لئے جو وجود اور ہستی حاصل ہوئی وہ پرتو اور ظل اور عکس

وجود باوجود محمدی کا ہے جس طرح ذرّوں کی چمک آفتاب کی روشنی کا طفیل ہے۔ آفتاب کی روشنی جس قدر زیادہ ہوا سی قدر ذرّہ کی روشنی بڑھے تو حقیقت محمدی کو تمام عالم میں بصورت نور کے پھیلتی ہوئی تصوّر کرکے اور اپنی وجود ہستی کو ایک ذرّہ اس بسیط کا تصور کرکے کہ جس کی ہستی اختیاری اس نور کا ایک حصہ قلیلہ ہے اور اسی حصّہ قلیل کے زبان سے اس اصل کلی پر درود بھیجئے یعنی یوں کہیں کہ صلی اللہ یعنی رحمت کامل بھیجے اللہ انزال رحمت ایک نسبت خاص ہے۔ ذات حق کے ساتھ ہر نسبت کی حالت ذات معدن کمالات کے ساتھ جداگانہ ہوئی ہیں جس رحمت کا تعلق ذات کے ساتھ اسم رزاق کا واسطہ ہواُس کا نتیجہ روزی رسانی ہے جس کا تعلق اسم شافی کے ساتھ ہواُس کا اثر شفا بخشی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اللہ نام ہے اُس مرتبہ کا جو جامع جمیع صفات وکمال پاک از نقص وزوال ہے جو رحمت اس مرتبہ کی طرف نسبت کی جاوے اُس کا حال یہ ہوگا کہ ایسی رحمت ہے کہ اُن ساری رحمتوں کو شامل ہے جو ہر ایک اسماء کے ساتھ علاقہ رکھتی ہے اس رحمت کا پورا پورا مستحق بجز اُس ذات کے دوسرا نہیں جو سارے کلمات کا آئینہ جلوہ نما ہو اور وہ ذات محمدی کے سوا دوسرا نہیں تو صلی اللہ علیک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حاصل ہے کہ درود پڑھنے والا اس حقیقت جامعہ الیلیہ کی طرف اپنی اس وجود امتیازی کے ساتھ جو ایک پرتو اور ذرّہ اس وجود حقیقی کا ہے متوجہ ہوکر عرض کرتا ہے کہ سارے انواع رحمت کا ظہور جامع میں فرماوے ظاہر ہے کہ ظہور اس رحمت جامع کا اس مظہر جامع میں وابستہ کسی کی دعا کے ساتھ نہیں ایسے امر کی دعا کرنا قریب قریب تحصیل حاصل کی ہے۔ مگر دعا کرنے والا دعا کے مقام میں اپنی غرض کو پیش نظر رکھتا ہے تو حاصل یہ ہے کہ ظہور اس رحمت عام کا جو اس مظہر جامع میں بلا دعائے داعی بتقاضائے اصل فطرت ہو رہا ہے اس کے مشاہدہ کی ہم کو قوت عنایت کر کہ وہ جس طرح واقع اور نفس الامر میں ہے مع سارے علم وادراک اور کشف اور بصر بصیرت میں حاصل ہوجاوے۔ یہ مشاہدہ پورا پورا اسی وقت ہوگا جب یہ حالت حاصل ہووے کہ جس طرح نور مصطفی نور اعلیٰ کے سامنے محو ہوجاتا ہے۔ حقیقت محمدیہ کے سامنے درود پڑھنے کا وجود امتیازی محو ہوجاوے یہ تو اعلی درجہ کے ملاحظہ کی حالت ہے اور اس سے گھٹا ہوا مرتبہ یہ ہے کہ حضور کو تمام حسینوں سے زیادہ حسین اور تمام محسنوں

سے زیادہ محسن اور تمام بادشاہوں سے بڑھ کر پادشاہ اور تمام بزرگوں سے بزرگ تصور کرے اگر حلیہ شریف معلوم ہو اور تصور میں آوے تو اس صورت میں جو صورت اس وقت ان کے اوپر کے ذکر کئے ہوئے اوصاف کے ساتھ متصف ملاحظہ میں آجاویں اس کو پیش نظر رکھے اور اپنے تئیں جس طرح کوئی شیفتہ اور دلدادہ ہو اور غلام زرخرید کے مولا کا ہو یا ذلیل رعایا کسی حاکم کے ہو یا ادنیٰ مُرید یا شاگرد کسی قسم کا ہو تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ ہمارا دل اور ہماری زبان اس قابل نہیں کہ ہم ایسی بارگاہ عالی میں صلوٰۃ یا سلام عرض کرسکیں تو بارگاہ الٰہی میں التجا کرے تو اس ذات پاک پر اپنی صلواۃ اور اپنا سلام نازل فرما اور حضور صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے اوصاف جس صورت میں آجاویں اس کو صورت محمدی صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ تصوّر کرکے نہایت ادب اور تعظیم کے ساتھ عرض کرے۔ اور کہے صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کہ اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے تم پر اے وہ شخص جو سب صفت اور سب خوبیوں کے لائق ہو۔ فقط

یہ تحریر جناب مولانا ہدایت اللہ صاحبؒ (برادر بزرگ اُستاذی جناب مولانا محمد عنایت اللہ صاحب مدظلہٗ افسر مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ) ومولانا محمد عبدالباقی صاحب مدظلہٗ کے نام ہے۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ۔

نے خُمِ طرّہ و نے زُلف پریشاں کشدم — سُوئے دامے کہ کشید ایں دلِ نالاں کشدم
بوکہ از مستیِ چشمِ تو خبر باز دہند — ہوسِ دل برہِ بادہ فروشاں کشدم
رنگ آمیزیِ لختِ جگرم دیدہ بعشق — مہر خواہد کہ سوئے کان بدخشاں کشدم
گہ فرنگی محل و گاہ رُدولی آیم — ہرکجا بوئے کشاں جلوۂ جاناں کشدم

مولوی عبدالباقی صاحب وپیارے صاحب۔

السلام علیکم! فرمایئے آپ لوگ رُدولی آئیں گے یا نہیں۔ میں انشاء اللہ دوشنبہ کو رُدولی پہنچوں گا میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ضرور آیئے گا مولوی احمد سعید کہاں ہیں جہاں ہوں یہ خط اُن کو دکھا دیا جائے باقی خاں میرے ہمراہ ہوں گے۔

الباقی عند التلاقی۔

مکتوب مزاحیہ

بنام مولانا ہدایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی

عزیزی عضدی

دُعا ہامی رسانم کز دو عالم بہرہ برداری
زدُنیا بخت ودولت زآخرت خوشنودی باری

میں شب برأت کے بعد اپنے بعض عزیزوں سے ملنے کو دیہات گیا وہاں آپ کا تار ملا یہ تار کئی دن کے بعد وہاں پہونچا۔ تار کے عنوان ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تار میری طلبی کا بہانہ ہے۔ میرا خود جی چاہتا تھا کہ لکھنؤ آؤں اس لئے کہ امسال آپ لوگوں کی ملاقات کا موقع ملا۔ مگر کیا کیجئے دفعتاً رمضان خاں صاحب بہادر تیس (۳۰) سپاہی لئے ہوئے پہونچ گئے۔ گو اُن کی آمد آمد کی خبر پہلے سے تھی مگر بی شب برأت کی آمد نے اُنھیں روک رکھا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ رہیں آپ نہیں آسکے۔ اُن کا جانا ہی تھا کہ آپ دم مدار موجود۔ پھر اُن کے سامنے دم لینے کی مہلت کسے؟ دن کو کھانا پینا حرام۔ رات کو سونا مشکل۔ ایک دن کا معاملہ ہوتو کوئی سہے۔ یہ تیس (۳۰) دن کا بکھیڑا۔ خیر اب اُن کا آخری وقت ہے ہم نے بھی جان پر رکھ لیا ہے کہ بے کام تمام کئے ہوئے اُن کا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ عید صاحبہ کے آنے پر اُن کے قدم ٹھہریں تو ہم جانیں۔

آپ کو میں ایک مسئلہ دقیق لکھتا ہوں جس کی تحقیق میں میں نے بہت سے علوم سے کام لیا ہے۔ علم طبیعات۔ علم حیوانات۔ جغرافیہ۔ علم نباتات۔ علم موسیقی، علم مساحت۔ تشریح۔ طب۔ علم انسان وغیرہ وغیرہ۔

ہم آپ کو مُفت یہ مسئلہ بتا دیتے ہیں یہاں نازک مسئلہ دیکھئے ضائع نہ کیجئے گا اسرار ہی اسرار ہے۔ مسئلہ یہ ہے۔

ایک صاحب ہیں مولوی نذیر شاید آپ بھی انھیں جانتے ہوں چند دنوں سے لکھنؤ میں اُن کا کمون اور الہ آباد میں بروز ہوا ہے۔ بحث مباحثہ وتحقیقات قدیمہ وجدیدہ کے بعد یہ معلوم ہوا

کہ وہ ایک قسم کے انسان ہیں اُن سے جو اس (امر) میں یہ بات چیت ہوئی تو ان کو تردد تھا اور اب بھی ہے کہا گیا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم انسان ہو کہتے ہیں کہ مشاہدہ کا علم بیشتر غلط ہوتا ہے شبہ مرئی دور سے کبھی حمار نظر آتی ہے اور حس باصرہ اُس پر انسان ہونے کا حکم لگاتی ہے۔ آئینہ میں جو دیکھتا ہے یہی جانتا ہے کہ آئینہ کے اندر اُس کی شکل ہے مگر آئینہ توڑ ڈالئے تو کہیں اُس کا پتہ نہیں۔ باصرہ بہت دور کی چیز دیکھنے سے بھی قاصر۔ بہت نزدیک کی چیز بھی دیکھنے سے عاجز۔ بدن میں بہت چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن کو مسامات کہتے ہیں کسی کو نظر آئے ہوں تو دکھائے۔

بداہت معروضِ استدلال میں کوئی چیز نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بداہت وہمی ہو آسمان اتنی بڑی سقف مرفوع محیط عالم آج تک بالبداہت موجود مانی جاتی ہے۔ اب فلسفہ جدید کے مطابق لاشی محض قرار پائی کہا گیا کہ تم حیوان ناطق ہو اور یہی انسان کی ماہیت ہے۔ کہتے ہیں کہ اول تو یہ انسان کی ماہیت ہو اس پر دلیل کیا ہے اور اگر ہو بھی تو ہم بھی اس کے مصداق ہوں اس پر کیا بُرہان ہے پہلا جُز یعنی ''حیوان'' اُس کا دار و مدار اوّل قوت انباد و تولید مثل پر ہے تو جو اس کے بمنزلہ جنس قریب کے ہے یہاں کسی نے کبھی پڑھتے ہوئے طول میں عرض میں عمق میں دیکھا ہو تو بتائے۔ عمر گذر گئی ایک حال پر ہے تولید مثل کے (متعلق) سب جانتے ہیں کہ قوت ہی نہیں دی گئی جب حیوان ہی ہونے پر کوئی دلیل نہیں تو انسان کا ہونا معلوم کیا گیا کہ آخر تم ناطق ہو کہتے ہیں کہ اگر ناطق سے مُراد مُنہ سے کچھ الفاظ نکالنا ہے تو سبھی جانور مُنہ سے کچھ نہ کچھ الفاظ نکالتے ہیں۔ اَنۡطَقَنَا اللہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ انسان ہی کی کیا تخصیص ہے۔ اس سے انسانیت کیوں کر ثابت ہوسکتی ہے سکھانے سے طوطا بھی نبی جی بھیجو ٹیں ٹیں کرنے لگتا ہے کچھ نام بھی یاد کرلیتا ہے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے ممکن ہے احتمال ہے۔

اور اگر نطق سے ادراک کُلّیات جُزئیات مُراد ہے تو اس کا یہاں بالکل مطلع صاف ہے آج تک کبھی ہوا ہی نہیں کلیات کے لفظ کے سوا معنی سے طبیعت آشنا ہی نہیں محض جزئیات کے جاننے سے انسان ہو نہیں سکتا۔ کھانے پینے کی تمیز جانوروں کو بھی ہوتی ہے دُنیا بھر کے جانور شریفے کی پتّی کبھی نہیں کھائیں گے۔ آگ کی طرف کبھی نہیں جائیں گے اس سے انسانیت کیوں کر متحقق ہوسکتی ہے۔ یہاں بھی کھانے کے سوا اور کسی چیز کی تمیز نہیں اس میں اچھے بُرے کا فرق

نہیں جو چیز مالوف ومعتاد طبیعت ہے وہ ملتی جائے اور مقدار میں زیادہ ملتی جائے۔اس سے بحث نہیں کہ اچھی ہو یا بُری نہ اس کا شعور۔

خط جن حضرات کے نام ہے اُن کے نام درج ہیں

باسمہٖ سُبحانہٗ

ہو ہو ہو

بہادر کریم الدین میر باسط علی اسمٰعیل صاحبو السلام علیکم اجمعین

پہلے یہ تازہ غزل ملاحظہ ہو

کرد رُسوائے جہاں پر وہ نگہداری دوست　　شکوہ از چرخ کنم یا ز جفا کاریِ دوست
برمن از درد گوارا نکند سختیٔ نزع　　گر بسنجد اجل از درد ستمگاریِ دوست
حال من داند و ناداں شود از شوخی و ناز　　شکوہ پیشے کہ تواں برد ز عیاریِ دوست
کرد آئینہ اسیر خُمِ زلفِ خویشش　　مژدہ اے کہنہ اسیراں ز گرفتاری دوست
ایں تنِ نازک وایں کشمکشِ حسنِ وجمال　　میگدازم بدل از داغ گرانباریِ دوست

ایک آوارہ یار و دیار، وحشت کے دشت کا غبار، دامِ اُلفت کا گرفتار، سب کا آشنا اور سب کا بیگانہ، ایسے شوخِ رعنا شمائل کی دل فریب ادا کا دیوانہ جس کا نہ کہیں نشان نہ کہیں ٹھکانہ دو چار باتیں آپ سے کیا چاہتا ہے سُنئے میں جس دم آپ لوگوں سے جُدا ہوا راستہ بھر آپ لوگوں کو چھٹنے کا صدمہ میرے دل کو بے چین کرتا رہا مگر ساتھ ہی اُس کے حرم کی زیارت کا شوق سرکار کی آستانہ بوسی کا ذوق مجھے تسکین دیتا راہ میں جو گذری اُس طولانی خط سے جو میں نے مولوی محی الدین صاحب کے نام لکھا ہے اور اُس دراز تحریر سے جواب تفضّل حسین خاں کے نام بھیجتا ہوں آپ دریافت کر سکتے ہیں غرض اُفتاں وخیزاں اُس کے در تک پہونچا جس کے دیدار کی تمنّا میں ہم سے بڑے بڑوں نے جانیں دے دیں اور پھر بے نصیب رہے یہاں پہونچنا تھا کہ دارالامن میں آ گیا چنانچہ خود کہتا ہوں۔

نے خوف رقیب است و نہ بیم عسسی ہست　　در کوے تو ام جز تو نہ اندوہ کسی ہست

ظلم است اگر چرخ کند قصد ہلاکش　　آنکس کہ شہید نگہِ ناز کسے ہست

البتہ نفس خبیث وابستہ دام ہوا و ہوس ہے کبھی کبھی یوں بک اٹھتا ہے کہ؎

یارب بجرم چوں شوم آسودہ کہ آنجا　　نے نغمۂ ناقوس و نہ بانگ جرسی ہست

بہر حال مکّہ کی آب وہوا میرے جی کو بھا گئی یہاں مجھے اس مرتبہ جو فوائد حاصل ہوئے کہنے کے قابل نہیں اہل مکّہ نے میرے مرتبہ سے زائد میری قدر ومنزلت کی یہ معاملہ سارا اُدھر سے ہے مجھ سے بہتر بہتر اہل علم وہنر اکمل حج کو آئے مگر یہ خدا داد اُلفت خدا کے گھر والوں کی میرے ساتھ منجاب اللہ نہیں تو کیا ہے غرض اپنے ناکارہ بندی کی بندہ نوازی یہ اُسی کریم رحیم کا کام ہے اب میں حج کے ظاہری احکام سب ادا کر چکا پنجشنبہ کو حج ہوا اب اُس شہر ودیار کا ارادہ ہے جو مقناطیس قلوب ہے اُس کی آستانہ بوسی کا قصد ہے جو تمام جہان کے ہست وبود کا خلاصہ ساری شئے کی اصل وبنیاد ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر دلی آرزو تو یہ ہے کہ اُسی در کی جاروب کشی نصیب ہو آگے سرکار جہاں حکم فرماویں گے غلام کو اُس میں عذر کی گنجائش نہیں حضرات! یہ باتیں قصہ وکہانی نہیں یہ سرگذشت ہے جس پر گذرے وہ جانے سرکار کی ایسی عنایتیں ہیں کہ اُن پر ہر ادنیٰ بھروسہ کر کے جو چاہے کہہ سکتا ہے مگر ذرا اُس جناب سے لگاؤ ہو جاوے میرا جی اب اُس ملک کی طرف رُخ کرنے کو بالکل نہیں چاہتا غور کیجئے مجھے الہ آباد میں دینی یا دُنیاوی کیا لُطف ہے وطن کی ایک وہمی محبت جس کے دل میں ہو وہ پابند وطن رہے مجھے تو بالکل نہیں اگر ہو بھی تو یہ اصلی وطن کی محبت نے اُسے مطلقاً مغلوب کر دیا۔ الہ آباد کے لوگوں میں حسد کا مادّہ اس قدر غالب ہے کہ اُس کی اصلاح محال۔ میں سچ کہتا ہوں مجھے کبھی کسی بھائی کو ایذا دینے کا خیال نہیں ہوا۔ میں یار شاطر تھا الہ آباد والوں نے مجھے بار خاطر بنا لیا میرا وجود خبیث اُن کے دل کو رنج دیتا اپنے تئیں معدوم کر دینا میرا اختیاری امر نہ تھا غرض خود ہی اپنے تئیں دور کر دیا۔

ایک میں خار تھا آنکھوں میں سبھوں کی سو چلا　　بُلبُلو خوش رہو تم اب گُل وگلزار کے ساتھ

میرے خُدا کے گھر میں سب کچھ میرے لئے موجود ہے میں دوسری جگہ کیوں جاؤں آپ لوگوں کے وہ جلسے چائے نوشی کے یہاں کے جلسوں میں کبھی یاد آتے ہیں تو دُعا کرتا ہوں

کہ خُدا وہ دن جلد لائے کہ حرم ہو اور ہم ہوں اور وہ سب یاران ہمدم ہوں آپ لوگوں نے اپنے احوال
کا کبھی ایک پرچہ بھی نہیں لکھا منشی اسمٰعیل کا خط آیا تھا میں نے مقامات موعود الا جابت میں سب
کے لئے دعا کی ہے اُمید ہے کہ مجیب الدعوات قبول فرمائے گا۔ دو چار دن میں مدینہ طیبہ زادہا اللہ
شرفاً جاؤں گا۔ خط کا جواب اب بھیجئے گا تو میں جہاں ہوں گا مل جائیگا۔ آپ خط اس پتہ سے بھیجئے گا۔

مکہ مکرمہ محلہ حارۃ الباب دولت خانہ جناب شیخ امداد اللہ صاحب شیخ الطریقہ رسیدہ
بمحمد حسین برسد باقی میرے جو پوچھنے والے ہوں سب کو سلام کہئے گا۔

ولایت کی طرف سے سلام

(دستخط) محمد حسین از مکہ مکرمہ

۱۶ ذی الحجہ روز پنجشنبہ ۱۳۰۸ھ

بسمہ سُبحانہٗ

حق حق حق

نور نگاہ من مولوی ولایت حسین صاحب سلمہ اللہ

دُعا با کہ درحق نور دیدہ وراحت جان بردر حضرت رب بیان ومقامات مرجو الاجابت
اہمگاں کردہ اندا اورا بکرم خویش قبول فرمایاد میں شنبہ گذشتہ کو مکہ مکرمہ سے بہ نیت مدینہ شریف جدّہ
چلا۔ یکشنبہ کو عصر کے قبل جدّہ پہنچا اس مرتبہ معمولی راستہ کسی قدر غیر معقول تھا اس وجہ سے مدینہ
جانے والے ینبوع کے راستہ سے جاتے ہیں انشاء اللہ آج یونان نامی جہاز پر سوار ہوں گا ایک
دن رات میں جہاز جدّہ سے ینبوع جاتا ہے سات روپیہ ادنیٰ درجہ کا اور پندرہ روپیہ فرسٹ کلاس
کا کرایہ ہے مولوی عبدالرؤف وغیرہ کے ہمراہی ہے الطاف دو دن ٹھہر گئے مگر انشاء اللہ ینبوع
سے ساتھ ہو جائے گا۔ ینبوع سے چھ دن میں مدینہ شریف پہونچنا ہوگا انشاء اللہ مدینہ کی معاودت
کے بعد میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ سامان کردے تو بیت المقدس کی زیارت سے بھی مشرّف ہو
لوں۔ دیکھئے خُدا کو کیا منظور ہے میرے ساتھی سب خیریت سے ہیں البتّہ مجھی کو کبھی کبھی بخار اور
زُکام کی شکایت ہو جاتی ہے محمد عمر کو بھی پیچش اور تپ مدت تک رہی اب اچھے ہیں اس مرتبہ بوجوہ

مصارف بہت زیادہ ہوئے اس وجہ سے اکثر لوگ مدینہ جانے سے محروم رہ گئے عبداللطیف
وعبدالسبحان وغیرہ خیریت سے ہیں باقی خیریت ہے۔جی چاہتا تھا کہ ایک خط تفصیلی لکھوں مگر مہلت
نہ ملی انشاء اللہ مدینہ پہونچ کر موقع ملا تو لکھوں گا۔

فقط والسلام ہمہ اعزّہ واحباب سلام مسنون

تمھارا خط ایک مکّہ میں ملا تھا

پیارے صاحب سلمک اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم کل آپ کا پوسٹ کارڈ مجھے ملا۔ مجھے اس سے پیشتر آپ کا کوئی خط نہیں ملا پیر
کی چوٹ کا حال باقی خاں کی زبانی معلوم ہوا اُن کو شاید مولوی عبدالرؤف نے لکھا تھا میرا یہ خیال
ہرگز نہیں کہ حضرت فرنگی محلی نفس جلسہ کے مخالف ہیں۔نعوذ باللہ من ذالک جن کی وجہ سے مخالفت
تھی اُن کی شرکت سے ہر ایک سمجھ دار آدمی کو مخالفت کرنا مناسب تھا خیر۔ الحمد اللہ کہ وہ اس سے
علیٰحدہ کئے گئے۔ باقی میرا شریک ہونا یا نہ شریک ہونا ایک ایسا امر ہے کہ لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ
جُوْعٍ میرے نہ شریک ہونے سے جلسہ کو کیا نقصان پہونچ سکتا ہے اور جلسہ کو مانا کہ نقصان ہی
پہونچے تو مسلمانوں کی خرابی کا کیا باعث ہوسکتا ہے بیسیوں جلسے روز بنتے بگڑتے ہیں اسلام یا
مسلمانوں کو نہ اُس سے کچھ نفع ہے نہ نقصان بہرحال اگر دل متوجہ ہوا اور سائق ومانع نہ پیش آیا تو
شاید شریک ہوں ورنہ مجھے تو کچھ دلآویزی اس جلسہ سے نہیں ہاں جلسہ آپ لوگوں کی ملاقات کا
ذریعہ ہوسکتا ہے فقط والسلام۔

از شکستہ بال محمد عبید تسلیم

محمد حسین عفی عنہ

بسمہ سُبحانہٗ

حق حق حق

عزیزی مولوی غلام مجتبیٰ صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ میں ہنڈیہ آیا اور ہنڈیہ سے مہرو پور یہاں سے میاں پورہ جاتا ہوں وہاں
سے پھولپور ہوتا ہوا جمعہ یا سنیچر تک الہ آباد پہونچوں گا۔ مریضہ کا حال معلوم نہیں ہوا اُس سے

اطلاع دو مولوی اعظم حسین صاحب کا خط دہلی سے رجسٹری شدہ آیا اُس میں ایک مسودہ عرضی دعویٰ کا بھی ہے اس کو تم بھی غور سے دیکھو اور مولوی عبدالمجید صاحب اور مولوی کرامت حسین صاحب اور شیخ امیر الدین صاحب اور منشی حکیم الدین صاحب بھی ہیں مشورہ لے کر جو بڑھانا گھٹانا ہو بڑھا گھٹا کر درست کر رکھو میں آکر اُن کے پاس روانہ کردوں محض اسی غرض سے یہ خاص آدمی بھیجتا ہوں۔ فقط والسلام

از ناچیز عبیداللہ تسلیم قبول باد — فقیر محمد حسین عفی عنہ

مکتوب بنام کاظم پاشا رُکن سلطنت عثمانیہ

عالی منقبت معالی مرتبت مطرح اشعہ بوارق الطاف الٰہی و موردِ انوار شوارق اعطاف شاہنشاہی حضرت کاظم پاشا دام اقبالہٗ وجلالہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہر چند کہ دیدہ ہجراں دیدہ بایں مہجوری و دوری از جمال صوری محروم اُفتاد اما دل تو دو منزل را بایں ہمہ بعد مراحل و منازل ہر لحظہ سعادت حضوری رودادہ۔

یادت کہ ہمیشہ جاگزیں دلِ ماست — از فیض تو تازہ گل زمیں دلِ ماست
نام تو بود اگر چہ بسیار بلند — صد شُکر کہ کندہ برنگیں دلِ ماست

علی الخصوص دریں ایام فرحت انضمان کہ نامہ مشکیں ختامہ صفوت دستگاہ فتوتِ پناہ ہوا خواہ مومنین سیّد یٰسین سلمہ اللہ العالمین مزور دلیلی افغانستان کہ بالفعل زائرِ حرم محرم المخاطب بہ طٰہٰ ویٰسین صلوات اللہ علیہ الیٰ یوم الدین است ورود مسعود آورد نافہ کشائے مہر و محبت ونفحہ رساں ولا دخلت شد از نور وبو یا تراز ورد آں گلدست صدق وصفا نفحات صحت وسلامت ذات ستودہ صفات وکلمات یاد آور یہائے احقر کہ برزبان فیض ترجمان گذشتہ دماغ جاں را تازگی بخشید وخاطر افسردہ را تازہ تر گردانید چشم داشت آنکہ آئندہ ہم بہمیں دستور مہجور بظاہر از نظر دور و بباطن درحضور مطرح انظار آں منظور نظر حضرت سُبحانی ونظر یافتہ بیگاہ معانی بودہ مشغول وموطف بدعائے دوام عمر و دولت خدام باشد۔ والسلام بالوف الاحترام۔ ع

بخت و دولت بکام باد تُرا

مکتوب بنام جنرل عثمان پاشا رُکن حربی سلطنت عثمانیہ

عالی جاہ والا پایگاہ امیر الامرا نصیر الوزراء رُکن رکین حضرت سلطان نے حسن حسین مملکت عثمانی حضرت عثمان پاشا ادام اللہ اجلالکم۔ السلام علیکم وقلبی لدیکم۔ امابعد بندہ درگاہ ہو اللہ الاحد عبدالصمد عرضہ می دہد کہ دریں زماں مسرت عنوان کہ رابطہ خلت دولا وواسطہ صدق وصفا یعنی مکتوب بہمت اسلوب فضیلت مآب محب المسلمین سید یٰسین مزور دلیل افغانستان سلمہ اللہ المنان سعادت نزول آوردہ فاتح کنوز یگانگی وکاشف رموز فرزانگی گذشتہ باعث انشراح خاطر عقیدت ماثر آمد خاصہ از ادراک احوال خیر مال خدام عالی مقام وتوجہات وتلطفات مربیانہ غائبانہ کر بریں دور افتادۂ دل بہ تمنائے حضوری دادہ مامول ومبذول داشتہ اند سرمایہ ناز وپیرایہ ایں خاکسار بے مقدار گردید فرق عزّت بفرق داں رسانید سپاس ایں یاد آوریہا بندہ پرور یہا از احاطہ تقریر وآوازہ تحریر بیرونست لاجرم از اں درگذشتہ صبح وشام بدرگاہ ذوالجلال مشغول دُعائے ترقی عز واجلال بندگان بلند اقبال می باشد۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

ع نیرّ دولت واقبال درخشاں بادا

مکتوب بنام سلطان عبدالحمید خاں

اس خط کا حوالہ بضمن حالات دیا جاچکا ہے

باریافتگان بارگاہ جہان پناہ کیوان پایگاہ السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہٗ وفاز علی العالمین برہ واحسانہ۔

بعز عرض۔

دریں ایام نزہت پیام کہ حدیقہ آمال وامانی تازہ وزمزمہ شادی وشادمانے بلند آوازہ است مژدۂ عزّت افزائی یاد فرمائیہائے اعلیٰ حضرت قدر قدرت می رساند ونوائے نوید دلکشائے عطائے تمغائے عزوعزت بفدوی مہجور از اں دربار و دور وبمعنی پیوستہ درحضور سامعہ نواز ابصار وامطار وبین الاقران سرمایۂ افتخار وپیرایہ اعتبار ایں ذرہ بے مقدار گشتہ پس بزمانے کہ بخشندہ اوست وبردانی کہ درتن ومیدہٗ او بفحوائے **لَئِن شَكَرتُم** ۔ بخشش شُکر ایں نعمت عظمیٰ بدرگاہ الٰہی کہ

فروغ افزاوسواافروز ماہ تا بماہی است وسپس سپاس ایں دولت کبریٰ بحضرت شاہنشاہی کہ فرمان رواوفرمان فرمائے سپیدی تا سیاہی است می گذار دوآن تمغہائے عطیہ سُبحانیت ہیکل گلوئے جان وحرز بازوے ایمان پنداشتہ عزیز تراز جان وجناں داشتہ ہموارہ مصروف ومشغوف بدعائے فتح ونصرت وترقی عمرودولت حضرت امیرالمومنین معین المسلمین بودہ ومی باشد وخواہد بود۔

نظم

الٰہی تا جہاں باشدتو باشی — زمیں باآسماں باشد تو باشی
شہے کاں زرفشاں باشد بگیتی — مہی کاں مہرباں باشد تو باشی
نہالی کان وایں گلزار ایمن — زآسیبِ خزاں باشدتو باشی
کریم وباذل و راوی کہ دستش — حریفِ بحروکاں باشد تو باشی
جہاں گیر وجہاں پرور جہاں بخش — جہاں باں تا جہاں باشد تو باشی

مکتوب فارسی بنام مولوی رحمان علی خاں صاحب ساکن ریاست ریواں

یہ آپ کے مُریدین میں تھے اُن کو آپ نے خلافت بھی عطا فرمائی۔

خامہ ام دل حکایت می کند — درحدیثِ جاں روایت می کند
بشنواز وے کاں نوائے الفت است — قصۂ دل ماجرائے اُلفت است
تاکہ از بزمت مرا ببریدہ اند — از فغانم جان و دل نالیدہ اند
سینہ شُد صد پارہ از دردِ فراق — چوں سرایم مجرائے اشتیاق
شاد باش اے درد درماں سوزمن — وے خیالِ ماہ جاں افروز من

مخدوم مکرم بندہ جناب مولوی رحمان علی خاں صاحب زادلطفہٗ

تسلیم بصدشوق لقاء کریم پذیرفتہ باد۔

از دیری بہ حالات جناب آگاہی نیافتم دیدہ مابگراینہا چار است ودل پریشانیہا ہمکنارجلوہ اسماء وصفات رب یابندگان خودش نیرنگیہا داردگاہے بکرشمہ جمالی جلوہ فروش آمد غارتگر

صدعقل وہوش آمدوگاہے بجلوہ جلالی تیغ قہرے جاں باختگان رابہ گردن جان راند؟ وصدہمچوذبح راکشتہ خنجر بے نیازی گرداند کسانے کہ نہ جرعۂ از ساغرالفت بخشیدہ اند تجلی جمالی راا گرچہ پسندیدہ اندامابظہورشان جلالی سررشتہ صبروشکیبائی بریدہ ازآرمید گیہارمیدہ بخاک وخون غلطیدہ اندامآنہاراکہ سرمست بادہ الست اندواز ایں بادہ ہیجوذی افزا ساغر بدست اند۔ آں جمال دلفریب برادائیکہ جلوہ فرماید دل از دست می رود آناً فاناً ذوقے دیگر ولذتے تازہ افزاید ایشاں راچنانکہ تجلی لطفی دل آویزست جلوہ جلال ہم راحت انگیزست۔

یارمن ہرلحظہ می آید ببازارے دگر — تاشود حُسن وجمالش راخریدارے دگر

اذاقنااللہ لذہ مَحبتہ (خدااپنی محبت سے ہم کولذت اندوز کرے)

شعر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — کہ من آن قد موزوں می شناسم
بہرحال درہمہ حالت دلخوش بایدداشت — بہرطوریکہ دارکرشمہ لطفش می تواں پنداشت

فقیر دریں نزدیکی بامید شرکت عرس حضرت امیرخسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی رفتہ بود واز آنجاشوق آستانہ بوسی حضرت مخدوم پاک بردلم آتشیم کردوتمنائے درونی کلیرکشیدہ از آنجا بہرہ اندوز سعادت شدہ باز بوطن پیوستم ارادۂ بود کہ یک دوروزے رادرستنہ ومیہر برسم فاما حرتموز کرہ خاکی راکورہ آہنگراں ساختہ است ازیں رونقل وحرکت خالی از دقت نیست چہ عجب کہ بعدعیدایں عزیمت ازقوت بفعلیت گرآید۔ والسلام۔

"ارشادات وملفوظات"

شفقت ومحبت مُریدین

ملفوظ نمبرا۔ شاہ غلام محمد صاحب نے آپ کو بہت دیر تک تلاش کیا۔ جب ملاقات ہوئی توفرمایا کہ اسی طرح مُریدوں کو بھی بھول جاؤ گے۔ ارشاد ہوا کہ جہاں ہم ہوں گے وہاں مُرید بھی ہوں گے۔

ملفوظ نمبر ۲۔ ارشاد فرمایا کہ میں مُلّا محمدی شاہ صاحب کے دائرہ میں (یہ سلسلہ نظامیہ کے ایک بزرگ تھے جن کی حضرت مولانا رحمتہ اللہ بہت عزت فرمایا کرتے تھے) نَو تاریخ کو بیان شہادت اس قدر پابندی سے اس لئے کرتا ہوں کہ اہل سُنّت و جماعت غیر شرعی مجلسوں میں شرکت سے بچیں اور اُن کے عقائد محفوظ رہیں۔

ملفوظ نمبر ۳۔ اتباع سُنّت (طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی) فرمایا کہ سنت کے مطابق طہارت کرنے میں جو انوار پیدا ہوتے ہیں وہ اذکار و اشغال میں بھی بعض وقت نہیں پیدا ہوتے۔

ملفوظ نمبر ۴۔ ''بدعات سے نفرت۔''

ارشاد فرمایا کہ اگر کچھ دنوں کے لئے بھی میری سلطنت ہوجاتی تو میں تعزیہ داروں کے خلاف جہاد کر دیتا۔ اور اُن کو قتل کر ڈالتا۔

ملفوظ نمبر ۵۔ آپ کی شفقت عام تھی آپ کی خدمت میں بہت سے داڑھی مُنڈانے والے بھی آتے تھے جن کے ساتھ آپ بہت اخلاص سے پیش آتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ ایسے لوگوں سے بہت خوش اخلاقی سے ملتے ہیں فرمایا کہ اُن کے آنے سے جو نفع اُن کو ہوجاتا ہے اگر میں کج خُلقی کروں گا اور وہ نہ آئیں گے تو اس نفع سے محروم ہوجائیں گے۔

ملفوظ نمبر ۶۔ علی گڑھ میں اپنے دوست سے ملنے گئے جن کے یہاں کُتّا پلا ہوا تھا۔ اور یہ صاحب لامذہب سے تھے انھوں نے ہنس کے یہ عرض کیا کہ کتّا میں نے اس لئے پالا ہے کہ فرشتے نہ آئیں اور میری روح نہ قبض کریں آپ نے فرمایا کہ تمھاری روح وہ فرشتہ نہ قبض کرے گا جو انسانوں کی قبض کرتا ہے بلکہ جو فرشتہ کُتّے کی روح قبض کرنے آئے گا وہی تمھاری بھی قبض کرے گا۔

ملفوظ نمبر ۷۔ آپ جونپور تشریف لے گئے وہاں بہت ایسے لوگ بھی ملنے آئے جو اہل تشیع کی اُس جماعت سے تھے جو خلفائے ثلٰثہ کی خدمت میں گُستاخی کرنے کے عادی تھے لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اُن کی اصلاح فرمایئے آپ نے فرمایا اُن کا مادّہ بہت سخت ہوجاتا ہے نُضج نہیں قبول کرتا۔ یعنی درستگی کی صلاحیت نہیں رہتی۔

مفلوظ نمبر ۸۔ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرنگی محلی کے یہاں بزمانۂ واپسی رُدولی شریف قیام فرماتے اور گانا سُننے کا مشغلہ بہت زیادہ رہتا۔ آپ نے فرمایا کہ

شاہ محمد حسین تو گانا کھانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں تو اسی گانے میں مروں گا بھی۔ اسی کے پندرہ دن کے بعد وصال فرمایا۔

معیت ذاتی

ملفوظ نمبر ۱۰۔ (شاہد مطلق) نور نظر کی طرح آنکھوں میں ہے اور آنکھوں سے نہاں در پردہ جلوہ گری ہے اُس پر یہ دلیری ہے قیامت آئے اگر بے حجاب ہوجائے کون ہے جو اُس کے دید کی تاب لائے۔

سرکار دو عالم کی مظہریت تامہ

ملفوظ نمبر ۱۱۔ (شاہد مطلق نے) بشریت کو حجاب بنا کر اپنے کمال محبت اور محبوبیت کا جلوہ پیرایہ محمدی میں دکھایا۔ کیا کہیں کس کس کو دام اُلفت میں پھنسایا شان محبوبیت کے لئے جمال محمدی کو برزخ کُبریٰ بنایا۔

ملفوظ نمبر ۱۲۔ مرکزِ ذات سے دو قوسین نکلیں قوس جلال و جمال دونوں میں جب اتّصال ہوا تو اُس سے دائرہ کمال پیدا ہوا۔

سرکار کا چہرۂ انور بدر تاباں کی طرح منوّر دائرہ کمال کا پورا پورا مظہر قرار پایا۔ جس جگہ التقائے کمالین ہے اہل حق کے نزدیک وہی مقام قاب قوسین ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۳۔ (شاہد مطلق) جب بکمال رعنائی اپنے اوپر آپ جلوہ نما ہوا اور خود دلدادہ اور خود دل رُبا ہوا۔ کمالات کی جانب سے ظہور علمی و عینی کا تقاضہ ہو۔ یہ ظہور ہر طرح سے کامل ساری ستائش کے قابل تھا اس لئے حقیقتِ محمدیہ کے ساتھ مسمّٰی ہوا۔

ملفوظ نمبر ۱۴۔ طواف قدوم کے عقلی توجیہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی محبوب کے حرم سرا یا کسی حاکم کی دارالحکومت میں پہونچتا ہے تو یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس جہت میں کھڑا ہو۔ جہاں وہ محبوب نظر پڑے اس لئے خانۂ تحیر کا شانہ کا صاحب خانہ وہ ہے جو کسی جہت کا پابند نہیں اس لئے ہر سمت گھومتا ہے کہ شاید کہیں سے اس کی جھلک نظر آئے۔

حاجی شب وروز در بیاباں گردد   عاشق بطواف کوئے جاناں گردد
مشتاق جمال دوست جاں برکف دست   تاکے رُخ اوبیند وقرباں گردد

طواف وداع کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

ملفوظ نمبر ۱۵۔ حاجی گھر سے بقصد بیت اللہ نکلا تھا بیت اللہ تک پہونچ کر سکون ہو جانا چاہئے تھا اس لئے کہ مقصود تک پہونچ کر سکون ہو جانا چاہئے مگر پھر بھی حرکت کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ گھر تک پہونچنا مقصود نہیں مقصود مشاہدۂ حق ہے وہ حاصل نہیں ہوا اور اگر حاصل ہو تو حصول کے بعد بھی وہاں تسکین نہیں۔

ملفوظ نمبر ۱۶۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ حاجی صاحب بہت بڑے شیخ ہیں فرمایا کہ شیخ گر ہیں۔

۱۷- کسی نے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے مُریدین کے اختلافات شکایت کی فرمایا جماعت امدادیہ ہی میں اخلاص ہے اُن کے اختلافات سب للّٰہیت پر مبنی ہیں۔

۱۸- فرمایا کہ اگر میں اعلیٰ حضرت کو نہ دیکھتا تو کتابوں میں لکھی ہوئی بزرگوں کی کرامتوں کا یقین نہ ہوتا۔

۱۹- فرمایا کہ جس قدر میں شیوخ سے ملا اُس قدر اعلیٰ حضرت سے اعتقاد بڑھتا گیا۔

۲۰- کسی نے پوچھا کیا دیکھ کر مُرید ہوئے فرمایا کہ کچھ نہیں دیکھا اس واسطے مُرید ہوا۔

حق حق حق

خط بنام صوفی جان صاحب از اجمیر شریف

یہ خط مکتوبات کی تحریر کے بعد دستیاب ہوا

سیدی سندی قلبی وسری ونفسی وروحی ومُہجتی وروعی دامت برکاتہٗ

تسلیم بصد تمنّائے لقائے کریم قبول ہو۔ میں اب تک بظاہر خیریت سے ہوں باطن کا جو بگاڑ ہے اُس کو کسی قدر تو میں بھی جانتا ہوں مگر پورا علم اسے ہے جس پر اس کے بناؤ بگاڑ کا دار و مدار ہے۔ الہ آباد کی حالت ابھی تک اطمینان کے قابل نہیں گو کمی کی خبر سُنی جاتی ہے۔ میرا وہاں

ایسی حالت میں رہنا نہایت مناسب تھا۔ مگر مجھے کچھ ایسی مجبوری پیش آئی کہ یہاں بے اختیار چلا آنا ہوا اور پھر خلاف اُمید اتنے زمانہ تک یہاں غیر ارادی قیام کرنا ہوا اور اب بھی کچھ خبر نہیں کہ کب تک یہاں قیام ہو۔

ع   در دست دیگر یست خزان و بہار ما

مجھے امید تھی اوروں کی پوری خواہش تھی کہ آپ میرے قیام کی حالت میں ایک دو دن کو یہاں تشریف لائیں گے مگر ہماری ضعیف کشش آپ جیسے کو وقار شخص کو کب جُنبش دے سکتی ہے بشیر الدین نے بھی لکھا تھا کہ صوفی صاحب کو دو ایک دن کے لئے اجمیر بُلایئے مگر آپ کو کون بُلائے خدا ہی لائے تو لائے بلا تصنّع عرض کرتا ہوں کہ جناب کے ساتھ بے اختیاری لگاؤ دل کا جس کو چاہے محبت سے تعبیر کیجئے چاہے عقیدت و ارادت سے چاہے کسی اور لفظ سے اس حد کو پہنچا ہے کہ اُس نے من وتو کی گنجائش نہیں رکھی ایسی حالت میں اگر کسی امر پر غصّہ ہوں تو اپنے ساتھ افسوس کروں تو اپنے ساتھ ملامت کروں تو اپنے اوپر ہے حضرت جناب کی حالت موجودہ سے بیشتر اوقات دل کو سخت اُلجھن ہوتی ہے گو یہ سمجھتا ہوں کہ صوفیوں میں ایک فرقہ ملامتیہ ہوتا ہے میری مراد ملامتیہ سے وہ زنادقہ اور ملاحدہ نہیں جو باوجود بقائے ہوش وحواس شریعت کے قیود سے باہر فقیر کے بناوٹی لباس میں ظاہر خدا اور رسول کے حضور میں بے باک احکام الٰہی ونبوی سے گستاخ نعوذ باللہ من ذالک یہ لوگ عیش وشہوت نفسانی کے فریب میں مغرور حق سے دور ہیں۔

بلکہ میری مُراد وہ فرقہ ملامتیہ ہے جن کو شیخ نے اول نمبر لکھا ہے اُن کی ادنیٰ حالت ہے کہ یہ حدود شریعت کے تحفظ ریاضت ومجاہدات تمام باتوں میں انتہا درجہ کو سرگرم ہوتے ہیں مگر اپنی حالت کے چھُپانے کو کہ مبادا اُن پر کوئی نیک مرد یا خدا رسیدہ ہونے کا گمان نہ کرے تجارت حرفہ یا مزادلت علوم ظاہری یا کسی اور ایسے کام کو جو شریعت میں مذموم تو نہیں مگر علماء یا مشائخ یا زہاد وعباد یا صوفیہ کے شان میں مستبعد سمجھا جاتا ہو پردہ بنا لیتے ہیں یہ فی الحقیقت ایک بڑا مجاہدہ نفس کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ مشاغل گو فی حد ذاتہ معظم ومحترم ہی کیوں نہ ہوں ولایت خدا رسیدگی کی عزت کو ہرگز نہیں پا سکتے۔ اس لئے سلاطین اہل دُنیا علمائے ظاہر سے کیسے ہی بڑے مرتبے کے ہوں مگر ان

حضرات کے روبروتو گردن ہی جُھکاتے ہیں۔تو اتنے بڑے رُتبہ کو چھوڑ کر ایسے پیشہ والوں کے زُمرہ میں اپنے تئیں داخل کرنا نفس پر نہایت شاق ہے غرض یہ ایک بڑا مجاہدہ ہے بہر حال اس طور سے دل کو سمجھاتا ہوں مگر محبت جو میرے دل میں مستقر ہے سمجھتی نہیں اور طرح طرح کی خدشہ کرتی ہے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے دو چار کلمات الطیبات کا ملانہ فتوحات شریف سے نقل کرتا ہوں جو ملامتیہ کی شان میں تحریر فرمایا ہے کہ ملامتیہ اہل اللہ میں بہت بڑے مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں۔ اُن کے اوپر بجز نبوت کے دوسرا مرتبہ نہیں قرآن کی آیتوں میں سے آیت حُورٌ مَقْصُورٰتٌ فی الخِیامِ ان کی شان ہے اُن کے مقامات وحالات کا اغیار سے کتمان ہے حوران بہشتی کی طرح یہ غیرت انھیں کے حجاب میں مستور محض حق کے منظور نظر خلق سے دور ہیں کرامات وخوراق اُن کے ظاہر نہیں وہ صلاح وتقویٰ جو عوام کی نظر میں لوازم خُدا رسیدگی سے سمجھا جاتا ہے اُن سے مشہور نہیں تاکہ خلق کی توجہ اُن کی طرف نہ ہو اور ہجوم خلائق اُن کو حق سے کب غافل کرسکتی ہے بلکہ اُن کے کتمان میں مصلحت خلائق مدّنظر ہے۔اُن کا مرتبہ نہایت عالی ہے کہ خلق سے اُن کی تعظیم کے حقوق کا ادا ہونا دُشوار ہے اور جان بوجھ کر تعظیم میں کمی کرنا موجب نکال دارین ہے اس لئے اُن کے مراتب کا اشتہار منظور حق رہا اظہار اگر ضروری ہے تو رسالت کے لئے بہ نظر ادائے تبلیغ کے نہ مقام ولایت کے لئے اس لئے ارشاد ہوا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُونَ فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً یعنی جب تبلیغ کا کام انتہا کو پہنچ گیا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ یعنی اب صفت تنزیہ کے ساتھ حمد وثنا کرو جس کی شان سے استتار ہے وَاسْتَغْفِرْہُ یعنی کتمان اور پوشیدگی چاہو غفر کے معنی پوشیدگی ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان حالت تبلیغ وغیر حالت تبلیغ دائمی یہ تھی کہ لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل اس لئے کہ وہاں ہمیشہ فرق مع الجمع وحدت مع الکثرت تنزیہ مع التشبیہ رہتی مگر یہ اجتماع حالتیں بضرورت تبلیغ تھا ورنہ مقام محبوبیت کا مقتضیٰ تو صیانت عن الاغیار ہے اس لئے مشہور ہے کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی اور حدیث قُدسی میں ہے۔ ۔۔اس لئے اکابر اہل اللہ کو جب اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے تو کبھی وہ اظہار کو پسند نہیں کرتے حتّٰی کہ اپنی

حالت کو اپنے نفس پر ظاہر ہونا نہیں چاہتے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ خالق نے اُن کو خلق کے لئے نہیں پیدا کیا ہے نہ اُن کی ذات کے لئے اُن کو بنایا بلکہ اپنے کام کے لئے بنایا ہے تو جس کے لئے بنائے گئے اُسی کا کام کرتے ہیں ہاں اگر خود حق کی طرف سے ہے اُن کے ارادے اور اختیار کے شہرت اُن کے مقام ومرتبہ کی کردی جاوے تو اس میں مجبور ہوجاتے ہیں۔ بہر حال اُن کی نظر خلق پر نہیں رہتی۔ اس لئے ہمیشہ مثل عوام فرائض وسُنن ظاہری وصلوٰۃ بالجماعہ اور دیگر اعمال ظاہری کے نہایت پابند رہتے ہیں۔اور جس ملک یا شہر میں رہتے ہیں تو اُسی وضع پر رہتے ہیں جو اس شہر والوں کی عام وضع ہوتی ہے ظاہر شریعت کی نہایت سختی سے پابندی کرتے ہیں ایک مقام میں جہاں شہرت ہوئی اُس مقام کو ترک کردیتے ہیں یہ اس لئے تاکہ اُن کو غیر اللہ سے تعلق نہ رہے اُن کا اُٹھنا بیٹھنا بات کرنا چلنا پھرنا لینا دینا اخذ وترک قیام قعود دیکھنا بھالنا سب مع اللہ و باللہ ہوتا ہے اپنی حالت کو اپنے نفس سے چھُپاتے ہیں غیر کا کیا ذکر ہے یہ خلاصہ بتیسویں (۳۲) باب کا فتوحات کے بتقدیم وتاخیر وتغیر بسر تو ملامتیہ کی حالت کے تقاضے سے ممکن ہے کہ انہماک کو اس کارخانے میں جناب نے حجاب بنایا ہو مگر چونکہ ہمیشہ سے دل خوگرفتہ دوسری حالت کا رہا ہے اس لئے کسی قدر متوحش ہوتا ہے ہاں یہ ترک دُنیا جس کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور دُنیا جس سے ڈرایا جاتا ہے وہ کیا چیز؟ احادیث وقرآن میں اس کی بابت چھیڑ چھاڑ موجود اہل دُنیا پر لعنت کی بوچھار دُنیاداروں پر لعنت کی پھٹکار آخر وہ دُنیا ہے کیا جس کا اس قدر چرچا ہے اگر مُراد اُس سے یہ ہے کہ جہاں ہمارے مرنے کے پیشتر بود وباش ہے تو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ وہ کیوں کر قابل نفریں وملامت ہے یہیں ہم پیدا ہوئے خُدا کو یہیں جانا اس کے احکام یہیں پہچانا۔اُن اُمور کو یہیں سمجھا یہیں برتا جو خُدا سے ملنے کے ذرائع ہیں اولیاء یہیں پیدا ہوئے انبیاء یہیں پیدا ہوئے شرائع الٰہی یہیں نازل ہوئیں تمام اسماء الٰہی کا ظہور یہیں ہوا آخرت میں کیا ہے جو یہاں نہیں جن اسماء کا ظہور وہاں ہے اُن کی تجلّیات یہاں موجود تفاوت اگر ہے تو جذبات میں ہے۔ دوزخ بہشت کی ساری بنا ان اسماء سے ہے جن کی نمود رنج یا راحت سے ہے اور دار آخرت کی آبادی کا سارا سرمایہ یہی ہے اس دُنیا میں اس کی کمی نہیں رنج وراحت تکلیف آسائش شادی غم بیماری صحت عزّت ذلّت

عُسر یُسر وغیرہ وغیرہ کس قدر اس عالم میں موجود بلکہ تقلید وتاویل سے علٰیحدہ ہو کر بنظر ایمانی ملاحظہ کیجئے تو بہشت ودوزخ کا بھی پتہ یہاں چلتا ہے ایک مثال میں عرض کرتا ہوں۔ حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نماز کس وقت پڑھتے تھے دفعتہً کس قدر آگے بڑھے اور ہاتھ آگے کو بڑھایا پھر پیچھے ہٹے نماز کے بعد اُس کا سبب ارشاد فرمایا کہ پیچھے اس وجہ سے ہٹا تھا کہ دوزخ کو میں نے دیکھا قریب تھا کہ اُس کی لپک میرے مُنھ تک پہنچ جاتی اور آگے اس وجہ سے بڑھا کہ جنت کو میں دیکھا چاہا کہ اس کا میوہ تمھارے لئے لے لوں اگر اس کا میوہ لے کر تمھیں دیتا تو جب تک دُنیا قائم رہتی تم برابر اُسے کھاتے یہ دوزخ وبہشت آخرت کے نہ تھے اس لئے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنّتہ الخری ونار ہا آخرت تو اس جہان کے مٹنے کے بعد ہوگی ابھی اس کا ذکر کیا آپ نے تو فرمایا کہ عرض ھذا الحائط میں نے دوزخ وبہشت دیکھی حائط دُنیا میں نہ آخرت میں اور یہ واقعہ جاگنے میں نماز پڑھنے کی حالت میں تھا نہ خواب میں تا کہ عالمِ مثال پر محمول ہو باقی ''مثلث فی الجنّتہ'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس عالم میں نہیں فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا جبریل کی شان میں وارد ہوا اس سے لازم ہوا کہ جبریل اس عالم میں نہ تھے دحیہ کلبی یا کسی اور شکل میں جو متمثل ہوئے اس سے حقیقت جبریل نہیں بدلتی بہرحال یہ بہشت ودوزخ ہے تو غرض یہ ہے کہ آخرت کیا ہے جو اس جہاں میں نہیں ہاں بہت سی چیزیں اس عالم میں ایسی نمود رکھتی ہیں جو آخرت میں نہیں مثلاً آخرت میں محض تمیز کی شان ظاہر ہے اچھے بُرے سے متمیّز کافر مومن سے جُدا صالح طالع سے علیحدہ دوزخی بہشتی سے الگ ایک دوسرے سے گڈمڈ نہیں اس عالَم میں دونوں کی شان کی نمائش ہے اور امتیاز اور علیحدگی کی حالت جو آخرت میں ہے وہ تو یہاں موجود ہی ہے اس لئے آخرت کا نام ہے یوم الفصل علاوہ اس کے یہاں امتزاج اور اختلاط کی حالت پائی جاتی ہے جو آخرت کے حصّہ میں نہیں ہاں تو یہ حالت ہے یُعرَفُ المُجرِمُونَ بِسِیمٰھُمْ یہاں کی امتیازی حالت لیجئے جن لوگوں کو انبیاء علیہم السلام نے باعلام الٰہی ہمیں بتادیا کہ یہ قطعی جنّتی ہیں وہ یقینا ہمارے علم میں جہنّمیوں سے ممتاز جس طرح عشرہ مبشّرہ انبیاء مرسلین کے نفوس قُدسیہ اور جن کو یہ بتادیا کہ یہ قطعی دوزخی ہیں وہ جنتیوں سے متمیز ہیں جیسے نمرود، ہامان، قارون، ابلیس وغیرہم علاوہ اس کے ہر شخص کو مرتے دم اپنے اچھے

بُرے ہونے کا علم اور تمیز ہوجاتی ہے۔ یہ تو نفوس ذوات میں تھا افعال واعراض میں بھی تمیز موجود کفر وشرک فسق وفجور یہ قطعی بُرے افعال ہیں طاعت عبادت خالصہ توحید وغیرہ یہ افعال واعتقادات یقینی اچھّے ہیں پھر آخرت کے اتقیا کی حالت راحت آسائش اور اشقیا کے اطوار رنج وتکلیف دونوں یہاں متمیز موجود اختلاطی وامتزاجی اُمور کی نظیر دیکھئے سعید شقی سے مختلط کافر مومن کے لباس میں ظاہر اچھّے بُرے کے پیرایہ میں بُرے اچھّوں کی صورت میں نمایاں نماز عبادت ایمان وغیرہ کبھی ریائً کبھی اتقائً عمل میں آئے یہ التباسی حالت ہے اس مثال میں دُنیا کو آخرت پر فوقیت اسی امتزاجی حالت کی وجہ سے حضرت حق نے استعمال لفظ کُفر اور ایمان میں بھی دونوں کو کہیں شریک کردیا ہے اَلَّذِینَ آمَنُوا بِالبَاطِلِ وَ کَفَرُوا بِاللہِ فَمَن یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ غرض اس عالم میں اُس عالم کی تمام شانیں ظاہر ہیں مع کس قدر شے زائد کے جس طرح تکلیف شرعی اُس عالم میں محض ایک وقت خاص میں ہوگی کہ یُدْعَوْنَ اِلیَ سُجُوْدِ یہاں ہردم موجود تخلق باخلاق اللہ جو انسان کے لئے سرمایۂ خلافت ہے اس جہاں میں بہ نسبت آخرت کے زیادہ ہے انسان اس جہاں میں ہادی بھی ہے مقبل بھی ہے وہاں ہرگز نہیں ہوسکتا یہاں معذب بھی ہے منعم بھی یہاں دے بھی سکے لے بھی منعم بھی منتقم بھی وہاں یہ بات کہاں وغیر ذالک غرض تکمیل انسانی باعتبار مظہریت کمالات الٰہی اس عالم میں اُس عالم سے زیادہ ہے پھر کیوں اس عالم کو ہم بُرا کہیں حضرت حق نے تو دُنیا کے نشیب وفراز کے مطیع الٰہی ہونے کی حیثیت سے تعریف فرمایا ہے زمین سے خُدا نے کہا کہ مجبوراً اطاعت کر واُس نے اطاعت قبول کی اپنے نیک بندوں کو اُس کا وارث بناتا ہے اَنَّ الاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُونَ اور ظاہر ہے کہ الطیبت لِلطَّیِّبِینَ دُنیا تو جناب حق کی امانت دار ہے مال دولت سلطنت حکومت آبرو عزت جو کچھ بندوں کے لئے ادھر سے ودیعتاً اس کے سپرد ہوا اُس نے بمقتضاء ادوار الامانات الیٰ اہلہا بے کم وکاست اُن کے حوالے کردیا اور پھر اُن کی حافظ ونگہبان رہی کہ یہ اُن امانتوں کے حقوق پورے طور سے ادا کرتے ہیں کہ نہیں اور جس امانت کے ساتھ جو معاملہ برتنا چاہتے ہیں وہ برتتے ہیں یا کچھ اور مثلاً امانت ہماری طبیعت کے مناسب ہے تو اُس کا حق ہے شکر گذاری کہ دُنیا سے وہ امانت الٰہی پہونچی جو

ہماری طبیعت کے موافق تھی اور اگر مخالف طبع ہے تو اس کا حق ہے رضا و تسلیم کہ محبوب حقیقی اور معبود حقیقی کی جانب سے ہدیہ ہے گو ہماری طبیعت کے موافق نہیں پہلے مقام میں اگر یوں کہتے تھے کہ **الحمد اللّٰہ المحسن المفضال** تو یہاں یوں کہے کہ **الحمد للّٰہ علی کل حال** تا کہ سزا اور جزا دونوں حالتوں میں جو شکر گذار رہتے ہیں اُن میں معدود ہو دُنیا تو ان امانتوں کو اُنھیں پاک وصاف حوالہ کرتی ہے مگر یہ اپنی طبیعت سے بدل دیتے ہیں مینھ کا پانی اصل میں کس قدر صاف اور سُتھرا ہوتا ہے مگر قطعات زمین کے اختلاط طبائع سے اُن کی حالت بدل جاتی ہے شور زمین میں جمع ہو شوریت اور کھاری پن پیدا ہو غلاظت اور نجاست آلودہ زمین میں جا کر نجس وغلیظ ہو پتھریلی صاف شفاف زمین میں اگر جمع ہو اپنی اصلی صفائی پر باقی رہے بلکہ زمین کی حلاوت ولطافت سے کہیں اس میں حلاوت ولطافت زیادہ ہو جاتی ہے غرض یہ خرابی اگر آتی ہے تو زمین کی وجہ سے نہ پانی یا بدلی کی وجہ سے دنیا تو اہل دنیا کے لئے بمنزلہ مادر مشفقہ کے ہے۔ اس لئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ **ان الدنیا انباع ہاں** بمقتضائے شفقت مادری دنیا اپنی اولاد کا اپنے مدمقابل یعنی آخرت کی طرف منسوب ہونا گوارا نہیں کرتی جس طرح ہر ماں نہیں گوارا کرتی اُس کی اولاد کسی دوسری ماں کی طرف نسبت کی جائے یہ نہیں پسند کرتی کہ دنیا میں تو پیدا ہوئے اُس کے خوانِ نعمت پر الوانِ نعمت اُڑائیں اُس کے کنارِ تربیت میں پرورش پائیں اور پھر ابنائے آخرت کہلائیں ابھی نہ آخرت ہے نہ اُس کا زمان سلطنت دُنیا اور اُس کی حکومت دُنیا کو تو آخرت کے زمان حکومت سے تعرض نہیں آخرت کون ہے جو دُنیا کے اہل کو اپنا کر لے اور کس قدر خلاف انصاف کہ آنکھ کھُلی تو دُنیا کو دیکھا جس طرح آنکھ کھولتے ہی بچّے کی نظر ماں کی صورت پر پڑتی ہے نہ آخرت کو دیکھا نہ اُس کے ذائقۂ اُلفت سے آشنا ہوئے اور نیکی کی تو آخرت کے ذمہ لگا یا۔ بُرائی ہوئی تو دُنیا کے سر تھوکا حالانکہ نہ بھلائی آخرت کا فعل ہے نہ بُرائی دُنیا کا کام یہ دونوں تو کام کرنے والوں کے کرتوت ہیں۔ دُنیا یا آخرت کو اُن سے کیا سروکار دُنیا کے حق میں تو حضرت فرماتے ہیں کہ **نعمت مطیة المومن علیها یبلغ الخیر وبها ینجو من الشر** یعنی مومن کی اچھی سواری ہے اس پر سوار ہو کر بھلائی تک پہنچے اور اُس کی وجہ سے بُرائی سے بچے۔

بجواب نامہ مولوی محمد ادریس صاحب

حضرت مولانا نے تحریر فرمایا

حق حق حق

عزلت گزیں گوشہ گمنامی سرگشتہ دشت ناکامی کہ ظاہر بیناں بنام نہادہ خویش محمد حسینش می خوانند واداشناسان حقیقت بیں وجود اعتباری بین العدمیں می دانند از سرگذشت خود چہ سراید واز ماجراہائے کہ بروے گذشتہ چہ وانماید در جولانگاہ ہستی بمنازل بالادستی ہنگام صعود وہبوط انچہ دیدومی بیند سطرے ازاں از شور وغوغائے عالم امکان بہ غارت گری فراموشی ونسیاں رفت انچہ یادست نہ سزاوار گفتن نہ لائق شنفتن آرے روز بخلوت کدہ واحدیت باشاہد نہانخانہ یکتائی از ساغر **کان اللہ ولم یکن معه شئی** گرم بادیہ پیمائے بود چوں غمزہ دلفریبش بکرشمہ **فاجبت ان اعراف** عشوہ فروش آمد حجاب از کثرت اعتباری برروئے شاہد وحدت اُفتادگامے در انجمن اعیان ثابتہ نہاد در آنجا نیز حاصل وقتش ہیچ کہ **الاعیان ماشمت رائحته من الوجود** الحال بعد طے مراحل انچہ ازیں سیر وسلوک اندوختہ غفلت وسرمستی ہست از منازل سہ گانہ عمر دو منزل برچنیں طے شُد اما ہیچ ہویدا نگشت کہ طفلی کے آمد وجوانی کے شد وسیاہی از مو رفت اما از دل نگشت وبا مطلوبے کہ راست یا دروغ شیفتہ آنست یکدمک مسرور نگشت جوانی مظننہ ریاضت ومجاہدہ بود بہرزہ سریہا گذشت پیری راچہ تواں گفت کہ **الشیب کله عیب من لم یزرع وقت الحرث ندم عند حصاده رب انسان یزرع الا یحصد فکیف یحصد من لم یزرع۔**

از مبلغ علم من چہ می پرسید معمولا نظرے بر کتب معمولہ داشتم اما غور وفکرے چنانکہ باید از من در تحصیل کتب درسی نہ رفت وانچہ حاصل وقت بود از کشاکشی بیہودہ سریہا ہمہ از سینہ رفت نخستیں درسیکہ از معلم اول اول بمدرسہ ازل خواندہ ام حرف اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ بودہ است آنہم نہ یادست دیگر چیز ہا راچہ تواں گفت کہ ہمہ بر باد است تصنیف وتالیف را سرمایہ استعدادی درکاراست وایں ناچیز ازاں تہیدست اُفتاد است وحق اینست کہ ایں ہرزہ سرارا گاہے سرے بایں سودا نبودہ است ونہ الحال است اگر گاہے بتحریک دیگراں حرفے از کلک مرزبانم بصفحۂ وجود نقش بست آں حرکت

بشری بودہ فقط اینست سرگذشت از بے پاہا و دست انتہیٰ۔

دیگر

از بادۂ عشق خویش مستی کردم　　گلگشت بہار باغ ہستی کردم
رفتم بطواف کعبہ دل کانجا　　دیدم خود را و خود پرستی کردم

دیگر رُباعی

عشق است کہ شوراو درآب وخاک است　　آغشتہ بخوں دو عالم وخود پاک ست
بس عاشق ومعشوق کہ بہر سود مردند　　دیں عشق ہماں فتنہ گرد بیباک است

نقل خط کہ بہ منشی عطاء اللہ صاحب

نور بصر لخت جگر روح ایں بے پاوسر از جان ودل عزیز تر۔

حماہ اللہ عن القبر والفروقاہ عن الشین والشر بجاہ خیر البشر۔

دُعائے می رسانم کز دو عالم بہرہ برداری　　ز دُنیا بخت ودولت ز آخرت خوشنودیٔ باری

بنام ایزد ما بخیر ایم، شما برسلامت باشید ایں وقت حالتے تازہ نداشتہ ایم تا بہ سرگذار دمش لختے اوقات عزیز شمارا حارج شیویم اما محض آ گاہیدن احوال شخصے کہ چندگاہ ست کہ بحضور شما جا یافتہ است کلک را برسرایں نگارش آورد مسمی غفور را شاید کہ شمانمی دانید کہ یکے از سرگردہ او باشان ایں محلت می باشد نہ از سرقہ وغارت گری اورا باکے ونہ از غضب وتعدی اورا مبالاتے چہ گریبانہا کہ از دست جورش چاک وچہ جانہا از تیغ جفائش پیوند خاک از غارت گری وسرقہ اش انچہ معلوم من ست اگر داستان سرایم بدفترہا نگنجد بہرحال یکدو شر پیش خویش روا نداریدورنہ عنقریب از دست او گزندے می بینید کہ نہ شما بار محصول چہ آب بست روپیہ بذمہ شماست آں را یک دفعہ یا دو مرتبہ روانہ کنید فقیر امروز بتمشائے شرکت عرس حضرت قطب العالم۔

مواعظ حسنہ وادبی مضامین

اس سُرخی کے سلسلہ میں مولانا کے وہ مضامین ہیں جو آپ نے مختلف موقعوں پر بغرض ارشاد وہدایت یا کسی ادبی نقطہ نظر سے تحریر فرمایا۔ یہ تحریر علمی اور ادبی دونوں حیثیتوں سے بہت بلند پایہ ہیں۔ اگرچہ مولانا کے تمام نظم ونثر کے ارشادات سب ہی مواعظ حسنہ ہیں۔ لیکن یہ تحریریں خاص طور پر اسی سلسلہ میں قابل ذکرِ ہیں ان تحریروں میں خصوصیت سے ایک نامکمل کتاب ہے ''جونغمۂ قدوسی'' کے نام سے مولانا نے تصنیف فرمائی تھی۔ اگروہ کتاب موجود ہوتی تو شاید تصوف کے موضوع پر تشنگانِ علم کے لئے پھر کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ رہتی۔ مگر بدقسمتی سے کتاب چھپنے کے قبل ہی مولانا اس دُنیا سے رُخصت ہوگئے اور رسالہ الاحسان بھی بند ہوگیا پورا مسودہ دفتر سے ضائع ہوگیا۔

گُناہ کے نتیجے اور اُن کا علاج

یہ تحریر اُس وقت لکھی گئی تھی جب الہ آباد میں طاعون پھیلا ہوا تھا اور اس میں فلسفہ گناہ اُس کی پاداش اور علاج پر جس خوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے وہ صرف نگاہ حقیقت بیں ہی سمجھ سکتی ہے یہ تحریر نامکمل ہے یامعشر المسلمین۔

میں چند باتیں بنظر اخوت اسلامی آپ لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں اپنی بدکرداری اور سیہ کاری کے لحاظ سے ان باتوں کو عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ خود را فضیحت ودیگرے را نصیحت مگر جو عرض کروں گا وہ کتاب مبین اور احادیث حضرت ختم المرسلین اور بزرگان دین کے کلمات طیّبات کا خلاصہ ہے اس لئے عجب نہیں کہ اپنی اصل کی طرح یہ خلاصہ بھی تاثیر بخش ہو مریض کے لئے طبیب کا بے احتیاط ہونا مضر نہیں اُس کے لئے تو دوا کا طب کے اصول کے موافق ہونا درکار ہے۔ طبیب کے پرہیز یا بد پرہیزی سے اُسے کیا سروکار ہے۔ بہرحال آپ لوگ دیکھتے ہیں ہندوستان کے باشندے علی العموم اور مسلمان بالخصوص کس قدر آفات وبلیات میں گرفتار ہیں بے شمار بلاؤں میں مبتلا ذلّت، فاقہ کشی، افلاس تو ان کے لئے لازم ذاتی

ہے دنیا سے برکت کا اٹھ جانا، خشک سالی پیداوار میں کمی، پھر حرفہ، پیشہ مفقود، تجارت کے سامان کم، عزت حکومت ندارد یہ سارے سامان نحوست کے تو موجود تھے ہی اُس پر روز نئے نئے سامان قہرالٰہی کے ان کے لئے پیش، کہیں زلزلہ آیا کہیں زمین دھنس گئی، کہیں وبا کہیں چیچک کہیں تپ کے بلائے عام، کہیں سرسام کہیں ریل لڑی اور چشم زدن میں ہزاروں بنی آدم راہیِ عدم ہوئے اب برسوں ہوگئے کہ طاعون کا قدم ہندوستان سے نہیں ٹلتا غرض جہاں دیکھئے یہی ہندوستانی تیر بلا کے نشانہ ہیں جو آفات آتے ہیں اُنھیں کے سر پر، جو غضب گرتا ہے انھیں پر، طاعون کے بدولت کتنے گھر ویران، کتنی بستیاں سنسان ہوگئیں، کتنے پیارے بچّے جو نور کی طرح آنکھوں میں، سویدا کی طرح دل میں رہتے آج آغوش لحد میں سوتے ہیں ماں باپ ان کی درد فراق سے رات دن روتے ہیں پھر نہ دوا کارگر نہ دُعا کا اثر ہزار نالہ وفریاد کیجئے، سنوائی نہیں دُعا کی بارگاہ اجابت تک رسائی نہیں بڑے بڑے عقلمندوں نے فکریں کیں کہ کوئی سبب سمجھ میں آئے تو دفعیہ کی کوئی تدبیر بتائیں۔ خلق اللہ کو ہلاکت سے بچائیں کسی نے زمین کی کثافت کی طرف نسبت کیا کسی نے سماوی تغیّرات کو سبب قرار دیا غرض زمین آسمان کے قلابے ملائے مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ جو دوا کی بیکار جو تدبیر نکالی بے سود، عقلی تدابیر کی تو یہ کیفیت ہے۔ ہم اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں ذرا دل میں سوچیں کہ ہمارے معبود نے بھی ہمیں ان دُنیاوی بلاؤں اور اُن آسمانی آفتوں کے نسبت کوئی بات ارشاد فرمائی ہے۔ ہمارے آقا اور ہمارے رہنما حضرت پیغمبر خُدا اروحی فداہ نے بھی کوئی اس کی علّت بتائی ہے، تاکہ ہم اُس کو دیکھیں اور سوچیں کہ ہم میں وہ علّت ہے یا نہیں، اگر ہو تو دفع کرنے کی فکر کریں جب سبب جاتا رہے گا بلا خود ٹل جائے گی، یہ بھی ہمارے اُسی پیشوا کا فرمودہ ہے کہ ہر بیماری کے لئے دوا ہے صحیح بخاری میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا **مَا اَنْزَلَ اللہُ دَاءً اِلاَّ اَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً** یعنی اللہ کوئی بیماری نہیں بھیجتا مگر اُس کے ساتھ شفا بھی بھیجتا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیبَ الدَّاءُ الدَّوَاءَ بَرِءَ بِاِذْنِ اللہِ** یعنی ہر بیماری کے لئے دوا ہے جب بیماری دوا تک پہنچائی جائے اللہ کے حکم سے شفا ہوتی ہے قرآن کو

اللہ نے شفا فرمایا ہے **قُلْ هُوَ لِلَّذِینَ آمَنُو هُدًی وَّ شِفَآءٌ** یعنی قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ **وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِلْمومنین** ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفاء ورحمت ہیں۔

سورہ فاتحہ کے حق میں پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **شِفَاءٌ لِکُلِّ دَاءٍ** یعنی ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک زمانہ میں مکّہ معظّمہ میں زیادہ دن تک قیام کیا بیماری کی کثرت تھی اور کوئی طبیب نہ تھا میں نے ہر بیماری کا علاج سورہ فاتحہ سے کیا ہر ایک کو صحت ہوئی بہر حال اللہ نے جہاں بیماری پیدا کی شفا بھی مخلوق فرمائی تو ان آفتوں کا بھی کوئی علاج ضروری ہے ہر مرض اُسی وقت جاتا ہے جب اُس کا سبب دور کیا جاوے۔ جب تک سبب موجود ہے مرض کے جانے کی توقع نہیں ان آفتوں کے لئے بھی کوئی سبب ہے۔ گو ہماری سمجھ میں نہ آوے۔ انگریزی بیدک یونانی طب نے تو اپنی ناسمجھی اس کی نسبت تحریراً تقریراً عملاً ظاہر کردی اب ہمیں ایمانی طب کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ آخر وہ ان آفتوں کا سبب کیا بتاتی ہے ارو **تِبْیَاناً لِکُلِّ شَیْءٍ** کے شفاخانہ سے اس بیماری کے لئے کیا نسخہ تجویز ہوتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ایمانی طب ہر بلا کی ٹلنے کا ذریعہ دُعا کو قرار دیتی ہے حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت نے فرمایا کہ **لَاتُعْجِزُوا فِی الدُّعَاءِ فَاِنَّهُ لَا یَهْلِکُ مَعَ الدُّعَاءِ اَحَدٌ** یعنی دعا کرنے میں عاجز نہ ہو کہ کوئی شخص دعا کے ساتھ ہلاک نہیں ہوتا اور یہ بھی فرمایا حضرت نے **لَا یَرُدُّ الْبَلَاءَ اِلاَّ الدُّعَاءُ** یعنی بلا کو دعا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر افسوس یہ ہے کہ اس بلا کے دفعہ کے لئے کس قدر دعائیں کی گئیں، کس قدر گریہ وزاری لوگوں نے کی، مگر بظاہر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا عالمِ اسباب ہے یہاں کے ہر امر کو اللہ نے اپنی قدرت کے اسباب کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے کہیں سبب کا پتہ چلتا ہے کہیں نہیں، اثر نہ ہونے کا بھی کچھ سبب ہوگا مثلاً پانی پینا پیاس بُجھانے کا سبب ہے مگر مرض استسقا کا بیمار کتنا ہی پانی پی جائے پیاس نہیں بجھتی کھانا بھوک جانے کا سبب ہے مگر جو شخص جوع البقر کے بیماری میں مبتلا ہو کتنا ہی کھاوے بھوک نہیں مٹتی اس کی وجہ یہ ہے کہ استسقا اور جوع البقر کا مادّہ فاسد پانی اور کھانے کے تاثیر کا مانع ہے اسی طرح

دُعا حصول مطلب اور دفع بلا کا سبب ضرور ہے مگر اسباب خارجی دُعا کو قبولیت سے روک دیتے ہیں مثلاً حرام خوری، حرام کاری، ظلم، جھوٹ بولنا وغیرہ افعال دُعا کو دراِجابت تک پہنچنے نہیں دیتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللہَ لاَ یَقْبَلُ دُعَاءً مِّن قَلْبِ لاَہٍ غَافِلٍ یعنی اللہ ایسے دل کی دعا قبول نہیں کرتا جو اللہ سے غافل لہو ولعب میں مبتلا ہو اور صحیح مسلم میں ہے اَلرَّجُلُ یُطِیلُ السفرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَہُ اِلَی السَّمَاءِ یَقُولُ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُہُ حَرَامٌ ومشربہ حرامٌ ومَلْبَسُہُ حَرَامٌ وُغُذِّیَ بالحرامِ فَاِنّی یُستَجَابُ لَہٗ یعنی مرد بڑے بڑے سفر کرتا ہے بال پریشان گرد غبار پڑا ہوا ہاتھ بڑھاتا ہے آسمان کی طرف یعنی دعا کے لئے یا رب یا رب کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ کھانا اس کا حرام، پینا حرام، لباس اُس کا حرام، غذا اس کی حرام، ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوسکتی ہے اور امام احمدؒ نے کتاب الزہدؔ میں روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل پر بلا نازل ہوئی دعا کرنے کو باہر نکلے اللہ نے اُن کے نبی پر وحی بھیجی کہ اُن کو خبر دے دیں کو میدان دعا میں آئے ہیں ناپاک بدن لے کر۔ ایسے ہاتھ میرے سامنے دعا کے لئے اٹھاتے ہیں جن سے ناحق خون بہائے ہیں۔ حرام سے اپنا گھر بھر رکھا ہے۔ میرا غضب اُن پر اب سخت ہوگیا اُن کو دعا سے بجز دوری کے کچھ حاصل نہ ہوگا غرض دعا دفع بلا کا سبب ضرور ہے مگر شرف ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی امر مانع اجابت اور قبولیت کا روکنے والا نہ پایا جاوے ہمیں یہاں یہ سوچنا ضروری ہے کہ ان آفتوں کا باعث یہی ظاہری کثافت اور ظاہری اسباب ہیں جن کے موافق تدبیر حکیم اور ڈاکٹر کررہے ہیں یا کوئی اور سبب ہے۔ تجربہ سے تو معلوم ہو چکا کہ ان کی تدبیر کا اب تک کچھ اثر نہ ہوا اور اکثر مخالف پڑا ہاں کلام الٰہی اور کلام نبوی ہمیں بتاتا ہے کہ ان آفات کے لئے اور اسباب بھی ہیں جن پر ظاہری علاج کرنے والوں کی نظر نہیں جاتی۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح پرہیز گاری اور خوف الٰہی دونوں جہاں کی بہبود اور برکت کا ذریعہ ہے قَالَ اللہُ تعالیٰ وَلَو اَنَّ اَھْلَ القُرٰیٓ آمنو وَاتَّقَوا لَفَتَحْنَا عَلَیھم بَرَکٰتٍ مِّنَ السّمآءِ والاَرْضِ (یعنی اگر گاؤں والے ایمان لائیں اور پرہیز گاری کریں تو اُن پر آسمان اور زمین

سے ہم برکتیں کھول دیتے ہیں) اُسی طرح اللہ سے غافل رہنا اُس سے نڈر ہونا بے باکانہ معصیت کا ارتکاب کرنا آفات اور بلیّات کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللہَ لا یُغَیّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّیٰ یُغَیّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ کہا اللہ تعالیٰ نے کہ اللہ ہرگز اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

اور فرمایا وَلَوْ اَرَدْنَا اَنْ نُّھْلِکَ قَرْیَۃً اَمَرْنَا مُتْرَفِیھَا فَفَسَقُوا فِیھَا فَحَقَّ عَلَیھَا الْقَولُ فَدَمَّرْنَاھَا تَدْمِیْراً ہم نے کسی جگہ کو برباد کرنا چاہا تو اُس کے عیش پرست لوگوں کو حکم دیا اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے اور ہم نے اس جگہ کو تباہ کردیا۔

اور فرمایا اَوَ لاَ یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُونَ فِی کُلِّ عَامٍ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَینِ ثُمَّ لاَ یَتُوبُونَ وَلاَ ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال متعدد آزمائشوں میں مبتلا کئے جائیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ عبرت حاصل کرتے ہیں اور فرمایا فَلَمّآ اٰسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْھُم فَاَغْرَقْنٰھُم اَجْمَعِیْنَ جب انھوں نے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔

اور فرمایا فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُھُوْا عَنْہُ قُلْنا لَھُمْ کُوْنُوْ قِرَدَۃً خَاسِئِینَ جب وہ باز نہ آئے ان چیزوں سے جن سے باز رہنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر ہوجاؤ۔

اور بھی فرمایا فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّھِمْ فَاَخَذَھُمْ اَخْذَۃً رَّابِیَۃً انھوں نے رسول خدا کی نافرمانی کی تو خدا نے ان سے سخت مواخذہ کیا۔

اور بھی فرمایا اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ وہ بہت بُرے لوگ تھے اس لئے ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔

اس کے سوا اور بہت آیتیں ہیں جن سے صراحتہً یہ بات ظاہر ہے کہ ہماری بدکرداریاں اللہ کے قہر اور غضب کو جوش میں لاتی ہیں جو ہمارے نکبت عذات کا سبب ہوتا ہے فی الحقیقۃ بغور دیکھئے تو تمام شر و فساد کے بیخ و بنیاد یہی ہماری بدکرداریاں ہیں بہشت جیسے فرحت و سرور اور نعمت کی جگہ سے اس دنیا کے دارالبلا میں کس نے پہونچایا ایک ذلّت اور لغرش نے شیطان جیسے عابد و زاہد کو مردود ابدی اور راندۂ درگاہ ایزدی کس نے بنایا۔ معصیّت سے قومِ نوح پانی میں ڈبو دی گئی

تمام زمین ڈوبی رہی یہاں تک کہ پہاڑ کی چوٹی تک پانی پہونچا اسی کی شامت سے عاد کی قوم والے جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے اس جہان کے لوگوں سے نرالے تھے چھوٹے سے چھوٹا قد والا آدمی بارہ گز سے کم کا نہ ہوتا بہت بڑے بڑے پتّھر جسے ایک جماعت مل کر بمشکل اٹھا سکتی اُن میں کا اکیلا آدمی ایک ہاتھ سے اُٹھا کر پھینک دیتا رفتہ رفتہ انھیں اپنی قوت پر گھمنڈ ہوا اللہ کی عبادت سے غافل ہوئے اطراف وجوانب کے کمزور لوگوں پر ظلم کرنے لگے حضرت ہود علیہ السلام اُن پر نبی بھیجے گئے آپ ظلم سے بُت پرستی سے اُن کو ممانعت فرماتے مگر وہ ایک نہ سنتے مقابلہ پر آتے عذاب سے ڈراتے تو کہتے مَنْ اَشَدُّمِنَّا قُوَّۃً ہم سے قوۃ میں کون زیادہ ہے ہمارے زور وقوت کے آگے عذاب کیا کرسکتا ہے؟ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی شامت اعمال سے تین سال تک ان پر قحط مسلّط کیا جب سخت پریشان ہوئے مکّہ معظّمہ میں ستّر آدمی دعا کے لئے بھیجے یہ سب کچھ ہوا مگر حضرت ہود علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہوئے بہت دعا مانگی کچھ اثر نہ ہوا عمالقہ کے قوم اُس زمانہ میں مکہ میں مسلّط تھی اُن سے سارا ماجرا بیان کیا مرشد نامی ان میں کا ایک شخص تھا اس نے صلاح دی کہ تمھیں یہاں دعا کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اپنے نبی کی بات مانو اور دین حق قبول کرو تو نجات پاؤ گے چونکہ تمھارے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قحط عذاب الٰہی ہے محض دعا سے دفع نہ ہوگا۔ یہ مرشد سے کہنے لگے کہ ہم پانی کی امید پر آئے تھے ناکام جائیں گے تو ہماری بڑی خفّت ہوگی کچھ ایسی تدبیر نکالو کہ بامقصد جائیں۔ اس نے کہا بہتر۔ تم سب ننگے پاؤں ننگے سر حاجیوں کی شکل بنا کر کوہ صفا پر چڑھ جاؤ وہاں سے جب کعبہ دکھائی دے تو یوں دعا کرو کہ الٰہی اگر ہود علیہ السلام سچّے ہیں اور فی الواقع نبی ہیں تو ان کے طفیل میں ہم پر پانی برسا کہ ہم اسی اُمید پر آئے ہیں جب تین دن یوں ہی کیا تو تین قسم کی بدلی نمودار ہوئی سفید، سُرخ اور سیاہ اور آواز آئی کہ ان میں سے جسے چاہو اپنے لئے اختیار کرلو انھوں نے سیاہ بدلی اختیار کی اور اپنے ملک کو روانہ ہوئے وہ بدلی اُن کے ساتھ ساتھ چلی جب قریب پہونچی جلدی سے اپنی قوم کو کہلا بھیجا کہ ہم بدلی لے کر آئے ہیں تم حوض تالاب صاف کر رکھو اور کھیتی کا سامان ہل، بیج وغیرہ مہیّا کرلو کہ تمھاری خواہش کے موافق پانی برسے گا سب کے سب بہت خوش ہوئے کہ دُعا

ہماری قبول ہوئی اور بدلی آئی۔ حضرت ہود علیہ السلام پر طعن کرنے لگے کہ تم تو کہتے تھے بلا آئے گی دیکھو بلا کے بدلے بدلی آئی۔ اب پانی برسے گا قحط دور ہوگا آپ نے فرمایا کہ بدلی نہیں ہے عذاب الٰہی ہے، اس سے بچو اور اب بھی ایمان لاؤ ورنہ اسی بدلی سے تم پر بلا آئے گی اور ہلاک ہوگے۔ وہ بولے کہ بھلا بدلی سے کیوں کر بلا آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ سخت آندھی چلے گی اور تم ہلاک ہوگے تمھاری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر تتر بتر ہوجائیں گی کہنے لگے کہ تم ہمارا زور، ہماری قوت دیکھتے ہو اور ہوا جیسی کمزور چیز سے ہمیں ڈراتے ہو یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بدلی پہونچ گئی اور تیز آندھی چلنے لگی اس قدر چلی کہ حدیث میں آیا ہے فرشتے جو ہوا کے محافظ تھے وہ روکتے تھے کہ کہیں بے گناہوں کو بھی ہلاک نہ کرے مگر اُن کے اختیار سے باہر تھی عاد کے قوم کے لوگ بڑے بڑے مضبوط قلعوں میں چھپے مضبوط رسّوں سے اپنے تئیں باندھا اپنے جانوروں کو بڑی بڑی زنجیروں میں جکڑ رکھا عورتوں کو آہنی ہودوں میں بٹھا کر زنجیروں سے باندھ دیا قوی ہیکل اونٹوں پر سوار کر کے اونٹوں کو مضبوط زنجیروں میں کس دیا مگر ہوا ان کو اور ان کے اونٹوں کو ان کے مکانات کو اس طرح زمین سے اوپر اُڑائے پھرتی جیسے ہوا میں پتنگے اور تنکے اُرتے پھرتے ہیں اور لے جا کر زمین پر پھینک دیتی حتی کہ سب کے سب ہلاک ہوگئے اس قصے کو اللہ تعالیٰ سورہ حاقّہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔ اَمَّا عَادٌ فَاُھْلِکُوا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَۃٍ سَخَّرَھَا عَلَیْھِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمَانِیَۃَ اَیَّامٍ حُسُوماً فَتَرَ الْقَوْمَ فِیھَا صَرْعیٰ کَاَنَّھُم اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٌ (یعنی عاد کی قوم ہلاک کی گئی ایسی تیز ہوا سے جس سے سخت آواز نکلتی حافظین ہوا کے اختیار سے باہر ہوگئی تھی مسلط کر رکھا تھا عاد کے قوم پر سات راتیں اور آٹھ دن برابر، کہ دیکھتے تم اُس قوم کے لوگوں کو گرے ہوئے اور گویا کہ وہ تنے ہیں کھوکلے درختوں کے) یہ ہلاک اُن کو کیوں نصیب ہوئے اُسی گُناہوں کے شامت سے پھر ثمود کی قوم قوم عاد کے ہلاک ہونے کے بعد عرب میں پھیل گئی تھی ان کا وطن شام اور حجاز کے درمیان میں تھا جو شہران کا شام کے جانب سے تھا اس کا نام حجر تھا اور جو حجاز کے جانب تھا اس کا نام ورای القری ان دونوں شہروں کے درمیان میں چودہ سَو بستیاں اُن کی آباد تھیں سنگ تراشی میں ان کو خاص قابلیت تھی شدہ شدہ بُت تراش کر پوجنے لگے حضرت صالح

اُنھیں کے قوم میں ایک شخص تھے جن کی راست بازی اور دیانت اور تقویٰ کا ان کو پورا پورا یقین تھا وہ اُن پر نبی کئے گئے انھوں نے ان کو بہتر سمجھایا کہ بُت پرستی چھوڑ و اُنھوں نے ایک نہ سنا آخر آپ سے معجزہ طلب کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ اگر معجزہ تمھارے کہنے کے موافق ظاہر ہوا تو ایمان لاؤ گے بولے ہاں آپ نے فرمایا معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہی لاؤ گے تو سخت عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے جب قول وقرار ہوگیا آپ نے اللہ سے دُعا کی اور جیسا انھوں نے کہا کہ اُسی کی موافق آپ کے معجزہ سے پہاڑ سے ایک اُونٹنی نکلی جس کی پیشانی سیاہ اور سارا بدن سفید تھا اور بڑے بڑے بال تھے اور قد آور تھی کہ دیکھنے میں پہاڑ کی ٹیکری معلوم ہوتی اور اُسی وقت اُس نے ایک بچّہ جنا وہ بچّہ بھی اسی وقت ہو بہو اپنی ماں کی شکل پر ہوگیا یہ حال دیکھ کر سب کو حیرت ہوئی ان میں جندع بن عمرو تو چھ ہزار آدمی کے ساتھ آپ پر ایمان لایا باقی سب کے سب حضرت صالح علیہ السلام کو جادوگر بتانے لگے اور ان کے معزّز لوگ غریبوں کو ایمان لانے سے روکتے۔ حضرت صالح کی خدمت میں کلمات سخت بکتے آپ نے صبر فرمایا اور کہا کہ خیر جو کچھ ہوا ہوا اب اس اونٹنی اور اس کے بچے کی تعظیم کرو۔ اونٹنی کا جسم بہت بڑا تھا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت کے صحابی فرماتے ہیں کہ میں ثمود کے شہر میں گیا تھا اس اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ کی میں نے پیمائش کی وہاں وہ جگہ مشہور ہے لوگ اُس کی زیارت کرتے ہیں ساٹھ گز کی جگہ تھی غرض چونکہ عظیم الجثّہ تھی جہاں پانی پینے کو جاتی یا جس جنگل میں چرنے کو جاتی کوئی جانور ہیبت سے پاس نہ آتا سارا پانی پی جاتی حضرت صالح علیہ السلام نے اور جانوروں کی رعایت سے باری مقرر کردی ایک دن اور جانوروں کے لئے ایک دن اُس اونٹنی کے لئے اس پر بھی اس قوم کو صبر نہ آیا اور چاہا کہ اُس اونٹنی کو نیست و نابود کردیں قُذار بن سالف اُنھیں میں سے ایک شخص نہایت شوخ چشم بد وضع تھا اس کا ایک ہم مشرب چچا زاد بھائی تھا مصدع بن واحد یہ دونوں مع اور سات آدمیوں کے ایک فاحشہ عورت کے کہنے سے جن سے ان لوگوں کا لگاؤ تھا اونٹنی کے مارنے کے لئے مستعد ہوگئے اور تلواریں لے کر ایک تنگ راستہ میں جا بیٹھے جب اونٹنی چراگاہ سے آنے لگی تلواریں لے کر پہنچ گئے اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا مارا تو انھیں لوگوں نے جن کا سردار قذار بن سالف تھا

مگر قوم کے سب لوگ اس فعل سے راضی تھے اس واسطے کہ سبھوں نے اس کے گوشت کے حصّے لگا کر آپس میں بانٹ لئے حضرت صالح علیہ السلام نے جب خبر سُنی تو بہت افسوس فرمایا اور کہا کہ خیر جو کچھ کیا کیا اب اُس کے بچّہ کی تعظیم کرو ورنہ تم پر سخت عذاب اللہ کا اُترے گا قذار وغیرہ نے پھر بھی کچھ توجہ نہ کیا اور بچّہ کی فکر میں چلے بچّہ پہاڑ پر بھاگ گیا حضرت صالح علیہ السلام مع جماعت مسلمانوں کے پہاڑ کی طرف گئے کہ بچّہ کو بچاویں بچّہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو جو دیکھا تو تین آوازیں دیں دفعتہً پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے اندر وہ گھُس گیا حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آواز کی تعبیر یہ ہے کہ تمھیں تین روز کی مہلت ہے پہلے دن تمھارا چہرہ زرد ہوگا، دوسرے دن سُرخ، تیسرے دن سیاہ، پھر عذاب نازل ہوگا چنانچہ بُدھ کے دن شام کے وقت یہ واقعہ شروع ہوا جمعرات کی صبح کو جو سو کر اُٹھے تو مُنھ اُن کے زرد تھے سبھوں کو یقین ہوا کہ عذاب الٰہی نازل ہوا چاہتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کا فرمانا ٹھیک ہے اس پر بھی ان کے عقل پر پتّھر پڑے تھے کہ ایمان نہ لائے قذار نے مع اور آٹھ آدمیوں کے قسم کھالی کہ عذاب نازل ہونے کے بیشتر صالح علیہ السلام کا کام تمام کردیں رات کو یہ نَو آدمی حضرت صالح علیہ السلام کی فکر میں نکلے آپ مسجد میں ان کے حال سے بے خبر یاد الٰہی میں مصروف تھے وہاں ایک درخت تھا اس نے باآواز بلند آپ کو خبر دی کہ یہ لوگ اس ارادہ سے آرہے ہیں آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں اور گھر کا دروازہ بند کرلیں آپ نے ایسا ہی کیا جب یہ جماعت مسجد میں آئی تو آپ کو نہ پایا آپ کے مکان پر گئے دروازہ بند تھا چاہا کہ دروازہ توڑ کر اندر گھُس جائیں اتنے میں آسمان کے فرشتے حضرت صالح علیہ السلام کی حمایت کو آئے اور اپنے پروں کو قذار اور اس کے ساتھیوں کو مارا کہ سب کے سب اندھے ہوگئے اور دیوار میں ٹکرانے لگے کسی کا سر پھوٹا اور کسی کا پاؤں ٹوٹا سب کے سب ہلاک ہوگئے صبح کو شہر والے جو سو کر اُٹھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ سب کے مُنھ سرخ ہیں قذار کی تلاش میں نکلے تو حضرت صالح علیہ السلام کے مکان کے قریب اُن کی لاشیں ملیں۔ یہ ماجرا اُنھوں نے اپنے رئیسوں سے ذکر کیا سب جمع ہوکر حضرت صالح علیہ السلام کے مقابلہ کو آئے آخر جندع بن عمرو جو پہلے چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام پر

ایمان لائے تھے آپ کی حمایت کو اُٹھے کچھ دیر لڑائی رہی آخر کو صلح ہوئی اس شرط پر کہ حضرت صالح اس بستی سے باہر چلے جائیں آپ نے غنیمت جانا اور مع جندع کی جماعت کے باہر تشریف لے گئے سنیچر کو یہ لوگ اُٹھے تو سب کے مُنھ کالے تھے اُن کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب آئے بغیر نہیں رہتا یہ مشورہ کیا کہ یہ بڑی بڑی مستحکم سنگین عمارتیں جو بنا رکھی ہیں ان کو خالی کر رکھیں جب عذاب آئے گا اس میں جا چھپیں گے نہ زمین کے بلا سے اُس کو کچھ صدمہ پہنچے گا نہ آسمان کے غرض اتوار کے دن حضرت جبریل آسمان اور زمین کے بیچ میں ایک غضب ناک شکل پر ظاہر ہوئے اور ایک سخت آواز سے چلّائے کہ اُس کے صدمہ سے پہاڑ ہِل گئے آندھی چلنے لگی یہ سب کے سب مکانوں میں گھُس گئے پھر ایک آواز اور دی پہلے سے زیادہ سخت اُس کے صدمہ سے یہ سب لوگ اوندھے مُنھ گھُٹنوں کے بل گر پڑے مکانات ٹوٹ پھوٹ کر اُن پر گرے اور سب ہلاک ہو گئے ایک بھی اُن میں کا نہ بچا حضرت صالح نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اب اس ملک کو چھوڑ دو یہاں غضب الٰہی نازل ہو رہا ہے پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبوک کے سفر میں شہر ہجر کے دروازہ پر گذرے فرمایا اس زمین پر کوئی شخص کھائے پیئے نہیں اور شہر پر نہ گذرے مگر روتا ہوا عبرت لیتا ہوا کہ قوم ثمود کی روحیں اس شہر میں عذاب میں مبتلا ہیں حدیث میں آیا ہے کہ فرقہ ثمود میں سے کوئی نہ بچا بجز ایک شخص کے جس کا نام ابوزغال تھا وہ عذاب کے وقت مکہ میں تھا جب تک یہاں رہا عذاب سے بچا رہا طائف کے ارادہ سے حرم سے باہر نکلا راہ میں مبتلائے عذاب ہوا حضرت جب طائف جاتے تھے اس کے قبر پر گذرے وہاں کے لوگ اس کی قبر پر پتّھر مارتے تھے آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اور اس کا پورا قصّہ بیان کیا اور ارشاد کیا کہ اُس کے ساتھ ایک سونے کی کوئی چیز دفن ہے لوگوں نے تلوار سے اُس کی قبر کھودی تو واقع میں وہ نکلی یہ ساری بلا قوم ثمود پر بھی اللہ و رسول کے نافرمانیوں اور گناہوں سے آئی لوط کی قوم ایسے بُرے فعل کے مرتکب ہوئی جو کبھی کسی نے نہیں کیا تھا جس کو اللہ فرماتا ہے کہ **اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ**۔ علاوہ اس کے اور افعال ان کے تھے کبوتر اُڑانا، عورتوں کی طرح مسّی ملنا، ہاتھ پاؤں میں مہدی لگانا فحش بکنا مسخرہ

پن کرنا آپس میں بے حیائی کی باتیں کرنا جو مسافر غلّہ خرید نے اُن کے یہاں آتے اُن سے مسخرہ پن کرتے، ان کو ستاتے، ان کے پانچ یا چھ بستیاں تھیں سب سے بڑا شہر سدوم تھا چار لاکھ آدمی وہاں بستے تھے حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اُن پر نبی کر کے بھیجے گئے آپ بیس سال تک اُنھیں سمجھاتے رہے مگر وہ نہ ایمان لائے نہ اپنی بدکرداریوں سے باز آئے آخر اللہ نے بستیوں کو نیچے سے اُکھاڑ کر اُٹھوایا اور اُن پر اُلٹا دیا اُس کے تلے دب کر سب مر گئے یہ اُن کے اس بدکرداری کی سزا تھی جو وہ قلب موضوع کرتے تھے جلے ہوئے پتھر مارے گئے یہ اُس لذت کی سزا ہے جو اُس فعل سے لیتے تھے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو جابجا ارشاد فرمایا سورہ ہود میں فرماتا ہے **فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** ایک اہل قریہ کا قصہ ہے جس کو اللہ نے سورۂ اعراف میں ذکر فرمایا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اُس قریہ کا نام ایلہ تھا جو آباد تھا، مابین مدین اور طور کے دریا کے کنارہ پر۔ اور بعض نے کہا کہ وہ قریہ تھا طبریہ شام میں اُن پر سنیچر کے دن مچھلی کا شکار حرام تھا اس سبب سے سنیچر کے دن امن کا روز سمجھ کر تمام مچھلیاں کنارہ آ کر اکٹھا ہو جاتیں اور اس قدر مجتمع ہو جاتیں کہ تمام پانی چھپ جاتا سب کا حال اللہ فرماتا ہے۔ **اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا** جب سنیچر کا دن گذر جاتا تو سب کی سب پانی کے اندر چلی جاتیں جس کو اللہ فرماتا ہے **وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ** شیطان نے اُنھیں وسوسہ دلا دیا کہ سنیچر کے دن فقط شکار کے پکڑنے کی ممانعت ہے چند لوگوں نے کنارہ دریا کے حوض بنائے اور اُس میں دریا کے طرف راستہ اور موریا بنائیں جمعہ کی شام کے وقت راستے کھول دیتے جب سنیچر کا دن ہوتا تو مچھلیاں حسب معمول کنارے آنے لگتیں موج کے ریلے میں کنارہ سے حوض میں آ گرتیں تو وہ راستے بند کر دیتے لوٹ کر پھر دریا میں نہ جا سکتیں سنیچر گذر جاتا تو پکڑ لیتے ایک زمانہ دراز تک یہی عمل کرتے رہے اور تجارت کرنے لگے اور مال کثیر اُن کے پاس جمع ہو گیا اور کوئی عذاب اُن پر نازل نہ ہوا اس پر اُن کو گھمنڈ ہو گیا اور یہ سمجھنے لگے کہ سنیچر کا شکار اُن کے لئے حلال ہو گیا اس میں اُن لوگوں کے تین فرقے ہو گئے اور سب ستّر ہزار آدمی تھے ایک وہ جو خود بھی رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے

رہے دوسرے وہ جو خود تو باز آئے مگر اوروں کو نہیں روکا اور خاموشی اختیار کی اور یہ کہتے کہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَ نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُم عَذَاباً شَدِيْداً تیسرے وہ جو بے باکانہ شکار کرتے روکنے والوں نے اُنھیں سمجھایا کہ تم باز نہیں آتے تو ہم تمھارے ساتھ قریہ میں نہ رہیں گے اس پر قریہ کے بیچ میں ایک دیوار حد فاصل کی طور پر کھینچ دی گئی اُس میں دو دروازے تھے ایک مسلمانوں کا دوسرے گنہگاروں کا۔ جب اُن کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اُنھیں بددُعا دی اور غضب الٰہی نازل ہوا روکنے والے ایک دن صبح کو نکلے اور مخالفوں میں سے کوئی نہ نکلا اور نہ ہی دروازہ کھولا جب دیر لگی تو یہ لوگ دیوار پھاند کر اندر گئے دیکھا تو وہ سب کے سب بندر ہوگئے تھے جب دروازہ کھولا تو اُن لوگوں نے تو ان کو نہ پہچانا مگر انھوں نے اپنے کہنے والوں کو پہچان لیا تین دن تک وہ لوگ زندہ رہے پھر سب کے سب ہلاک ہوگئے اور کوئی اُن میں کا نہ بچا جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُم كُوْنُوا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی بدلی بھیجی گئی جب اُن کے سر پر پہنچی آگ ہو کر برسی یہ سارے نکبت گناہ کی شامت سے ہے۔ یہ عذاب کچھ اگلے ہی قوموں کے ساتھ مخصوص نہیں جب اور جس وقت لوگ بے باکانہ اللہ کی نافرمانی کریں عذاب کا منتظر رہنا چاہئے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سُنا کہ جب میری اُمت میں گُناہ کھلّم کھلّا ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ عام عذاب اُن پر بھیجے گا اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اس وقت نیک لوگ ان میں نہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہ ہوں گے، میں نے عرض کیا، کہ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا، آپ نے فرمایا جو بلا سب کو پہنچے گی اُن کو بھی پہنچے گی، مگر اُن لوگوں کے لئے وہ بلا موجب بخشش اور مغفرت ہوگی، اور اُن کے لئے سبب عذاب، سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے گروہ پانچ خصلتیں ہیں میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ خصلتیں تمھیں پہنچیں اُن پانچ خصلتوں میں سے حضرت نے ایک خصلت یہ ذکر فرمائی کہ کسی قوم میں کوئی فحش اور گُناہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لوگ اُسے کھلّم کھلّا کرتے ہوں مگر وہ لوگ طاعون اور ایسی بیماریوں میں مبتلا

کئے جاتے ہیں جو کبھی اُن کے اگلوں میں نہ تھیں۔ میں ان احادیث کو جو دُنیاوی عذاب کے متعلق ہیں آگے ذکر کروں گا۔ گُناہوں کی شامت سے جو کچھ آفت نہ آئے کم ہے گناہ میں اس قدر مضرتیں ہیں جو دل کی، روح کی، بدن کی، ایمان کی نقصان پہنچانے والی ہیں جن کا پورا پورا علم تو اللہ کو ہے۔ مگر ہم آگاہ کرنے کے لئے چند مضرتیں یہاں بیان کرتے ہیں۔

اوّل گُناہ کرنے والا علم کی دولت سے محروم رہتا ہے اس لئے کہ علم ایک نور ہے جو اللہ اپنے کرم سے انسان کے دل میں ڈالتا۔ گناہ کی تاریکی اُس نور کو آنے نہیں دیتی اور آیا ہو تو بُجھا دیتی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی   فاومانی الیٰ ترک المعاصی
فان العلم فضل من الله   وفضل الله لا یعطی لعاصی

یعنی میں نے اپنے اُستاد وکیع سے اپنی فوت حافظہ کے نقصان کی شکایت کی انھوں نے جواب میں مجھے نصیحت کی کہ گناہ چھوڑ دو اس لئے کہ علم اللہ کا ایک فضل ہے اور اللہ کا فضل گنہگار کو نہیں ملتا۔ دوسرے (۲) گناہ سے روزی کی برکت کم ہوجاتی ہے جس طرح تقویٰ اور پرہیزگاری سے روزی میں برکت ہوتی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی جو اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے اللہ اُسے ہر تنگی سے فراخی دیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ اُس کے گمان میں نہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہوا کہ جو اللہ سے نہ ڈرے اس کے لئے فراخی ہے نہ روزی میں برکت۔ تیسرے (۳) ایک گناہ کرنے سے دوسری گناہ کرنے پر جرأت ہوتی ہے اس لئے بعضے بزرگوں نے لکھا ہے کہ گناہ کی کم سے کم شامت یہ ہے کہ اُس سے دوسرا گناہ پیدا ہوا اور نیکی کی برکتوں میں سے کم سے کم یہ برکت ہے کہ دوسری نیکی کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ جب انسان ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کے قریب کا ایک دوسرا گُناہ اُسے ترغیب دیتا ہے کہ مجھے بھی کر۔ جب اس کا مرتکب ہوا تو اس کے قریب کا تیسرا گناہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ایسا ہی نیکی کا حال ہے کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی کی رغبت ہوتی ہے یہاں تک کہ نیکی یا بدی کرنے والے کے لئے نیکی یا بدی ایک لازمی عادت ہوجاتی ہے۔ کہ اُس کے

چھوڑنے میں تکلیف ہوتی ہے فُسّاق اور فُجّار کو دیکھئے بہت سے ایسے ملیں گے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہیں بتقضائے ایمان اسے بُرا بھی جانتے ہیں اُس سے چنداں رغبت بھی نہیں ہوتی۔ مگر خوگر ہونے کی وجہ سے اس گناہ سے ایسا لگاؤ ہوجاتا ہے کہ چھوڑنا دُشوار ہوتا ہے اسی طرح جب آدمی کسی طاعت پر ہمّت باندھ کر مضبوطی سے ادا کرے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس کے لئے معیّن کرتا ہے ہمیشہ وہ اُس کے مددگار رہتے ہیں اور غفلت سے جگاتے ہیں بدی کرنے والے کے مددگار شیطان اور ان کے وساوس اور خطرات ہوتے ہیں۔ چوتھے (۴) جب انسان گناہ کا عادی ہوگیا تو اس کا دل توبہ کی جانب مائل نہیں ہوتا گناہ کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور توبہ کی رغبت گھٹتی جاتی ہے ہوتے ہوتے بالکل توبہ کا قصد دل سے نکل جاتا ہے اگر کی بھی تو زبانی نہ گناہ کے ترک کرنے کی نیت تھی نہ گناہ کے بے رغبتی کی وجہ سے خیر توبہ کو اللہ دوست رکھتا ہے جس کے شان میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ۔ وہ محض تے واؤ بے ہ کے زبان پر لانے کا نام نہیں کہ زبان پر توبہ توبہ اور استغفار، مگر دل میں ذوق معصیت اور اُس پر اصرار، کہ گو ہزار توبہ توبہ کہیں مگر موقع ملے تو کرنے میں نہ چوکیں، بقول شخصے بھلا سید رند کی توبہ ہی کیا جو خدا اسے دے تو وہ کیا نہ کرے۔ پانچویں (۵) جب گناہ کرتے کرتے اُس سے مناسبت ہوجاتی ہے تو اُس کی بُرائی نظر میں نہیں رہتی بے باکانہ کرنے لگتا ہے نہ خدا کا ڈر رہتا ہے نہ خلق کا خیال بلکہ نصیحت کرنے والوں کی نصیحت سے لڑنے پر آمادہ ہو گناہ کرنے پر فخر ہو ہم نے دیکھا ہے کہ شراب خوار زناکار اپنے اس فعل بد کو افتخاراً آپس میں بیان کرتے ہیں۔ کسی کو فریب دینا جعل سازی مکّاری سے کسی کا مال ہضم کرلینا، کسی کی جائداد ضبط کرلینا، کسی کی عزّت آبرو کو نقصان پہنچانا بڑی عقلمندی کا کام سمجھا جاتا ہے۔ جو اس سے بچے وہ احمق اور بے وقوفوں میں گنا جاتا ہے ایسے لوگوں سے گناہ چھوڑنے اور توبہ کرنے کی کون سی اُمید ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا **ان کل امتی معاف الا المجاھرین** یعنی میری ساری اُمّت معاف کی جائے گی بجز مجاہرین کے لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مجاہرین کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ اللہ تو اُس کے گُناہ کو چھپائے اور یہ کھلم کھلا بیان کرے کہ میں نے فلاں وقت فلاں گناہ کیا اللہ نے اُس کی پردہ داری کی اور

اُس نے پردہ دری۔ چھٹے (٦) گناہ کرنے سے اللہ کی حضور میں آدمی ذلیل اور حقیر ہوتا ہے اور جو اللہ کے نزدیک ذلیل اور حقیر ہو اس کو کہیں عزت نہیں ملتی۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ جسے اللہ ذلیل کرے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں'' یہ کوئی عزت نہیں کہ اُس کی شر و فساد کے ڈر سے یا کسی طمع سے کوئی خوشامد کرے کہ خوشامد کرنے والے کے دل میں بھی اُس کی عزت نہیں ہوتی صرف زبانی جمع خرچ ہوتی ہے۔ جو اللہ سے ڈرنے والے اور گناہ سے بچنے والے ہیں اُن کی مسلمان تو مسلمان غیر قومیں بھی ظاہر میں بھی اور دل سے بھی عزت کرتے ہیں۔ ساتویں (۷) شامت گناہ کا اثر گناہ کرنے والے ہی کی ذات تک نہیں رہتا بلکہ اوروں کو بھی پہنچتا ہے جانور تک اس کی آفت میں مبتلا ہوجاتے ہیں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حباریٰ ایک چڑیا ہے اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم سے پناہ مانگتی ہے مجاہد فرماتے ہیں کہ چوپائے گنہگاروں پر لعنت کرتے ہیں اور عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چوپائے کیڑے سانپ بچّھو گنہگاروں سے پناہ مانگتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں کہ اُن کی شامت سے پانی بند ہوجاتا ہے قحط سالی ہوجاتی ہے یہ بے گناہ آفت میں پڑتے ہیں ان سب کے لعنت کا اثر گنہگار کو جھیلنا پڑتا ہے۔ آٹھویں (۸) گناہ کرتے کرتے گناہ نظر میں حقیر ہوجاتا ہے اور یہ سخت ہلاکت کا ذریعہ ہے مریض جب تک مرض کو سخت اور مہلک سمجھے گا اس کے دفع کی فکر کرے گا اور جب اُسے حقیر سمجھ لیا تو دفع کا خیال بھی نہ ہوگا'' جو گناہ، گناہ کرنے والے کی نظر میں حقیر ہو اللہ کے نزدیک بڑا ہوجاتا ہے اس واسطے وارد ہوا ہے کہ **لا صغیرۃ مع الاصرار و لا کبیرۃ مع الاستغفار** یعنی کوئی گناہ کیسا ہی چھوٹا ہو جب آدمی اُس پر ہٹ کرے اور برابر کرتا چلا جائے چھوٹا نہیں رہتا اور کوئی کتنا ہی بڑا گناہ ہو جب استغفار کرے تو بڑا نہیں رہتا تھوڑی تھوڑی چنگاریاں جب اکٹھا کی جائیں تو آگ کا ایک بڑا انبار ہوجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گناہ کے چھوٹے موٹے کو نہ دیکھو اُس شخص کی جلالت اور عظمت اور بزرگی کو دیکھو جس کا گناہ کرتے ہو بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومن گناہ کو یوں سمجھتا ہے کہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے ڈر ہے کہ کہیں اس پر نہ پڑے اور فاسق اپنے گناہ کو یوں خیال کرتا ہے کہ گویا ایک مکھی ہے ناک پر آبیٹھی

ذرا اشارہ کیا اُڑ گئی۔نویں(۹) گناہ ذلّت اور خواری پیدا کرتا ہے اس لئے کہ ساری عزت اللہ اور
رسول کی اطاعت میں ہے فرمایا اللہ تعالی نے مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعاً یعنی جو
عزت کا خواہاں ہو تو ساری عزت اللہ کی ہے یعنی اس کی اطاعت سے طلب کرے تو پا سکتا ہے
یعنی بزرگوں نے دُعا کی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّنِی بِطَاعَتِکَ یعنی اے اللہ مجھے عزت دے اپنی اطاعت
سے اور ذلیل نہ کر اپنی گناہ سے ۔دسویں (۱۰) گناہ کی شامت سے انسان کی عقل جاتی رہتی
ہے۔عقل ایک نورانی چیز ہے جس سے اچھے بُرے حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے گناہ کی تاریکی سے
وہ روشنی جاتی رہتی ہے۔کافر کا یہاں ذکر نہیں ہمارے مخاطب یہاں مومن ہیں ہر مومن اس بات
کو یقینی جانتا ہے کہ ہر جانب سے اللہ کے قبضہ اور اختیار میں گھرا ہے اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ
یعنی اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی فعل کوئی قول کوئی حرکت کسی کی اللہ سے چھپی نہیں وَ مَا
یَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّکَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ یعنی آسمان اور زمین میں کوئی
چیز ذرہ کے برابر بھی اُس سے چھپی نہیں وَ اللّٰہُ مَعَکُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ یعنی اللہ تمھارے ساتھ ہے
جہاں رہو اس طرح جس کے قبضہ میں بے بس ہوں اُس کے فرشتے اس کی نگرانی کے لئے ہر لحظہ
موجود بھلائی برائی لکھنے کو آمادہ اس کی روزی کی اس کی حفاظت کے ہر لحظہ محتاج پھر اُس کے جانب
سے اس کی نصیحت کرنے کے لئے ناصح موجود قرآن مہیا موت بیماری تکالیف دُنیاوی تنبیہ کے
لئے اکٹھا اور پھر یہ بھی یقین کہ گناہ کی لذت بہت قلیل اور بہت تھوڑے زمانہ کے لئے ہے اور گناہ
کے بدولت جو دنیا اور آخرت کی بھلائی ہاتھ سے گئی اور تکلیف اور ذلتِ بدی سر پر پڑی اس
تھوڑی سی لذت سے کہیں بڑھی ہوئی ایسی حالت میں کسی عقلمند کا ہرگز کام نہیں جو اِن باتوں کا
یقین رکھتا ہو کہ گناہ کی طرف ذرا بھی توجہ کرے مگر کیجئے کیا شہوت، غضب، حرص، طمع، عقل پر ایسا
پردہ ڈال دیتی ہے کہ اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ بُری بات اچھّی معلوم ہوتی ہے
۔گیارہویں (۱۱) گناہ کے شامت سے اللہ اور بندے کے درمیان میں انقطاع اور دوری
ہوجاتی ہے جب مُنعم حقیقی سے دوری ہوئی تو بھلائی کی ساری اُمیدیں منقطع ہوجاتی ہیں۔
بارہویں (۱۲) گناہ کی بدولت شیطان جیسے دشمن سے جو حق کا بھی دشمن انسان کا بھی دشمن رسول کا

بھی دشمن اچھے لوگوں کا بھی دشمن ہے مناسبت اور میل پیدا ہوتا ہے کسی غلام کی بے نصیبی اس سے بڑ
ھ کر کیا ہوگی کہ اپنے مالک کے دشمن سے میل پیدا کرے اپنے منعم اور مُحسن کی خدمت سے منھ
موڑے اور اس کے دشمنوں سے ناتا جوڑے اللہ تعالی فرماتا ہے اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَ ذریته اَوۡلِیَآءَ مِنۡ
دُوۡنِیۡ وَ هُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلاً یعنی کیا خدا کو چھوڑ کر شیطان اور اُس کی جماعت کو تم
اپنا مددگار بناتے ہو۔ظالموں کا بُرا بدلہ ہے۔ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں بندے کو اللہ اور
شیطان کے بیچ میں پاتا ہوں اِدھر اللہ سے دور ہوا اُدھر شیطان سے جاملا۔جب تک اللہ سے ملا
ہے شیطان کا اُس کے پاس گذر نہیں۔تیرہویں (۱۳) گناہ کرنے والے سے اچھے نام اچھے لقب
جاتے رہتے ہیں اور بُرے نام اُس کے لئے رکھے جاتے ہیں مثلاً نہ کرتا تو اُس کے نام تھے
مومنؔ۔مسلمؔ۔محسنؔ۔مطیعؔ۔مکرمؔ۔عابدؔ۔زاہدؔ۔قانتؔ۔صادقؔ۔متقیؔ۔طیبؔ۔وغیرہ ذالک۔
گناہ کرنے سے نام ہوئے کافر۔زندیق۔ملحد۔فاسق۔فاجرؔ۔عاصیؔ۔مخالفؔ۔مفسدؔ۔
خبیثؔ۔مغضوبؔ۔سارقؔ۔کاذبؔ۔غادرؔ وغیرہ یہ نام فُسّاق۔فُجّار دُشمنانِ حق کے ہیں۔اللہ فرماتا
ہے بِئۡسَ لِاثۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ وہ نام اللہ کے دوستوں کے تھے خوشنودیٔ الٰہی کے موجب
دخول جنت کا ذریعہ عزت و شرافت کا سبب رحمت اور عنایت کا موجب یہ نام دُشمنانِ حق کے ہیں
جہنم میں جانے کا وسیلہ عقوبت اور عذاب کا ذریعہ ذلت اور خواری کا نشان اللہ کی طاعت میں اگر
اسی قدر عزت ہوتی کہ اچھے خطاب سرکار یزدی سے ملیں اور گناہ میں اگر اتنی ہی ذلت ہوتی کہ
برے نام سے پکارا جائے تو کیا کم تھا نہ کہ اس کے ساتھ اور عقوبت اور عذاب جھیلنا ہو نعوذ باللہ
من ذالک دنیاوی حکام کی اس امید پر کہ کوئی اچھا خطاب مل جائے کس قدر خوشامد کی جاتی ہے
احکم الحاکمین کے دربار سے عمدہ خطاب لینے کے لئے اس قدر غفلت افسوس صد افسوس اللہ تعالیٰ
نے اچھے بندوں کو اپنی صفت سے اپنے لقب سے یاد فرمایا اپنے لئے عزت ثابت کی مومن کو بھی
یہ صفت عنایت کی فرمایا وَ لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِهٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اپنا نام رکھا مومن تو رسول کے حق میں
فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ اور مومنین کے حق میں فرمایا والمومنون اپنی صفت فرماتا ہے سلام۔اُسی سے
مشتق کر کے مومن کا نام رکھا مسلم۔ هُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ایک بزرگ کا ملازم تھا

محمد نام جب وہ غصہ ہوتے تو نام لے کر اُسے نہ پکارتے لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ محبوب کے نام سے جسے پکاروں اُس پر غصہ کروں۔ ماں باپ لڑکے کا نام اچھا رکھتے ہیں اور حضرت نے بھی تاکید فرمائی ہے کہ لڑکوں کا نام اچھا رکھا کرو مثلاً سعید نام رکھتے ہیں گو وہ کم نصیب ہی کیوں نہ ہو۔ یحیٰ نام رکھتے ہیں گو اس کے لئے ایک دن مرنا لازم ہے۔ کامل نام رکھتے ہیں گو ناقص ہی کیوں نہ ہو اس سے غرض نیک فال ہوتی ہے۔ غیب کا حال معلوم نہیں کہ لڑکا اچھا ہوگا یا بُرا اس نام رکھنے سے امید ہے کہ اچھا ہو جائے کسی بزرگ کے زبان پر یہ نام آجاوے ان کے زبان کی برکت سے کیا عجب ہے کہ اچھا اثر دکھاوے اللہ تو عالم الغیب ہے اس نے اپنے بندوں کے نام مسلم اور مومن وغیرہ تجویز کئے تو یقینی وہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہونے والے ہوں گے جس نبی کو اللہ نے اپنے ناموں میں سے کوئی نام دیا وہ نام اُس کے لئے سرمایۂ عزت ہوا اپنا نام شکور کیا حضرت نوح علیہ السلام کو بھی شکور فرمایا اِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً اپنے تئیں حلیم فرمایا اِنَّهُ كَانَ حَلِيماً غَفُوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حلیم فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ اپنے تئیں کریم کہا اِنَّ رَبِّی غَنِیٌّ كَرِيمٌ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کریم کا لقب دیا وَجَآئَ هُم رَسُولٌ كَرِيمٌ اپنے تئیں رؤف ورحیم فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِيمٌ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شان میں فرمایا بالمؤمنین رؤف رحیم۔ بلکہ شیخ عبدالکریم جیلی لکھتے ہیں کہ آیات واحادیث کے ڈھونڈھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خاتم النبیین پر کلام الٰہی اور نبوی میں تمام اسمائے حسنیٰ اطلاق کئے گئے ہیں حتیٰ کہ لفظ اللہ کا بھی اطلاق کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَا رَمَيتَ اِذْ رَمَيتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمیٰ ۔ يَدُاللّٰهِ فَوقَ اَيدِيهِم ۔ وَاِن اَحَدٌ مِّنَ المُشرِكِينَ استَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حتّٰى يَسمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ بہر حال جس کو ایک جگہ اپنی صفت یا اپنے نام سے یاد فرمایا اس کے لئے ہمیشہ کو سرمایہ فخر وناز ہے مومن کو قرآن پاک میں کتنی جگہ تو مومن کا خطاب دیتا ہے اور اُنّاسی جگہ يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا کے لقب سے یاد فرماتا ہے یہ کتنی بڑی عزت ہے بعضے بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ کے ہر نام میں مومن کے لئے ایک تازہ بشارت اور نئی عنایت ہے مثلاً اپنا نام رکھا القوی العزیز بندوں کو اس کے مقابلہ میں ضعیف فرمایا خُلِقَ

الاِنسانُ ضَعِيفاً۔ تا کہ معلوم ہو کہ قوی پر حق ہے ضعیف پر رحم کرے اپنے تئیں حلیم فرمایا۔ ان اللہ کان علیماً حلیما بندوں کو اس کے مقابلہ میں عجول فرمایا خلق اللہ من عجل اپنا لقب علیم حکیم رکھا وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيماً حَكِيماً۔ بندوں کو ظلوم جہول فرمایا اِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً اپنے تئیں غنی فرمایا اَللّٰهُ الغَنِیُّ ہمیں فقیر کہا اَنتُمُ الفُقَرَآئُ تا کہ معلوم ہو کہ غنی کی شان سے ہے فقیروں پر نظر کرنا اپنے تئیں کریم کہا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الكَرِيمِ ہمیں اس کے مقابلہ میں سائل بنایا کریم کی شان سے ہے کہ سائل کو ناامید نہ رکھے اپنے تئیں غفور فرمایا ہمیں اس کے مقابلہ میں مسرف بنایا يَا عِبَادِیَ الَّذِينَ اَسرَفُوا جس کی شان غفّاری کی ہو وہ کسی کے اسراف سے اپنی مغفرت اور رحمت کو روکتا نہیں اپنے تئیں هُوَ مَولٰكُم اور رَبُّكُم فرمایا ہم کو یا عبادی کے نام سے پکارا اس واسطے کہ مولیٰ جس کو اپنا خاص بندہ کہے اُس کی شرم وآبرو اُس کے ہاتھ ہے۔ چودھویں (۱۴) گنہگار نے اللہ کی اور اُس کے حکم کی پرواہ نہ کی اور اللہ بھی اُس کی پرواہ نہیں رکھتا اور جب اللہ نے اس کی پرواہ نہ کی تو ہر ایک کو اس کے ستانے کی جرأت پڑتی ہے موذی جدا۔ ظلم کرنے والے انسان علیٰحدہ۔ شیطان الگ حدیث میں آیا ہے الشیطان ذئب الانسان یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس گلّے سے نگہبان اپنی نگہبانی اٹھالے اُسے آفات سے بچنے کی کیا توقع ہے بعضے بزرگ کا قول ہے کہ جب مجھ سے کوئی گناہ صادر ہوتا ہے تو اس کے اثر سے دیکھتا ہوں کہ میری سواری کے جانور سرکشی کرتے ہیں بی بی کے اخلاق بدل جاتے ہیں غلام خدمت کرنے میں کمی کرتے ہیں۔ پندرہویں (۱۵) ''گناہ کی شامت سے انسان کے دل سے غیرت جاتی رہتی ہے اور غیرت ہی وہ چیز ہے جو بُری باتوں سے روکتی ہے یہ وہ صفت ہے جسے اللہ نے اپنے لئے ثابت کیا'' حضرت نے ایک دفعہ کسوف کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ یا اُمَّۃَ محمد کوئی شخص اللہ سے زیادہ غیرت دار نہیں غیرت ہی کی وجہ سے اُس نے بری باتیں حرام فرمائیں ظاہر ہوں یا چھپی اور کوئی شخص اللہ سے زیادہ معذرت کرنے کو پسند نہیں کرتا اس لئے نبی بھیجے جو خوشخبری بھی سناتے اور ڈراتے بھی ہیں اور کوئی شخص اللہ سے بڑھ کر تعریف کو پسند نہیں کرتا اس حدیث میں کئی باتیں اکٹھا کی گئی ہیں اول غیرت جو دراصل بُری باتوں کو بالطبع دل سے برا جاننے کا نام ہے کوئی غیرت دار کسی برائی یا بے حیائی کی بات کو دیکھ

نہیں سکتا اگر دیکھے گا تو باوجود قدرت رکھنے کے سزا دینے میں ہرگز نہ چوکے گا برائی کرنے والے کے حیلہ اور بہانہ کو نہ سنے گا بلکہ کثرت سے معذرت کا قبول کرنا غیرت کے کمی کی دلیل سمجھی جاتی ہے مگر بارگاہ احدیت میں جہاں غیرت بے انتہا ہے وہاں معذرت بھی حد سے زیادہ پسند کی جاتی ہے تو غیرت اور قبول معذرت دونوں کا ایک جگہ کامل طور سے پایا جانا عقلاً بعید سمجھا جاتا ہے جس میں دونوں علیٰ وجہ الکمال پائے جائیں وہ یقینی بے انتہا مدح وثنا کے قابل ہے اس واسطے آگے ارشاد ہوا کہ وہ مدح وثنا کو پسند کرتا ہے بہر حال غیرت اصل دین ہے اسی لئے وہ گناہ جن کا منشاء بے غیرتی ہوتی ہے نہایت درجہ کے عذاب کے قابل ہیں دیوث کے حق میں وارد ہوا کہ جنت اُس پر حرام ہے جو لوگ کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں پرواہ نہیں کرتے وہ چھپا کر گناہ کرنے والوں سے بدتر ہیں کیونکہ انھیں غیرت نہیں اور غیرت انسان کے دل میں وہ قوت ہے جو برائی سے روکتی ہے جب غیرت نہیں تو جو جی چاہے گا بے تکلف کرنے لگے گا۔ سولھویں (۱۶) گناہ کے شامت سے حیا جاتی رہتی ہے کوئی اس کے گناہ پر آگاہ ہو اسے کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور حیا ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو بہت بری باتوں سے بچاتی ہے۔ اس واسطے حدیث میں وارد ہوا کہ الحیاء خیر کلہ یعنی حیاء سراسر بھلائی ہے اور حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگلے نبوت کے کلمات حکمت میں سے ہیں کہ اذالم تستحی فاصنع ماشئت یعنی جب انسان حیا اٹھالے تو جو چاہے کر گذرے۔ سترّھویں (۱۷) گناہ کی شامت سے دعا قبول نہیں ہوتی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بصرہ کی بازار میں تشریف لئے جاتے تھے لوگوں نے آ کر گھیرا اور پوچھا کہ یہ فرمایئے کہ ہم دعا کرتے ہیں کیوں قبول نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا تمھارے دل دس باتوں کی وجہ سے مر گئے ہیں اس وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔ اول تم اللہ کو جانتے ہو مگر اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ دوسرے اللہ ورسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر اس کے کہنے کے موافق عمل نہیں کرتے۔ تیسرے قرآن پڑھتے ہو مگر اس کے موافق کام نہیں کرتے۔ چوتھے اللہ کی بے انتہا نعمتیں کھاتے ہو مگر شکریہ ادا نہیں کرتے۔ پانچویں شیطان کو اپنا دشمن جانتے ہو لیکن اس کی موافقت ہی کرتے رہتے ہو۔ چھٹویں کہتے ہو کہ جنت برحق ہے کام وہ نہیں کرتے جس سے جنت ملے۔ ساتویں جانتے ہو کہ جہنم برحق ہے مگر وہ

کام نہیں کرتے جس سے جہنم دور رہے۔ آٹھویں کہتے ہو کہ موت ضرور آئے گی مگر اس کے لئے مستعد نہیں ہوتے۔ نویں صبح کو اٹھتے ہو اور دوسروں کی برائیوں میں مشغول رہتے ہو اپنی برائیاں بھولے رہتے ہو۔ دسویں مردوں کو دفن کرتے ہو مگر ان سے عبرت نہیں پکڑتے۔ اٹھارہویں (۱۸) گنہگار گناہ کے ذریعہ سے اپنے مولیٰ، اپنے آقا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھاتا ہے اور ان کو ایذا دیتا ہے اس لئے کہ ہمیشہ آپ کے حضور میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں امت کے گناہ سن کر حضور کو کس قدر ملال ہوتا ہوگا وہ دین جس کے لئے اللہ نے حضور کو اپنی حضوری سے یہاں بھیجا جس کے لئے آپ نے تکلیفیں اٹھائیں آرام چھوڑا آسائش چھوڑی، لوگوں کے طعن سہے، کلمات ناملائم سنے، برے نام برے لقب سے پکارے گئے، مخالفین کی ایذائیں سہیں، آپ کے صحابہ نے اپنی جانیں دیں اسی کی بدولت گھر بار چھوڑا اسی کی بدولت، اہل بیت رسول اللہ پر اسی کی وجہ سے کیا کیا ظلم ہوئے، کس بیکسی سے ان کے خون بہائے گئے، ایسی پیاری چیز کے ساتھ امت کی بے التفاتی اور بے توجہی کی خبر حضرت تک پہنچی ہوگی تو آپ کے دل کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔ اُنیسویں (۱۹) گناہ کی شامت سے اس دعا کی برکت سے محرومی ہوتی ہے جو پیغمبر خدا اور فرشتگان مقرّبین نے مومنین کے بارہ میں کی ہے۔ پیغمبر خدا کو تو حکم ہے کہ مومنین اور مومنات کے لئے استغفار فرمائیں قال اللہ تعالیٰ ان تسغفر للمومنین و المومنات اور فرشتے حاملان عرش کا یہ حال ہے کہ اللہ فرماتا ہے اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ العَرشَ وَمَن حَولَهُ يُسَبِّحُونَ بَحَمدِ رَبِّهِم وِيُؤمِنُونَ بِهٖ وَيَستَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْئٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِر لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِم عَذَابَ الجَحِيمِ رَبَّنَا وَادخِلْهُم جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِي وَعَدْتَّهُمْ ظاہر ہے کہ اس دعا کے مستحق وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور توبہ کیا اور اللہ کے حکم کے تابع رہے وہ لوگ اس دعا کے مستحق نہیں جو مورد لعنت ہیں کیونکہ دعاء وسیلۂ رحمت ہے اور گناہ ذریعہ لعنت دونوں ایک جگہ ایک اعتبار سے اکٹھا نہیں ہو سکے۔ بیسویں (۲۰) گناہ کی بدولت بندہ مستحق اُس لعنت کا ہوتا ہے جو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہ کرنے والوں کے شان میں فرمائے ہیں جب چھوٹے گناہوں کے بارے میں لعنت ہے تو بڑے گناہ بطریق اولیٰ مستحق لعنت ہوں

گے مثلاً فرمایا۔ لعن اللہ الواشم والموشم والواصلة والمستوصلة اور لعن اکل الربا وموکله وکاتبه وشاهده اور لعن اللہ السارق اور لعن اللہ شارب الخمر وساقيها وعاصرها وبايعها ومشتريها واکل ثمنها وحاملها المحمول لها اور فرمایا لعن اللہ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء اور فرمایا لعن اللہ من ذبح لغير اللہ اور فرمایا لعن اللہ من سب الصحابه اور فرمایا لعن اللہ من لعن والديه اور فرمایا لعن اللہ للمصورين اور فرمایا لعن اللہ الراشی المرتشی اور فرمایا لعن اللہ من ضار المسلم او مکربه وغيره ذالک علیٰ ماورد فی الاحادیث۔ اکیسویں (۲۱) گناہ بندے کو احسان کے دائرے سے باہر کر دیتا ہے اور اللہ کا جو انعام احسان کرنے والے کے لئے ثابت ہے اس سے محروم رکھتا ہے احسان کی حالت جب انسان کے دل پر طاری ہوگی گناہ سے خودبخود بچے گا کیونکہ احسان کے معنی ہیں اعبد اللہ کانک تراہ یعنی اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا دیکھتے ہو اور اگر نہ دیکھتے ہو تو اللہ تمھیں دیکھتا ہے اور جس کے دل پر ایسی حالت طاری ہوگی کہ اللہ کو دیکھے یا اس کا یقین ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو اللہ کے عظمت اور جلالت کا لحاظ کر کے کبھی گناہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی دنیا کے ذرا سے حاکم کے دیکھنے کا یا نگاہ ہو جانے کا خیال آجاتا ہے تو گناہ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے جب اس خیال میں کمی ہوگی تب ہی گناہ کرنے پر ہمت بندھے گی اسی لئے حدیث میں وارد ہوا لایزنی الزانی وھو مومن یعنی زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا اس حالت میں جب ایمان اور یقین کے مرتبہ میں ہو جب انسان دائرۂ احسان سے باہر ہو گیا تو سارے خواص اور برکات سے دور ہو گیا۔ جو اس مقام والوں کے لئے مخصوص ہیں اور ان تمام انعام اور اکرام الٰہی سے محروم رہا جن کا اس مقام والوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ انعامات قریب قریب تین سو (۳۰۰) کے ہیں اور قرآن میں مختلف مقامات پر مذکور ہیں ہر ایک ان میں دنیا اور مافیہا سے بڑھ کر ہے مثلاً اس سختی کے دن جب ساری خلقت مبتلائے خوف وخطر ہو یہ تمام خوف سے بے ڈر ہو قال اللہ تعالیٰ فَمَنِ اتَّقیٰ وَاَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ یعنی جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ غمگین ہوں گے۔ درجہ ۲ کا بلند ہونا

۔قال اللہ تعالیٰ یَرفَعُ اللہُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَالَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ دَرَجٰتٍ ۔تیسرے ۳ عزت۔قال اللہ تعالیٰ وَلِلّٰہِ العِزَّۃُ وَلِرَسُولِہٖ وَلِلمُؤمِنِین۔ چھوتھے ۴ اللہ کا اس کا ولی اور مُربّی ہونا۔قَالَ اللہ تعالیٰ اَللہُ وَلِیُّ الَّذِینَ اٰمَنُوا۔ پانچویں ۵ اللہ کا کرم اور عنایت کی شان سے اس کے ساتھ ہونا۔قَالَ اللہُ تعالیٰ اِنَّ اللہَ لَمَعَ المُحسِنِینَ۔ چھٹے ۶ خود اللہ کا اسے اجر عظیم دینا قال اللہ تعالیٰ وَسَوفَ یُؤتِی اللہُ المُؤمِنِینَ اجراً عظیماً۔ ساتویں ۷ اللہ کا خود اس کے جانب سے اس کے دشمنان کا دفع کرنا قَالَ اللہ تعالیٰ اِنَّ اللہَ یُدافِعُ عَنِ الَّذِینَ اٰمَنوا۔ آٹھویں ۸ اللہ کا اس کی نصرت اور مدد پر ہونا قَالَ اللہُ تعالیٰ وَکَانَ حَقّاً عَلَینَا نَصرُ المُومِنِینَ۔ نویں ۹ اللہ کا فرشتوں کو حکم دینا کہ اس کو دین پر ثابت رکھیں اور خود اس کام میں ان کا شریک ہونا قَالَ اللہُ تعالیٰ اِذ یُوحِی رَبُّکَ اِلیَ الملٰئِکَۃِ اَنِّی مَعَکُم فَثَبِّتُوا الَّذِینَ اٰمَنُوا۔ دسویں بارگاہ حضور میں حضرتِ حق کے اس کے لئے بڑے بڑے درجہ اور مغفرت اور روزی کا ہونا قَالَ اللہ تعالیٰ لَھُم دَرَجٰتٌ عِندَ رَبِّھِم وَمَغفِرَۃٌ وَّرِزقٌ کَرِیمٌ۔ گیارہویں ۱۱ قرآن کا محض اسی کے واسطے ہدایت اور شفا اور رحمت نازل ہونا قَالَ اللہ تَعالیٰ وَشِفَاءٌ وَّرَحمَۃٌ لِّلمُؤمِنِینَ۔ وغیرذالک غرض جب گناہ کے شامت سے احسان کے دائرہ سے باہر ہوا اور محسنین کے جماعت میں نہ رہا تو ان ساری نعمتوں سے بے نصیب ہو گیا۔ بائیسویں گناہ ہی کی شامت ہے جس کی وجہ سے دنیا کا عذاب ہو قبر کا عذاب ہو آخرت کا عذاب ہو اللہ کی نعمت زائل ہو جاوے نحوست اور عقوبت اس کے بدلے میں ملے قال اللہ تعالیٰ وَمَا اَصَابَکُم من مِّصِیبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَت اَیدِیکُم ہم اس سے پیشتر بعض بعض خوفناک عذاب جو اگلی امتوں پر واقع ہوئے جن کا قرآن میں مذکور ہے لکھ چکے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب اگلے ہی قوموں کے لئے خاص تھے۔ کیا ان کی ذات کے ساتھ عداوت اور خصومت تھی کہ وہ ہی عذاب کے لئے خاص کئے جائیں بلکہ یہ عذاب ان کی بدکرداریوں کا نتیجہ تھا جس زمانہ میں جس قوم کے لوگ ان کاموں کو کرنے لگیں جو اگلوں کے لئے غضب الٰہی کے نازل ہونے کا ذریعہ ہو عذاب موجود ہے یہاں ہم عبرت کے لئے بعض وہ غضبی صورت اور قہری شکل جو اس امت کی عبرت کے لئے ظاہر کی گئی۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں

سے لکھتے ہیں آخر یہ بلائیں جن پر نازل ہوئیں ہماری طرح وہ بھی اللہ کے مخلوق تھے بلکہ ہم سے بہتر تھے کہ ان کا زمانہ پیغمبر خدا کے زمانہ سے قریب تھا پھر غیرت الٰہی نے انھیں نہ چھوڑا ہم کس بھروسہ پر نڈر رہیں اور جو چاہے کرتے جائیں اور اس بات کا اطمینان رکھیں کہ ہماری گرفت نہ ہوگی۔نعوذ باللہ من ذالک۔قال اللہ تعالیٰ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ اللہ اپنے حبیب کے صدقہ میں اپنے غضب سے بچاوے منجملہ ان حوادث کے ایک آگ ہے جو حجاز میں ظاہر ہوئی اس آگ کی خبر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بخاری اور حاکم نے راویت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز سے نکلے گی اس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہوجائیں گی قرطبی نے لکھا ہے کہ ۶۵۴ھ میں جمادی الاولیٰ کی آخیر میں مدینہ شریف میں سخت زلزلے آنا شروع ہوئے اور تیسری جمادی الثانی تک برابر رہے اس میں سے بجلی کی گرجنے کی آواز نکلتی دیواریں اور مکانات ہل گئے ایک رات میں چودہ یا اٹھارہ بار زلزلہ آیا تیسری جمادی الثانی کو نماز عشاء کے بعد حجاز سے ایک آگ نمایاں ہوئی یہ معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑا شہر آتشیں ہے اور اس میں قلعے اور برج ہیں کچھ لوگ ہیں اس کو کھینچتے ہیں۔ جس کوچہ میں پہنچتی ہے اسے خاک سیاہ کردیتی ہے رعد کی طرح گرجتی اور دریا کی طرح جوش مارتی معلوم ہوتا تھا کہ اس میں آگ کی نہریں بہ رہی ہیں مدینہ کے قریب پہنچی مگر مدینہ والوں کو اس سے ٹھنڈی ہوا آتی تھی قسطلانی اس زمانہ میں موجود تھے انھوں نے اس کے حال میں ایک خاص کتاب لکھی ہے اپنی چشم دید لکھتے ہیں کہ اس کی روشنی تمام اطراف وجوانب کے جنگلوں میں پھیلی ہوئی تھی مدینہ شریف کے محلوں میں اور حرم شریف کے اندر لوگ اسی کی روشنی میں کام کرتے تھے چراغ کی حاجت نہ تھی بعضوں نے مکہ اور بصرہ اور تہامہ میں اس کی روشنی دیکھی تو طول اس کا چارکوس کا اور عرض بقدر چار میل کے تھا اور گہرائی ڈیڑھ قد آدمی سِل کی طرح بہتی اور جوش مارتی جس پہاڑ پر سے گذرتی اسے ٹکڑے کردیتی مدینہ کے قریب تک پہنچ گئی تھی راستے بند ہوگئے تھے حیرت یہ ہے کہ پہاڑ کو پتھر کو جلادیتی مگر درختوں کو اس سے کچھ نقصان نہ ہوتا شاید اس میں یہ بھید ہو کہ حضرت نے حرم مدینہ کے درختوں کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے آگ نے بھی اس کی رعایت

کی ہو جنگل میں ایک بہت بڑا پتھر تھا آدھا اس کا حرم کے حد میں اور آدھا باہر جو حرم کی حد میں تھا محفوظ رہا جو باہر تھا جل گیا آخر کو شب جمعہ اور شنبہ کو امیر مدینہ اور قاضی اور رؤسائے شہر مسجد شریف میں جمع ہوئے صدقے دئے غلام آزاد کئے لوگوں کے ذمہ جو مظالم تھے ان کو ادا کیا رات بھر روضہ مبارک پر ننگے سر روتے رہے اور دعا اور استغفار اور توبہ کرتے رہے۔حضرت کے صدقے میں اللہ نے اس آگ کا منھ شمال کی جانب پھیر دیا۔قسطلانی کے قول سے سمجھا جاتا ہے کہ باون (۵۲) دن تک یہ آگ رہی اور بعضے مورخین نے کچھ اور کم وبیش بھی لکھا ہے۔منجملہ ان حوادث کے پہاڑ کا اپنی جگہ سے جنبش کرنا ہے طبرانی نے سمرہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت نہ آئے گی جب تک پہاڑ اپنی جگہ سے نہ ٹل جائیں یہ واقعہ بھی واقع ہوا سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ سن دوسو بیالیس ہجری (۲۴۲) میں خلیفہ متوکل کے زمانہ خلافت میں پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا اور چلا اپنی جگہ سے دوسرے کے کھیتوں میں پہنچ گیا اور سن تین سو ۳۰۰ ہجری میں خلفیہ مقتدر کے زمانہ خلافت میں دنبور کے مقام میں پہاڑ زمین میں دھنس گیا اور اس کے نیچے سے پانی بہ نکلا کئی دیہات اس میں ڈوب گئے ہم نے اپنے وقت میں سنا ہے کہ نینی تال کے پہاڑ کا ایک حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔منجملہ ان حوادث کے زمین کا دھنس جانا ہے طبرانی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خسف یعنی زمین کا دھنس جانا واقع ہوگا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۂ عرب میں لوگوں نے عرض کیا کیا اس وقت آپ کی امت میں نیکوکار لوگ نہ ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہ ہوں گے مگر اس وقت لوگ برائی کثرت سے کرتے ہوں گے حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا قیامت نہ آئے گی جب تک اس کے پیشتر تم لوگ دس نشانیاں نہ دیکھ لو منجملہ ان کے تین خسف فرمائے ایک مشرق میں دوسرے مغرب میں تیسرا جزیرۂ عرب میں سیوطی نے تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ سن تین سو چالیس ہجری میں خلیفہ مطیع اللہ کے عہد خلافت میں بلدۂ رے اور اس کے نواح میں زلزلے واقع ہوئے اور تین سو قریہ کے قریب زمین میں دھنس گئے حلوان تک اس کا اثر پہنچا وہاں

کے بھی اکثر لوگ دھنس گئے زمین نے مردوں کی ہڈیاں نکال پھینکیں اور دھنسنے کی جگہ سے پانی جاری ہوگیا شہر طالقان بالکل دھنس گیا بتیس آدمی کل اس میں سے بچے اور رے میں پہاڑ پھٹ گیا اور ایک قریہ آسمان اور زمین کے بیچ میں عین دوپہر کے وقت معلق اٹھالیا گیا اور پھر زمین پر بھینک کر دھنسا دیا گیا زمین پھٹ گئی اس میں سے بدبودار دھواں پیدا ہوا اور پانچ سو ستانویں ہجری میں بصرے کے نواح میں ایک قریہ دھنس گیا اور ۵۳۳ھ ہجری میں بجیر میں خسف واقع ہو اور صاحب اشاعہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں آذربیجان کے نواحی میں خسف واقع ہوا اس زمانہ میں بھی سننے میں آیا کہ بنگالہ وغیرہ کے نواح میں زمین پھٹ گئی اور وہاں سے پانی جاری ہوا اور کئی گاؤں تباہ گئے۔ منجملہ ان حوادث کے بھونچال ہے حضرت نے اس کی خبر دی ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی جب تک علم نہ لے لیا جائے اور زلزلے بہت آویں اور زمانہ قریب قریب ہوجاوے رواہ البخاری اور ابن عسا کرنے عروہ بن روین سے روایت کیا ہے حضرت نے فرمایا کہ میری امت میں زلزلے آویں گے اس میں دس ہزار بیس ہزار، تیس ہزار لوگ ہلاک ہوں گے اس زلزلہ کو امت پرہیزگاروں کے لئے موجبِ نصیحت اور مومنین کے لئے رحمت، کفار کے لئے عذاب گردانے گا۔

سیوطی نے لکھا ہے خلیفہ متوکل کے عہد خلافت میں ۲۳۴ھ دوسو چونتیس ہجری میں دمشق میں ہولناک زلزلہ آیا مکانات گر گئے بہت لوگ اس کے تلے ہلاک ہوگئے۔ اور اس زلزلہ کا اثر انطاکیہ اور موصل تک پہنچا کہتے ہیں کہ پچاس ہزار موصل کے لوگ اس میں ہلاک ہوئے پھر طونس اور اس کے نواح میں آیا اور رے اور خراساں اور طبرستان اور اصفہان میں پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے زمین پھٹ گئی اس زلزلہ میں اور اس میں چالیس برس کا فاصلہ تھا قلعے اور پُل اُس کے صدمہ سے گر گئے ۲۸۰ھ دوسو اسّی ہجری میں معتضد کے عہد خلافت میں اس قدر زلزلہ آیا کہ اکثر شہر ڈھا گیا اور جو لوگ زمین کے تلے سے نکلے اس کا شمار پچاس ہزار تک پہنچا۔ منجملہ ان حوادث کے صورت کا بدلنا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا میری امت میں خسف ومسخ وقذف ہوگا۔ ابی امامہ سے روایت ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم

ہوگی کہ رات بھر کھیل کود کھانے پینے میں گذارے گی جب صبح کریں گے تو سب کے سب بندر اور سُوَر کی صورت پر ہوگئے ہوں گے۔ سید سنھودی نے خلاصۃ الوفا تاریخ مدینہ میں اور ابن حجر نے زواجر اور صواعق میں اور قسطلانی میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں فاطمیّہ مدینہ پر مسلط ہوگئے تھے اس زمانہ میں لوگ عاشورہ کے دن قبہ عباس میں جمع ہوئے اور شیخین اور صحابہ کو بُرا کہتے ایک شخص نادانستگی میں بطور سائل کے وہاں پہنچا اور کہنے لگا کہ کوئی ہے جو مجھے کھانا کھلاوے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت میں۔ ان میں سے ایک بوڑھا آدمی نکلا اور اس سائل کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا گھر پہنچ کر اس کی زبان کاٹ کر ہاتھ پر دھر دی اور کہا کہ میرے یہاں تو ابوبکر کی محبت میں یہ ہے اس شخص نے ہاتھ میں زبان لے لی اور روتا ہوا روضہ مبارک کے پاس آیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور شیخین رضی اللہ عنہ پر سلام عرض کیا اور ایک گوشہ میں غمگین جا بیٹھا اتنے میں نینداس پر غالب آئی سو گیا خواب میں دیکھتا کیا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر تمھاری محبت میں اُس کی زبان کٹی ہے اُس کی زبان درست کردو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُس کی زبان لے کر اپنی جگہ پر دھر دی خواب سے جو اُٹھا تو اپنی زبان کو بالکل اچھی پاتا ہے نہایت خوش ہوا اور خوش خوش اپنے ملک کو گیا اور کسی سے کچھ حال بیان نہ کیا دوسرے سال تک اُس دن کا منتظر تھا دوسرے سال عاشورہ کے دن پھر مدینہ آیا اور قبہ عبّاس میں گیا۔ اور سال گذشتہ کی طرح کہنے لگا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت میں کوئی مجھے کچھ کھلادے ایک جوان باہر آیا اور اپنے ساتھ اُسے گھر تک لے گیا جہاں سال گذشتہ میں اُس کی زبان کٹی تھی وہاں لے جاکر اس کی بڑی تعظیم وتوقیر کی اُس نے تعجباً پوچھا کہ سال گذشتہ میں تو مجھے یہاں بڑی ذلت اور خواری ہوئی تھی آج یوں تعظیم کی گئی مجھے حیرت ہے جوان نے قصہ پوچھا اس نے سارا واقعہ بیان کیا جوان اس کے قدم پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ وہ بوڑھا اس شخص کا باپ تھا اس کو اللہ نے مسخ کرکے بندر کردیا۔ ایک طرف سے پردہ اٹھایا دیکھا کہ ایک بندر ہے رسّی میں بندھا ہوا جوان نے یہ قصہ سن کر اپنے مذہب سے توبہ کیا۔ زواجر میں ہے کہ حلب میں ایک شخص صحابہ کو بُرا کہتا جب مر گیا اتفاقاً کسی وجہ سے اُس کی قبر کھودی گئی دیکھا کہ اُس کی شکل سُوَر کی سی ہوگئی ہے

سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ متوکل کے عہد خلافت میں ایک خط حلب سے اس مضمون کا آیا کہ ایک مسجد میں ایک امام نماز پڑھاتا تھا اس کے پیچھے ایک شخص نماز میں تمسخر کرتا تھا امام نے اپنی نماز قطع نہیں کی امام نے جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ وہ شخص سُور کی شکل پر ہوگیا۔ منجملہ ان حوادث کے آسمان سے تاروں کا ٹوٹنا اور اس سے لوگوں کا ہلاک ہونا۔ دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت نے فرمایا قیامت نہ آئے گی جب تک لوگوں کے سر نہ توڑے جائیں آسمان کے تاروں سے بہ سبب حلال جاننے عمل قوم لوط کے سیوطی نے لکھا ہے۔ ۵۹۳ھ میں ایک بڑا ستارہ آسمان سے گرا اُس سے ہیبت ناک آواز آئی کہ لوگوں کے مکانات ہِل گئے معلوم ہوتا تھا قیامت برپا ہوگئی۔ ہم نے اپنے زمانہ میں کئی سال ہوئے دیکھا کہ تمام رات تارے ٹوٹتے رہے اور یہ واقعہ قریب قریب تمام دنیا کو ظاہر ہوا ہم نے مکّہ معظّمہ میں بھی اس واقعہ کو سُنا۔ منجملہ اُن حوادث کے موت کی کثرت ہے بخاری اور ابن ماجہ اور حاکم نے عوف بن مالک سے روایت کیا ہے حضرت نے فرمایا کہ چھ چیزیں شمار کرو۔ قیامت کے پہلے ایک اُن میں سے میری موت ہے منجملہ ان چھ چیزوں کے موت کی کثرت بیان فرمائی جس طرح بھیڑ کے گلے میں ہوتی ہے چنانچہ موت کی کثرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ طاعون عمواس میں واقع ہوئی پھر طاعون جارف میں سیوطی نے کتاب ما رواہ الواعون فی امر الطاعون میں لکھا ہے کہ اسلام میں بہت سے طاعون واقع ہوئے پہلا طاعون حضرت پیغمبر خُدا ﷺ کے زمانہ میں ۶ ہجری میں بمقام مدائن پیدا ہوا یہ معلوم نہیں کہ کتنے لوگ اس میں مرے ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ تین طاعون سے سخت اور طاعون نہیں ہوئے ایک طاعون اَزْ دُجرد۔ دوسرا عمواس۔ تیسرا حارف اور مرایی۔ لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے طاعون اسلام میں ------------------------------ باقی مسودہ نہیں ملا نا تمام ہے۔ مؤلف۔

یہ تحریر ایک نامکمل تحریر ہے مگر نہایت ہی قیمتی حقائق کو حاوی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام خوبیاں اسی خدا کی ہیں جو اپنے جلال ملکوت میں یکتا اور اپنے جمال جبروت میں یگانہ ہے اپنے یگانگی کی بلندی میں صاحب عزت اور اپنے صمدیت کے برتری میں مقدس ہے ہر ایک مانند اور نظیر کے مشابہت سے اپنی ذات میں برتر اور اپنی صفات میں قصور اور محدود ہونے سے پاک اس کی صفات اس کے حق میں خاص اور اس کی نشانیاں اس بات کی کہنے والی کہ وہ خلق کی مشابہت کے نرالا۔ کتنا بڑا پاک صاحب عزت ہے کہ نہ کوئی حد اس کو پا سکے نہ کوئی عدد اُس کو شمار میں لا سکے نہ کوئی نہایت اُس کو گھیر سکے نہ کوئی اُس کا مدد دینے والا نہ کوئی اولاد اس کی شریک ہونے والی نہ کوئی اس کا جمع کرنے والا نہ کوئی مکان اس کو دیکھ سکے نہ کوئی زمان اُس کو پا سکے نہ کوئی سمجھ اس کو اندازہ کر سکے اس بات سے برتر ہے کہ کہا جاوے کیونکر ہے اور کہاں ہے اور کیوں کر اُس نے اپنے کام میں حسن و خوبی پیدا کی اور کس طرح اس نے اپنے فعل سے عیب اور نقصان کو دور کیا اس لئے کہ کوئی اُس کا سا نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے کوئی اس پر غالب نہیں اور وہی سب باتوں سے خبردار اور سب چیزوں پر قادر۔ میں اُس کا شکر کرتا ہوں ان نعمتوں پر جو اُس نے عطا کیں اور پیدا فرمائیں اور اُس کا شکر گزار ہوں اُن امور پر جو اُس نے روکا اور دیا اور بھروسہ کرتا ہوں اُس پر اور راضی ہوں اس کے دینے اور روکنے دونوں سے اور گواہی دیتا ہوں اُس کی کہ کوئی معبود بحق نہیں ہے بجز اُس کے جو اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں وہ گواہی جو اس کی تائید سے ہوئی اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے ہیں اور اُس کے برگزیدہ امانت دار ہیں اور اُس کے رسول ہیں کہ ساری مخلوق کی طرف

بھیجے گئے اللہ کا درود آپ پر اور آپ کی اولاد پر نازل ہو جو اندھیرے کے چراغ ہیں اور آپ کے یاروں پر جو رہنمائی کی کنجیاں ہیں یہ وہ رسالہ ہے جس کو فقیر عبدالکریم نے ۴۳۷ھ ہجری میں تمام اسلامی شہروں کے صوفیوں کے جانب لکھا حمد وصلوٰۃ کے بعد اللہ تم سے راضی ہو اللہ تعالیٰ نے صوفیوں کی جماعت کو اپنے اولیا میں برگزیدہ بتایا اور تمام بندوں پر اُن کو فضیلت دی اللہ کی رحمت اُن پر ہو۔ اُن کے دلوں کو اپنے اسرار کا معدن بنایا اُن کو تمام امتوں میں سے اپنی چمکتی ہوئی روشنی کے ساتھ خاص کیا وہ لوگ خلق کے لئے فریاد رس ہیں اپنے سارے حالات میں حق کے ساتھ ٹھیک ٹھیک پھرنے والے ہیں بشری کثافتوں سے اللہ نے اُن کو صاف کیا ہے اپنے حدیث کے حقائق ان پر کھول کر مشاہدہ کے مقام تک اُن کو پہونچایا عبودیت کے آداب قائم رکھنے کی انھیں توفیق دی ربوبیت کے احکام کے اجرا کے انھیں مشاہدہ کرایا اسی لئے ان لوگوں نے تمام ان احکام تکلیفی کو جو اُن پر واجب تھے قائم کیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس فعل کا ان کے حق میں الٹ پلٹ ہوا اس کے ساتھ پوری طرح مصروف رہے پھر اللہ کی جانب نہایت سچے احتیاج اور انکسار کے ساتھ رجوع کرتے ہیں اور اپنے کسی عمل اور کسی حال پر انھوں نے تکیہ اور بھروسہ نہیں کیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو چاہتا ہے کام لیتا ہے کسی مخلوق کی حکومت اُس پر نہیں نہ کسی کا حق اُس پر آتا ہے اگر اُس کی طرف سے ثواب ہے تو محض اُس کے فضل سے اور اگر عذاب ہے تو محض بنظر عدل کے اس کا حکم ہر کام کا قطعی فیصلہ ہے پھر آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس گروہ کے محققین اکثر گذر گئے ہیں اس زمانہ میں اُس گروہ کا محض نشان باقی رہے گا جیسا کسی شاعر نے کہا۔ کہ بسنے والوں کے خیمہ تو وہی ہیں مگر بسنے والے اور ہو گئے۔ اس طریقہ میں سستی پیدا ہوگئی سستی ہی نہیں پیدا ہوئی بلکہ حقیقت میں یہ طریقہ ہی مٹ گیا اپنے مشائخ جن سے ہدایت ہوتی نہ رہے جو ان لوگ جو اُن کی چلن اختیار کرتے کم ہو گئے تقویٰ اور پرہیز گاری جاتی رہی اور اس کا فرش اٹھا دیا گیا طبع غالب آئی اور اس کے رسے مضبوط ہو گئے دلوں سے شریعت کی تعظیم کوچ کر گئی دین کی پرواہ کم کرنے کو لوگ بہت بڑا مضبوط ذریعہ سمجھنے لگے حلال و حرام کی تمیز چھوڑ دی مشائخ اور علماء کی تعظیم ترک کر دی عبادت کے ادا کرنے کو ہلکا سمجھنے لگے صوم

صلوٰۃ کو حقیر جاننے لگے غفلت کے میدان میں دوڑنے لگے شہوت اور خواہشوں کی پیروی کرنے پر جم گئے ممنوعات کے لین دین کرنے اور بازاری عورتوں اور حکام کے لوگوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں پرواہ کم کرنے لگے انھیں برے افعال پر بس نہیں کیا بلکہ ظاہر کرنے لگے کہ بڑے حقائق اور احوال تک ان کی رسائی ہے اور دعویٰ کرنے لگے کہ تکلفات کے قید سے آزاد ہو گئے اور اللہ کے وصال اور قرب معنوی تک پہونچے ہوئے ہیں اور حق کے ساتھ قائم ہیں اور حق ہی کے احکام ان پر جاری ہیں اور حق میں مٹے ہوئے ہیں جو بات اختیار کریں یا چھوڑیں اللہ کی جانب سے نہ ان سے پرسش ہے نہ ملامت احدیت کے اصرار ان پر کھلے ہیں حکم دیا جا سکے تو جس کو یہ بات معلوم ہوئی ہو اللہ کی حکمت کے بھید سے تو اُس کا دعویٰ کرنا کہ میں یقینی مومن ہوں درست نہیں شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو میں نے سنا ہے کہتے تھے کہ میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن عنبری سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن عبداللہ تستری سے سنا فرماتے تھے کہ مومنین اللہ کو بصر سے دیکھیں گے مگر بغیر احاطہ کے اور بے نہایت کے اور ابوالحسن بولے فرماتے ہیں کہ حضرت حق نے تمام دلوں کو دیکھا کسی دل کو اس کے شوق سے بھرا ہوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے زیادہ نہیں پایا اس لئے ان کو معراج سے مشرف فرمایا کہ رویت اور کلام کرنے میں جلدی ہو۔ میں امام ابوبکر محمد بن الحسن بن فورک کو سنا کہتے تھے کہ میں نے محمد بن محبوب سے سنا جو ابوعثمان مغربی کے خادم تھے وہ کہتے تھے کہ محمد سے ایکدن ابوعثمان مغربی نے کہا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تمہارا معبود کہاں ہے کیا کہو گے میں کہا کہونگا وہاں جہاں ہمیشہ سے ہے وہ بولے کہ اگر کہے کہ ازل میں کہا تھا میں کہا کہونگا جہاں اب ہے مقصود یہ ہے کہ جیسا ازل میں مکان سے منزہ تھا ویسا اب ہے وہ کہتے ہیں کہ اتنی بات سے ابوعثمان مجھ سے خوش ہو گئے اور اپنا کرتا اتار کر مجھے عطا کیا۔ امام ابوبکر بن فورک کو میں نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں ابوعثمان مغربی سے سنا ہے کہتے تھے کہ میں جہت کے حدیث کچھ اعتقاد رکھتا تھا جب بغداد میں آیا وہ اعتقاد مجھ سے دور ہو گیا میں نے اپنے دوستوں کو مکہ میں لکھا کہ میں از سر نو اسلام لایا۔ محمد بن حسین سلمی کو میں نے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابوعثمان مغربی سے سنا ہے ان سے کسی نے خلق کا حال پوچھا تو

بولے کہ پیکر اور صورتیں ہیں قدرت کے احکام ان پر جاری ہوتے ہیں اور واسطی فرماتے ہیں کہ جس طرح روحیں اور جسم اللہ ہی کی وجہ سے قائم اور اسی سے ظاہر ہوئیں نہ خود بخود ایسا ہی خطرات اور حرکتیں دین کی اسی سے قائم ہیں نہ خود بخود کیونکہ حرکات وخطرات اجسام وارواح کی طرح ہیں اسی کلام میں انھوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بندوں کے کام اللہ پیدا کئے ہوئے ہیں جس طرح اللہ کے سوا جواہر کا کوئی خالق نہیں ایسا ہی اعراض کا خالق بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی سے میں سنا وہ کہتے تھے کہ میں محمد بن عبداللہ سے سنا انھوں نے ابوجعفر جیلانی سے انھوں نے ابوسعید خراز سے وہ فرماتے تھے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ اپنی طاقت صرف ہو سکنے سے مقصد تک پہونچ جائے گا وہ محض تکلیف اٹھانے والا ہے اور جس کا یہ گمان ہو کہ وہ بغیر قوت صرف کئے ہوئے پہونچے گا تو وہ محض بوالہوس ہے۔

انجمن رفاہ اسلام الہ آباد کے مقاصد کے لئے یہ اشتہار شائع کیا تھا جو ادبی حیثیت سے بہت بلند پایہ ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم ط

خداوندا کہاں تیری بارگاہ جبروت۔ کہاں ہم گوشہ نشینان تنگنائے ناسوت۔ تیری ساخت عزّت تک نہ فکر کی رسائی نہ فہم کا گذر۔ تیری عنایت بے یاوروں کی یاور۔ بیچاروں کی چارہ گر۔ تیرا کرم غریبوں کا مونس۔ بیکسوں کا ہمدم۔ تیری سرّ حقیقت کی نہ زبان رازدار۔ نہ عقل محرم ۔تیری ہی لطف وعنایت پر ہم جیسے سیاہ کاروں کا سہارا۔ تیرے خزانۂ قدرت سے سارے بیدست و پاؤں کا گذارا۔ تیری بندگی دونوں عالم کے لئے سرمایۂ زندگی۔ تیری الفت کا داغ دل کے اندھیرے گھر کا چراغ۔ خلیل اور اسمٰعیل کو تیرے جمال بے مثال نے اپنا شیدا بنایا۔ ماسوا کا نقش خیالی دل سے مٹایا۔ یہ جان سے وہ راحتِ جان سے بیزار۔ وہ **اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ** کے اشارے سے لختِ جگر نذر کرنے پر آمادہ۔ یہ **اِفۡعَلۡ بِمَا تُؤۡمَرُ** کے ساتھ جان کی بازی کے لئے تیار یہ دوسروں پر خلیل اور ابن خلیل کے اظہار شرف کے لئے ناز و نیاز کی بارگاہ سے دوستانہ آزمائش تھی والاّ خود اُن کو نہ خلیل کی صداقت جان لینے کی ضرورت نہ ان کے دلبند کے جان لینے کی خواہش ۔ایک یہ لوگ تھے جن کو اللہ کے حکم پر جان وفرزند قربان کرنے میں تامل نہ تھا ایک ہم ہیں کہ اُس کے نام پر ایک جانور قربانی کرنے میں دریغ کرتے ہیں۔ اسی پر تو کیا سے کیا ہو گئے۔ کہاں سے کہاں آپہنچے۔ افلاس نے گھیرا ہی تھا۔ اخلاق بگڑے عادتیں بگڑیں نہ دولت رہی نہ مال۔ نہ فضل رہا نہ کمال ۔بجائے اتفاق کے نفاق۔ بجائے موافقت کے مخالفت ۔مخالفین نے جب دیکھا کہ ان کو اپنے امور مذہبی اور اخلاقی سے غفلت ہے ہر طور سے ان کے دبانے کی فکریں کیں۔ کچھ تو خواب غفلت سے بیدار ہو چلے کچھ ابھی تک راحت طلبی کے نشے میں بیخود ہیں۔ اس الہ آباد

میں کیا بلکہ ہر ایک بستی میں جہاں مسلمان بستے ہیں ایک ایسی انجمن کی حاجت ہے جس کی غرض اس امر میں محدود ہو کہ ان کے مذہبی حقوق کی تحفّظ میں سرگرم رہے۔اُن کے مذہبی خیال میں اگر خارجی اسباب سے کچھ اُلجھاؤ ہو گیا ہو تو اپنی کوشش اس کے الجھاؤ میں ملحوظ رکھے ۔اسلام کے اصول نہایت سچّے اور پاک غیر ایذا رساں ہیں اُس میں ذاتی اور تمدّنی اخلاق کی تعلیم ایسی رکھی گئی ہے ۔کہ اگر اس کا برتاؤ پورا پورا اُس کے سچّے اصلوب کے موافق کیا جائے تو ہرگز کسی منصف مزاج کو احکام اسلامی کے بجالانے میں ادنیٰ شکایت کی گنجائش نہیں ہوسکتی ۔شکایت کا باعث شکایت کرنے والوں کا تعصّب یا کم فہمی ۔یا اُن کے برتنے والوں کی جانب سے برتاؤ کے وقت اصول کے ملحوظ رکھنے میں کمی ہوتی ہے۔اس انجمن کا فرض ہے کہ ایسی غلط فہمی کی اصلاح میں کوشش کرے ۔برٹش گورنمنٹ کے قوانین اگر عقل و انصاف سے دیکھے جائیں تو ہر قوم کے تحفظ حقوق کے لئے یقینا کافی ہیں ۔آزادی اور قید کے اعتبار سے بلحاظ سیاست عام ہر ایک حکم میں ایک توسطی حالت ملحوظ ہے ۔نہ آزادی اس درجہ کی کہ بے باکی کے میدان میں ایسی جولانی کریں کہ دوسرے پڑوسیوں کے اختیارات جائزہ کے حدود میں دخل دے کر اُن کو گزند پہنچانے لگیں نہ ایسی قید کہ اپنے مذہبی اور رسمی امور کے بجالانے میں تنگی میں پڑیں ۔اس انجمن کا یہ فرض ہے کہ گورنمنٹ اور قوم دونوں کا ایک درمیانی خیر خواہ بنے اور غلط فہمی کی وجہ سے اگر قوم کو گورنمنٹ کے احکام کا کسی قدر شاکی پاوے تو اصل حقیقت اس کی سمجھا کر اُن کی شکایت مٹا دے ۔اگر اپنے قوم کے مذہبی یا ملکی حقوق جائزہ کو دیگر پڑوسی اقوام کی طرف سے یا اجرائے احکام میں گورنمنٹ کے درمیانی اشخاص کے ذریعہ سے تلف ہوتا دیکھے یا تلف ہونے کا احتمال پاوے تو انصاف گستر و رعایا پرور گورنمنٹ کی حضور میں مستغیثانہ عرض کر کے ان کے حقوق کے حصول یا تحفظ کی فکر کرے چودہ (۱۴) برس سے الہ آباد میں انجمن رفاہ اسلام اس خدمت کو پورا کر رہی ہے ہمیشہ کچھ نہ کچھ مخالفین کی چھیڑ چھاڑ سے اس کو عدالت سے چارہ جوئی کی نوبت آتی ہے ۔علاوہ امور مذکورۂ بالا کے لاوارث مُردوں کی تجہیز و تکفین مساجد شکستہ کی بقدر آمدنی مرمّت ۔اسلام کے شعائر کی اشاعت وغیر ذالک اس کے کام ہیں ایسے ضروری اغراض کے لئے بڑی

ضرورت تھی کہ ایک سرمایہ کافی ہمیشہ جمع رہے کہ خاص خاص ضرورتوں کی اُس سے مدد لے لی جایا کرے ۔مگر ہمارے ضلع میں مسلمانوں میں نہ کوئی ایسا بڑا دولت والا نہ ہمت والا جو اس کام کا متکفل رہے اسی قدر امداد کے متحمل ہو جائیں تو غنیمت ہے کہ انجمن اپنی حالتِ موجودہ پر باقی رہے ۔بیس پچیس روپیہ ماہوار کا اس انجمن میں صرف ہے ۔کی تنخواہ دار ماہانہ ملازم ہیں تجہیز و تکفین و دیگر مصارف کی ضروریات علٰحدہ ۔خدا کی قدرت ہے کہ انجمن کا کام انجام ہوتا ہے ۔ورنہ کوئی بتائے تو سہی کہ شہر میں تاجروں نے رئیسوں نے دولتمندوں نے انجمن کے لئے کبھی کوئی چندہ دیا ہے ۔دیہات کے زمیندار فصل پر کچھ غلّہ سے امداد کرتے تھے وہ بھی دو تین سال کے قحط سے مسدود ہے اب خدا کی عنایت سے وہ حالت نہیں ۔امید ہے کہ انجمن کی امداد سے دریغ نہ کریں گے جو لوگ ہمیشہ دیتے تھے وہ تو ضرور ہی دیں گے ۔امید ہے کہ اور لوگ بھی شریک اعانت ہوں ۔جمعہ اور عیدین میں تاب آفتاب سے سخت تکلیف ہوتی ہے ۔کسی مسلمان کے یہاں کوئی شامیانہ نہ مملوک نہ موقوف ایسا موجود کہ جو مستعار ہی مانگ کر اس کے سایہ میں نماز ادا کریں ۔انجمن نے شامیانہ بنانے کا بھی انتظام کیا ہے اُس کے لئے مصارف کی حاجت ہے ۔عیدگاہ کی زمین ایک کاشتکار کے قبضہ میں تھی کھیتی کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی تھی انجمن گورنمنٹ میں درخواست دی وہاں سے بشرط ادا کرنے دین کے منظوری آئی چنانچہ انجمن نے چھبیس روپیہ کئی آنہ سالانہ لگان دینا منظور کر کے زمین کو لے لیا ۔مگر اس سبب سے کہ اُس زمین پر کوئی احاطہ نہیں اُس زمین کو جس پر اللہ کے بندے اکٹّھا ہو کر ایک دن اللہ کے واسطے سجدہ کرتے ہیں آ کر بد جانور غلاظت و نجاست سے آلودہ کر دیتے ہیں اس لئے احاطہ کا بننا نہایت ضروری تھا اس کے بنانے کے لئے مسلمانوں کی خدمت میں درخواست کی گئی چنانچہ کچھ لوگ اس کے بنانے کے لئے مستعد بھی ہوئے ہیں مگر اُس کے لئے مصارف کثیر درکار ۔جب تک مسلمان پورے طور سے ہمّت نہ کریں تیّاری دشوار ۔ذرا سی توجہ و ہمّت اس طرف بھی فرمائیے بالفعل قربانی کا زمانہ آ گیا گو ہم جانتے ہیں کہ چودہ برس سے مسلمان اس انجمن کی اعانت کے لئے قربانی کی کھالیں عنایت فرماتے ہیں اور لاوارثوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ محض اسی عنایت کے ذریعہ سے ہوتی ہے یہ اُمید نہیں کہ اب ایسی

ضرورت کی حالت میں جب اس قدر مصارف درپیش ہیں اس چہاردہ سالہ مستحق کی اعانت سے دریغ کریں اور ذراسی چشم پوشی کرنے میں اس کے بنے بنائے کام کو بگاڑ دیں لیکن ضروری اور غیر ضروری امر کا لحاظ نہیں فرماتے۔ کوئی عذر کر دیتا ہے کہ ہم نے مسجد میں صرف کر دیا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم نے فقیر کو دے دیا ہے اس وجہ سے پھر یاددہانی کے لئے گذارش کی جاتی ہے کہ یہ مستحق قدیم ہے آپ لوگ جس طرح قربانی کی کھالیں ہمیشہ انجمن میں عنایت فرماتے ہیں۔ امسال بھی عنایت فرمادیں دور کے لوگ کھالیں بیچ کر قیمت بھیج دیویں قریب کے لوگ بجنسہٖ کھال بھیج دیں۔ کھال کے بھیجنے میں جو اجرت صرف ہوگی وہ انجمن سے دی جائے گی۔ دائرہ شاہ حجتہ اللہ میں صدر انجمن کے پاس بھیج دیں یا اراکین انجمن یعنی مولوی محمد محی الدین صاحب، شیخ عبدالصمد صاحب زمیندار نیواں، مولوی ابوالقاسم صاحب، منشی حکیم الدین صاحب وکیل شیخ محمد ہادی صاحب مختار، میر باسط علی صاحب ڈاکٹر شفا خانہ امراض چشم چوک، شیخ عبدالغنی صاحب مختار، تفضّل حسین خاں صاحب منصرم انجمن شیخ قمرالدین اسرولی و شیخ تصدّق حسین خلف شیخ نصیر الدین مختار شہر آرا باغ شہر الہ آباد کی خدمت میں جہاں جن کو آسان معلوم ہو روانہ فرمادیں۔ یا انجمن کے خالص آدمی کے حوالہ کریں جس کے پاس انجمن کی سند موجود ہو اور سند رسید مہری انجمن کی کھال لینے والے سے لے لیویں۔ انجمن ان کھالوں کو اُس محل پر صرف کرے گی جہاں صرف کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے حضرت نے ہمیشہ عیدگاہ میں نماز پڑھی۔ مسجد نبوی میں گو ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کا ہوتا ہے مگر آپ نے عیدین کی نماز ہمیشہ عیدگاہ میں پڑھی۔ عیدگاہ سے زیادہ مجمع کہیں ہونا دشوار۔ اور جس قدر مجمع زائد ہوا اتنا ہی ثواب زیادہ۔ عیدالاضحیٰ کی نماز میں جلدی کرنا بہتر ہے اس لئے مسلمان پیشتر سے تشریف لاویں۔ سات بجے نماز ہو جائے گی۔ (اس کے بعد مسائل فرماتے ہیں جن کو ترک کیا جاتا ہے)۔

محمد حسین صدر انجمن

ودیگر اراکین انجمن رفاہ اسلام
الہ آباد

تقریظ

به دیوان حضرت شاہ امین الدین قیصر موسوم به فرمان سخن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق حق حق

دوش جا یا فتم به بزم کمال ‏ وه چه بزمے زحسن مالا مال
بارگاہے که درپس و پیشش ‏ از ادب دور باش گوست خیال
نه خرد را به فکراو طاقت ‏ نه نظر رابه سیراوست مجال
به تگاے شخص اندیشه ‏ سر فرشش نمی شود پامال
باده رنگین درو چو خون شفق ‏ شمع روشن چو کوکب اقبال
زان دلاویز بوے غالیه بیز ‏ برصبار شک برباد شمال
بردرش از شمیم نکہت گل ‏ پابه زنجیر بود باد شمال
اندراں جلوه گاه نازو نیاز ‏ از خرد گوش خوردبانگ تعال
آمد آں مست ناز جلوه کناں ‏ حسن از پیش و فتنه درد نبال
مست و آشفتهٔ و خمار آلود ‏ به نگہه از غرور فتنه سگال
دامِ بردوش از خمِ گیسو ‏ تیغ دردست از نگاه جلال
گفتمش کیستی و درچه سری ‏ ایکه هر حرف تست سحر حلال
گفت نامم فصاحت ست به دہر ‏ بزبانِ تمام اہل کمال
قیصر کشور سخن سنجی ‏ صوفی باصفا ستوده خصال
داد ترتیب نسخهٔ دیوان ‏ وه چه دیوان که رشک عقد لآل
آمدم تا شوم بعد قربان ‏ گر قبولم کند زہے اقبال

اللہ اللہ شاہدہ قدرت کی دلفریب اداؤں کا شوق تماشا دل سودا زدہ کو کہاں کہاں لے جاتا ہے اور اُس تمثال بے مثال کا نظارہ دیدۂ حقیقت بیں کو کیا کیا نیرنگیاں دکھاتا ہے محبوبیت کی تجلی دکھانے کو کعبہ کے حرم سرا تک لے جائے۔شان جلال کی نمائش مدنظر ہو۔ دیرو بتخانہ میں پھرائے۔کل کی رات عجیب رات تھی آخر حصۂ شب عالم خالی از شور وشغب آسمان پر مہر درخشان کے طلوع کی تیاری زمین پر شب کی سیاہی سے بمصداق **یخرجھم من الظلمات الی النور** سپیدۂ سحر کی نموداری نسیم صبح کے جھونکوں سے درختوں کی لچک شگوفوں کی چٹک نوشگفتہ پھولوں کی مہک ایک عجیب بہار کا عالم دکھا رہی تھی۔ادھر **ان فی خلق السموات والارض لایات** کی تفسیر کائنات کے صفحات سے بڑھنے کا دل پر شوق طاری ادھر لشکر خواب کا آنکھوں پر ہجوم بے اختیاری۔اس کشمکش نے ایک دوسرے عالم میں پہونچایا بیخودی کی کشش نے عالم خیال کا تماشا دکھایا۔عالم خیال بھی ایک عجیب طلسم حیرت افزا ہے اس جہان سے اُس جہان کا نقشہ الگ رنگ جدا ہر چیز نرالی ہر شان انوکھی ہر ادا ان سمجھی ان دیکھی گفت وشنید ہے مگر نیاز مند زبان و گوش نہیں دیدو فہمید ہے ہر پائے بند چشم و ہوش نہیں اسی عالم کا خاصہ ہے کہ وہم کی اختراعی صورتوں کو واقعی کر دکھائے امور واقعہ کو کان لم یکن شیئاً مذکور ابنائے ذروں کو خورشید تاباں کی خودنمائی قطروں کو بحر بے کراں کی پہنائی کا لباس پہنائے۔فکر کی رہبری نے ایک مجلس میں پہنچایا مجلس نہایت پر تزئین گویا

ع برزمیں آمدہ فردوس بریں یمیں و یسار کچھ بزرگوار باعزت باتمکین باوقار

تقدس جن کے قدموں پر نثار حضرت سعدیؔ، حافظؔ، جامیؔ، نظامیؔ، عراقیؔ، مغربی، ایک جانب اہلی ۔نظیر کلیم، میرا سودا، ناسخ، آتش کی خیالی صورتیں ایک طرف معلوم ہوا کچھ علمی صحبت اہل سخن کی جمعیت ہے دل وزبان میں باہمی گفتگو، ہر ایک کو اپنے فضیلت کے اظہار میں غلو ہے دل کی کوشش کہ زبان پر فوقیت لے جائے زبان کی خواہش کہ دل کو نیچا دکھائے یہ بزرگوار کچھ تو زبان کی جانب دار کچھ دل کے غمخوار زبان کی باتیں سنئیے میں ترجمان کلام قدیم ہوں میں ہمدم موسیٰ کلیم ہوں افصح العرب والعجم کا اعجاز میرے دم سے فصاحت و بلاغت کی خانہ آبادی میرے قدم سے میں دین کے اسرار کی کھولنے والی ہر شخص کے قدر و منزلت کو میزان اعتدال میں تولنے والی۔

دل میرے روبرو گرم گفتگو ہو زبان کی یہ مجال جس حرم سرا کا میں محرم ہوں زبان کی اُس در تک رسائی محال جو اسرار نہفتہ میں بیان کروں زبان فقط اس کی ترجمان ہے میرا مسکن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ہے میں حضرت ایزدی کا منظور نظر ہوں دیکھنے میں گونا سوتی مگر فی الحقیقت لا ہوتی جوہر ہوں عرش وفرش نے تو میری سی فضیلت پائی نہیں اُس حقیقت کا میں مظہر ہوں ارض وسما میں جس کی سمائی نہیں۔

زبان ۔تو کچھ بھی سہی مگر میری ذات سے عالم کو سروکار ہے ایک جہاں بے میری امداد کے لاچار بے زبان ہلائے کوئی دل کا مقصد پائے ودشوار جو خدا پرست ہیں وہ میری بدولت ذکر حق میں مست ہیں بادہ خواروں میں میری آبرو۔طاعت گزاروں میں میری گفتگو۔

دل۔ میں کون ہوں رموز الٰہی کا گنجینہ میرا سینہ اسرار حق کے خزینہ کا دفینہ۔

زبان۔ یہ سب سہی مگر تجھ میں ایثار کی بو نہیں سخاوت کی خو نہیں جو کچھ خزانۂ الٰہی سے ملا بند ممکن کیا کہ کوئی پاسکے ایک میں ہوں کہ جو پایا یا لٹایا جو لیا دیا۔

دل۔تو اسرار حق کی محرم راز نہیں اہل و نااہل کا تجھے امتیاز نہیں بات ادھر سنی اُدھر کہدی۔

زبان۔ میں وہ شاہد عدل ہوں کہ ایمان کی دستاویز بے میری شہادت کے مسجل نہیں علوم وفنون کی باریکیاں میرے بیان کے بغیر حل نہیں میں کشاف تفاسیر جہاں ہوں میں مفتاح معانی و بیان ہوں میں شارح مقاصد ایں و آں ہوں۔

دل۔اقرار لسانی بے تصدیق جنانی کے بیکار اگر کسی میں محض زبانی جمع خرچ ہے تو انعام تو کیا سزا کا سزاوار اگر نقود علوم میرے خزانے سے نہ ملیں تو زبان کا بیان بالکل ساقط الاعتبار۔

زبان۔ میں وہ عزلت گزیں ہوں کہ گوشۂ عافیت سے پاؤں باہر نہیں نکالے مگر زمین و آسمان کی خبر مجھ سے سن لیجئے۔

دل۔ تجھ میں خیر کم ہے شر بیشتر تھوڑا نفع ہے زیادہ ضرر اسی لئے کام ودہاں کے قید خانہ میں تو نظر بند ہے بتیس سرہنگاں سرکاری ہر وقت مسلط ذرا حد سے متجاوز ہوئی سزا دینے کو آمادہ تیرا جرم

صغیر ہی جرم کبیر اسی لئے **هل یکب الناس علی النار الا حصائد السنتهم** تیری شان میں وارد ہے۔

زبان۔ تیری ذات مملکت جسمانی کے لئے سرمایۂ فساد اجزائے بدن کی بگاڑ کی تجھی سے بنیاد **اذا فسدت فسدت الجسد کله** میں تیرے ہی حال کا بیان ہے۔

دل۔ میں کشور بدن کا حکمران ہوں اس کا بگاڑ میری نگاہ غضب کا نتیجہ اُس کا بناؤ میری چشم عنایت کا ثمرہ جہاں میرے فساد سے اُس کا فساد ہے اُس کی صلاح بھی میری صلاح سے وابستہ۔

زبان۔ تیری کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ ہر دم بدلتے رہنا تیرا کام ہے قلب اسی لئے تیرا نام ہے۔

دل۔ میرے انقلابات کے بھید سے تو واقف نہیں میں اُس حقیقت کا جلوہ گاہ ہوں جو ایک قید کی پابند نہیں **کل یوم هو فی شان** اُس کی شان ہے میرے انقلابات کا سبب اُس کی شیون کا تغیر ہے۔

ان دونوں کے مباحثے نے طول کھینچا نہ دل کو بیان مدعا میں سکوت نہ زبان کو ردوقدح میں خاموشی ہر ایک کو اپنے مطلب کے اثبات میں گرمجوشی یہ رائے ہوئی کہ کوئی حکم قرار دیجئے یہ مباحثہ اُس کے روبرو پیش کیجئے مگر حکم ایسا ہونا چاہئے جو زبان کا بھی ادا شناس اور دل کا بھی درد آشنا ہو۔ حاضرین مجلس کچھ تو ایک جانب کی طرفدار اور کچھ پرانے زمانے کے بزرگوار اس زمانہ کا طرز جدا طور اور اسی فکر میں تھے کہ دور سے ایک بزرگ نظر آئے میانہ قید گداز بدن ساٹھ یا ستر برس کا سن خوش سیرت خوش صورت خوش منظر قابلیت معنوی کے آثار صورت ظاہری سے جلوہ گر ہاتھ میں ایک کاغذ کا دفتر پیری کا عالم مگر ظرافت مجسم اہل مجلس نے بہ تعظیم لیا اور نام و مقام استفسار کیا فرمایا میں ایک عمر سے شاہد سخن کی زلف گرہگیر کا گرفتار ہوں خمخانۂ محبت کا بادہ خوار ہوں میرے ساغر میں اگر شراب ہے تو خونناۂ دل وجگر سے میرے سینے میں زخم ہے تو ابرو کے خنجر سے میرے لب پر جو فغاں ہے دل کی بھڑکتی ہوئی آگ کا دھواں ہے حسن معنی کا محو تماشا ہوں معنی حسن کا حقیقت آشنا ہوں میرے ظلمت کدہ دل میں داغ کے سوا چراغ نہیں دشت گمنامی کے سوا کہیں میرا سُراغ نہیں

کوچۂ فقر میں خاک کمتر ہوں مگر قلمرو سخن کا قیصر ہوں پستی میں نقش بوریائے غزلت ہوں بلندی میں غبار راہِ محبت ۔الراقمہ۔

گل زپیراہن من جامہ دریدن آموخت — بلبل از شورش من نالہ کشیدن آموخت
تا مرا گشت جنوں درفن عشقش استاد — لخت دل بر رخم از دیدہ چکیدن آموخت
بلبلاں را بہ ہوائے گل و رعنائے چمن — طایر رنگ رُخم طرز پریدن آموخت

کسی نے پوچھا کہ **یامن یلوح لمعات الشرافت من جبینک ما تلک بیمینک** فرمایا یہ دیوان اشعار ہے اس کا ہر شعر رشک گوہر شاہوار ہے دیوان جو کھولا تو شعر نکلا:

سادہ وضعی پہ ترے خلق خدا مرتی ہے — ہے زمانہ تیرے بیساختہ پن کا محتاج

جانب داران زبان نے تعریف تو کی لیکن کم دل کے غمخواروں پر وجد کی حالت طاری ہوگئی زبان والوں کو حیرت تھی کہ اس میں کیا بات تھی جس نے ان پر ایسی تاثیر کی بندش میں صفائی الفاظ میں تناسب ترکیب میں سلاست سہی مگر نہ ایسی کہ جس کا یہ اثر ہے دل کی جانب داروں نے کہا کہ تمھاری اس شعر کے مفہوم تک رسائی نہیں محض زبان کی شستگی الفاظ کی درستگی پر تمہاری نظر ہے اس شعر میں حقایق کے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

سادہ وضعی۔ عبارت ہے مرتبہ غیب الغیب سے جس میں ذات تمام اعتبارات اور سارے تعینات سے خالی مرنا معدوم اور ناپید ہونا خلق کا تحقق تنزل صفات کے مرتبہ میں ہے اور صفات میں بھی صفات اضافی مطلب یہ ہوا کہ غیب الغیب کے مرتبہ میں ذات تمام اعتبارات کونی سے بیگانہ ہے اسی طرف اشارہ ہے **ان اللّٰہ لغنی عن العالمین** دوسرے مصرعہ میں خلق اور خالق ممکن اور واجب میں ارتباط کی وجہ بیان کی ہے بیساختہ پن غیر مخلوق ہونا ہے ممکن کو واجب سے اسی وجہ سے ارتباط ہے کہ یہ مخلوق ہے اور غیر مخلوق مخلوق ہی کا اگر محتاج رہے تو دور ہو یا تسلسل۔

اس شعر کے حسن اور اس تقریر کے افسوں نے تمام اہل مجلس کو جانب داران زبان کیا غمخواران دل کو ایسا لبھایا کہ سبھوں نے اس جھگڑے کا حکم انھیں بزرگ کو ٹھرایا ادھر سے ارشاد ہوا

کہ حقیقت تو یہ ہے کہ زبان کا جوہر سخن ہے اور سخن کے ساتھ وابستہ ہر نو و کہن ہے عاشق و معشوق میں اسی سے واسطہ خالق و مخلوق میں اسی سے رابطہ اس کا گذر عاشقوں کے دل میں اس کی رسائی معشوقوں کی محفل میں دیوانوں کو یہ ہوش دے ہوشیاروں کو دیوانگی تمام بیگانوں سے اس کو آشنائی اور تمام آشناؤں سے اس کو بیگانگی بیگانوں سے آشنائی ان کی استعداد فطری کے مطابق آشناؤں سے بیگانگی اپنے کمال اور بے نیازی کے موافق علوم وفنون سے کوئی کیسا ہی ماہر ہو مگر سخن کی نکتہ سنجی کے بغیر امکان کیا کہ کسی پر کمال علمی ظاہر ہو یہ سب ہے مگر حقیقت میں زبان کا رخِ دل کی دربان ہے بارگاہ عریض الجاہ قلب کی ترجمان ۔نغمہ کیسا ہی موزوں ہو شعر کتنا ہی پُر مضمون ہو اگر اس میں درد الفت کی چاشنی نہیں تو بالکل بے نمک ہے بلکہ اہل مذاق کے نزدیک حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے قابل حک ہے ۔اور یہ بھی دلنشیں ہے کہ شعر کیسا ہی عالی ہو مگر مخاطب جذبات قلبی کی فطری قابلیت سے خالی ہو تو بھینس کے آگے بین ہے ۔حاصل یہ ہے کہ ہیکل انسانی کی حکمرانی تو دل کا کام ہے اور زبان لشکر و آلات کے قائم مقام جس طرح تصرف کرنے میں حاکم لشکر سے بینیاز نہیں اسی طرح لشکر کام کرنے میں حاکم کا محتاج ہے احتیاج کا علاقہ دونوں میں قائم ہے مگر حکمراں کو لشکر پر ترجیح ہے اس طرح دل حاکم اور زبان محکوم ہے مگر نسبت احتیاج دونوں میں ثابت با ایں ہمہ دل کو زبان پر ویسی ہی شرافت ہے جیسے حاکم کو محکوم پر میں دل و زباں دونوں کا منت کش ہوں اور کیف جنانی اور ذوق لسانی دونوں کا ذائقہ چش اس لئے میرا فیصلہ اس بارہ میں حتمی ہے تصدیق کی ضرورت ہو تو دیوان میرا شاہد عادل ہے:

ما بہرہ از کنوز سخن بر گرفتہ ایم　　ہر صفحہ راز خویش بگوہر گرفتہ ایم
یک از دگر بکاوشِ دلہا ست تیز تر　　ہر صفحہ رابہ صد دمِ خنجر گرفتہ ایم
تا در سخن علم شدہ تیغ زبان ما　　ہر نقطہ رابقیمت　جو ہر گرفتہ ایم
ما کاسہ لیس ساقی غیبیم غیب چسیت　　مینائے مے اگر ہمہ در برگرفتہ ایم
امروز پایۂ سخن انجار ساندہ ایم　　کز خویش قدر خویش فراتر گرفتہ ایم

چندا نکہ خویش رابفصاحت ستودہ ایم　　خودراز اوج پایہ فروتر گرفتہ ایم
آنیم کز بلندی طبع بلند خویش　　کرسی بہ باب وعرش بہ منظر گرفتہ ایم
ہر صفحہ راضیائے زخور شید دادہ ایم　　ہر نکتہ را فروغ زاختر گرفتہ ایم
در فکر شعر تر ہمہ خوناب خوردہ ایم　　تانظم خود بہ بادۂ احمر گرفتہ ایم
از بسکہ میل داشت بہ حسن کلام ما　　صدبار بکر فکر بہ بستر گرفتہ ایم
ملک سخنور یست بزیر نگئین ما　　ما نام خود بہ ہر زہ نہ قیصر گرفتہ ایم

دیوان جو دیکھا تو گویا فصاحت و بلاغت کا ایک خیاباں ہے جس کی ہر کیاری خلد بریں سے زیادہ پیاری ہر روش برابر بہاری کی گہرباری درختوں کے تلے لطافت کی لہریں جاری شاخوں پہ کہیں کویل کی کوک کہیں فاختہ کی کوکو کہیں بلبل شیدا کی صدرا کہ **لا فصیح الا ھو** دیوان نہیں سرمستان محبت کے لئے خمخانہ ہے جس کا ہر شعر بادہ ذوق کا پیمانہ ہے ہر مصرعہ اپنے حسن کی شراب میں مدہوش فرط نشۂ میں گرم جوش و خروش کہ:

ما بیک جرعۂ مے منت ساقی نکشیم　　اشک ما بادہ ما دیدہ ما شیشہ ما

الفاظ کی آبداری تشنہ کامان　　شت فرقت کے لئے شراب ریحانی عبارت کی حلاوت الفت کے گرسنہ چشموں کے واسطے غذائے روحانی ہاں کوتاہ بینوں کا خیال ہے تازہ مضامین کا اب ملنا محال ہے ۔ان کے نزدیک خزانۂ قدرت میں اسی قدر سرمایہ تھا جو اگلوں کو مل چکا یا تو خزانہ تھی یا خزانہ بخش میں کرم کی خو نرہی باد بہاری روز روز باغ میں نئے نئے گل کھلائے ابر نیساں آغوش صدف میں ہمیشہ قطرہ باراں کو گوہر آبدار بنائے بلبل شاخ گل پر ہر صبح نئے راگ گائے ایک طبیعت انسانی نے کیا گناہ کیا ہے جو نئے نئے مضامین کے فیض سے محروم رکھی جائے زمانہ کی روز نیرنگیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔

نہ تحیر افزانہ تعجب خیز ایک زمیں شعر میں تازہ مضامین کی پیداوار حیرت انگیز ان کا خیال ہے کہ:

حریفاں بادیا خوردندو رفتند — تہی خمخانہا کردندو رتند رفتند

ہرگزنہیں بلکہ:

حریفاں بادہا خوردند و مردند — ولے خمخانہ را با خود نہ بردند

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است — خم خانہ با مہر ونشاں است

اور کیوں جایئے حضرت قیصرؔ کا دیوان ملاحظہ فرمائے ہر ہر شعر سلمائے معنی کا مرقع ہر غزل لیلائے لطافت کے لئے آئینہ دیوان کیا ہے تازہ مضامین کا ایک گنجینہ ۔کہیں عشق کی جاں گدازی کہیں کہیں حسن کی فتنہ پردازی نعت کے کلام میں نازک خیالی کا صرف کرنا اور اُس کو عشق کے بیگانہ لب ولہجہ میں ادا فرمانا اور پھر سر رشتۂ ادب کو ہاتھ سے جانے نہ دینا کس قدر مشکل امر ہے بڑے بڑے نعت گویوں کو دیکھا ہے جہاں نعت میں عاشقانہ مضامین کی چاشنی دینے کا خیال پیدا ہوا ادب ہاتھ سے جاتا رہا انھیں الفاظ کو استعمال میں لاتے ہیں جو معشوقان مجازی کے عشق میں بولے جاتے ہیں کوئی حضور کی چشم عنایت غضب ناز بھری چتون ۔کوئی آپ کے دیدہ حقیقت میں کو آور و رسم کافری باندھتا ہے کوئی تو اور تیرے بے ادبانہ الفاظ کے ساتھ اُس جناب کو مخاطب بناتا ہے قیصرؔ نے نعت میں اس طرز سے جداگانہ روش اختیار کی نعت میں ان کے کلام سے اگر انتخاب کیا جائے تو ایک دفتر ہو جائے مگر تمثیلاً ایک شعر لکھتا ہوں:

جلوۂ نامِ نبی کی لو لگی ہو گر اسے — اپنی چوٹی پر جلائے شمع کوہِ طور آج

جلوہ نام نبی عبارت اس اسم سے ہے جس کے مظہر حضرت خیر البشر ہیں وہ اسم جامع جمیع کمالات ہے اور انبیاء مرسلین کی ذوات مقدسہ میں مظہریت اس اسم جامع کی نہیں تجلی حق قوابل کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے حضرت موسیٰ کے لئے طور پر تجلی کا کچھ اور طور تھا حضور کے لئے شب معراج میں جلوۂ حق کا رنگ کچھ اور اس لئے طور سے مخاطبت ہے کہ اگر اُس تجلی کا ظہور ہے جس کی حضور کے اسم سے نمود ہے تو آج اس کی شمع جلادے ورنہ تجلی کلیمی اس شب کے مناسب نہیں کہیں کہیں تصوف کے باریک نکتوں کو شاعرانہ لباس میں ایسا چھپایا ہے کہ بجز معرفت کے ادا شناء

سوں کے اور کو اصل مقصد کی شناخت محال ہے اگلے بزرگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ حقیقت کے دقیق مضامین کبھی خدوخال غنج ودلال کے پیرایہ میں کبھی مے و میخانہ ساغر و پیمانہ کے لباس میں ادا فرماتے کبھی گل و بلبل کبھی شمع و پروانہ کا استعارہ کام میں لاتے اس میں ان کی نظر میں غرضیں ملحوظ تھیں ۔مثلاً مبتدی کو معقولات محض کے کاخِ بلند تک پہونچنا دشوار حسن خیالات کے آلات اُن کے رسائی فہم کے لئے زینہ اس وجہ سے محض معانی کا محسوس شکلوں میں بیان کرنا ان کی سمجھ کے مناسب ہوتا ہے دوسرے ہر شخص حقیقت کے پوشیدہ اسرار کا محرم نہیں ۔ان رموز مخفیہ کو استعارہ کے پیرایہ میں ادا کرنا ہر نااہل کی نظر سے بچانے کا ذریعہ ہے تیسرے طبیعت انسانی کو عشق و محبت کے ساتھ فطرتی علاقہ اور ذاتی رشتہ ہے اسی وجہ سے جو مضمون محبت کے اشارے اور کنائے عاشقوں کے لب ولہجہ میں ادا ہو دلچسپ ہوتا ہے اور جس قدر کسی کلام میں دلاویزی ہوگی فائدہ ہوگا قیصر نے بھی اسی سنت کے موافق تصوف کے باریک مضامین کو بالکل شاعرانہ خیالات میں ادا فرمایا کہ ظاہر بینوں کی فہم کی رسائی وہاں تک دشوار ہر چند ایسے عالی مضامین کے ادا کرنے میں لطف شاعری کا ملحوظ ہونا دقت سے خالی نہیں مگر قیصر کے کلام میں خصوصیت ہے کہ حسن باطنی کے ساتھ تشبیہات کی خوبی استعارات کی خوش اسلوبی محاورات کی چستی الفاظ کی درستی نظم کی پختگی ترکیب کی شستگی خیالات کی تاریکی طرز جدید کے ساتھ طرز قدیم کی پابندی اور دیگر خوبیوں کو اس عمدگی سے ملحوظ رکھا ہے کہ عقل کو تحیر ہوتا ہے مثلاً توحید میں فرماتے ہیں:

کنشت وحرم میں انھیں کا ہے جلوہ — وہ دونوں گھروں کے اجالے ہوئے ہیں

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وہ کہہ رہے ہیں رنگِ دوئی نہیں ہم میں — چمن میں ہم ہیں گلوں میں ہیں ہم بہار میں ہم

مقصود یہ ہے کہ عالم میں جو چیز دکھائی دیتی ہے یا علت ہے یا معلول علت کے آثار فاعلی اور مادی میں زیادہ نمایاں ہیں صوری کا ظہور معلول کے ساتھ ہو غائی کا معلوم کے بعد گل معلول ہے چمن اُس کی علت مادی اُسی کی اجزا سے اُس کا وجود ہے بہار اُس کی علت فاعلی مگر نظر حقیت میں یہ

سب ایک ہستی مطلق کے جلوے ہیں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

مری آنکھوں کے پردے دیکھئے کیا کار کرتے ہیں　　چلے آتے ہیں وہ ان کھڑکیوں سے خانۂ دل میں

فی الحقیقت نور معرفت دل کے اندر ہے آنکھوں کی دید دلی وجدان کا ذریعہ بصر عبرت نگاہی دیدۂ بصیرت کے کھولنے کا وسیلہ ہے یہ روزن ہے وہ نہانخانہ یہ در ہے وہ کاشانہ دل آگاہ اس کا جلوہ گاہ اِسی لئے وارد ہوا **سنریهم آیاتنا فی الا فاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق** کہیں اس راہ کی دشواری کو بیان کیا ہے کوچۂ عشق وہ ہے جس میں منزل کا پتہ نہیں رہبر کوئی ہو راستہ کی انتہا کسی کو نہ ملی نہ ملے گی اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

طریقے مجھ کو کیا آکر بتائیں گے محبت کے　　جناب خضر خود اس راہ میں گم کردہ منزل ہیں

کسی بے ادب نے کسی بے ادبی کے ساتھ یہ مضمون لکھا ہے۔

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے　　خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

اس مضمون کو قیصر نے دوسری جگہ صاف صاف کھول دیا ہے۔

کبھی تا منزل مقصود سالک بھی نہیں پہونچے　　حقیقت میں خدادانی کی راہیں سخت مشکل ہیں

ایک جگہ تعینات میں تفرقہ کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

گیسوئے یار ہیں خطِ رُخسار سے الگ　　خطِ شکست ہے خطِ گلزار سے الگ

عالم کے لئے دو قسم کا تعین ہے ایک تعین علمی جو اعیان کے مرتبے میں ہے یہ ذات سے نہ کبھی جدا ہوا نہ ہوگا دوسرا تعین عینی عالم ظہور میں جس کی نمود اس کے لئے کبھی نمود ہے اور کبھی نہیں سبزہ رخسار تعین علمی سے عبارت ہے اور گیسو تعین عینی سے کنایہ یہ قابل عدم ہے اس لئے خطِ شکست سے اُس کی تعبیر کی اور وہ باقی اور دائم اس لئے خطِ گلزار اُس سے کنایہ یا یہ کہا جائے کہ عالم ظہور میں عالم کے لئے دو قسم کی نمود ہے ایک تعین روحانی دوسرا تعین جسمانی سبزہ رخسار تعین روحانی سے عبارت ہے اور گیسو تعین جسمانی سے تعین جسمانی قابل شکست ہے اور تعین روحانی باقی اور مستمر عالم میں گو دونوں گڈمڈ ہیں مگر نگاہ حقیقت بیں میں ہر ایک دوسرے سے جدا کہیں دلی جذبات کو محض روز

مرہ کی بول چال میں ادا کیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں بے تکلف باتیں کرتے ہیں مثلاً فرماتے ہیں۔

کس قدر فرقت میں تڑپاتا ہے دل　　پارۂ سیماب بن جاتا ہے دل

الٹی ہی ہر وقت سمجھاتا ہے دل　　کیا غضب کرتا ہے جب آتا ہے دل

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

کہیں حاسدوں کی خبر لی ہے تو اس عنوان شایستہ سے کہ بیماری حسد کے سبب کا بھی اُسی سے پتہ چلتا ہے:

فروغ اپنا نظر کو حاسدوں کی خیرہ کرتا ہے　　نگاہوں میں ہم انکے اس سے ناقص ہیں کہ کامل ہیں

علاوہ صنعت طباق اور ایہام اور تعریض کے حسن تعلیل بھی نہایت عنوان شایستہ سے ادا کی گئی علم اخلاق میں ہے کہ حسد کا تعلق کسی کمال ذاتی یا کسبی یا وہبی کے ساتھ ہوتا ہے حاسد یہ چاہتا ہے کہ محسود میں کمال نہ رہے چاہے اس کو ملے یا نہ ملے مفلس کی نظر میں تونگر اسی وجہ سے کھٹکتا ہے کہ صاحب دولت ہے کمالات عطایائے الٰہی ہیں ان کا ازالہ یا انقطاع اس کا اختیاری نہیں اسی وجہ سے مریض حسد مایوس العلاج ہے سعدیؔ نے خوب فرمایا ہے:

بمیر تا بر ہی اے حسود کیں رنجیست　　کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

غرض یہ ہے کہ اس دیوان کو جس حیثیت سے دیکھئے بے مثل ہے اور کیونکر نہ ہو یہ جگر گوشگان معانی کسی معمولی دل و دماغ کے نتائج نہیں بلکہ اُس کے کنار عاطفت کے تربیت یافتہ ہیں جو اقلیم سخن کا قیصر ہے محض شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر گر ہے یہاں شاعری ہی نہیں بلکہ شاعری کے سوا چیزے دیگر ہے۔ شاعری تو اُن کے ذاتی اور خاندانی کمالات کے اعتبار سے ایک ادنی درجہ کی چیز ہے لیکن شاعر سی کی حیثیت سے بھی دیکھئے تو قیصر نے بڑے بڑے نامی شعرا کی صحبت اٹھائی مشاعروں میں ان کے ہم طرح رہے گو شعر کہنے کے لئے میرے نزدیک محض موزونی فطری کافی ہے کسی سے فیض تعلیم لینے کی زیادہ ضرورت نہیں اسی لئے شعرا کو تلامیذ الرحمٰن کہتے ہیں لیکن قیصر نے باوجود استعداد فطری

کے مرزا اعظم سے جو خواجہ آتش مرحوم کے رشید شاگرد تھے مشورہ سخن لیا پچاس برس سے سخن گوئی کا شغل ہے۔ ہزاروں دیوان اساتذہ کے دیکھ ڈالے صدہا شاگردوں کو سخن سنج اور سخن گو بنا دیا۔ ایسے خاندان میں پیدا ہوئے کہ علم وفضل کرامت وولایت کے علاوہ ہر ایک بزرگ ان میں سے سخن گو اور سخن سنج تھے قیصر کے بزرگوں کو دیکھئے کہ ایک ایک اُن میں سے فضل کمال کے معدن حقائق ومعارف کے مخزن حضرت قطب وقت فرد اکمل شیخ محمد افضل جن کا فضل کمال روشن تراز آفتاب ہے اور جن کے فیوض ظاہری وباطنی سے ایک عالم بہرہ یاب قیصر کے جد اعلیٰ حضرت شاہ محمد امین صاحب کے حقیقی بھائی تھے حضرت شاہ خوب اللہ حضرت شاہ فیض اللہ ان کے دو فرزند ارجمند تھے حضرت شاہ خوب اللہ سے حضرت شاہ محمد ناصر حضرت شاہ محمد ناصر سے حضرت شاہ اجمل حضرت شاہ اجمل سے شاہ ابو المعالی ان سے حضرت شاہ غلام اعظم ادھر حضرت شاہ فیض اللہ سے حضرت شاہ محمد موسیٰ ان سے حضرت شاہ محمد علیم ان سے حضرت شاہ محمد اعلیٰ اور حضرت شاہ محمد ابوالمظفر سے شاہ امین الدین قیصر صاحب دیوان جو شخص ایسے پاکیزہ صفات جامع الکمالات بزرگوں کا یادگار ہو اس کے کلام میں کمال کی اگر ایسی جگمگاتی ہوئی روشنی نظر نہ آئے جس سے دیدہ ظاہر بیں کو چکا چوندھ لگ جائے تو تعجب ہے۔ تکلف اور تصنع سے خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنا میری عادت نہیں مانا کہ شاہ امین الدین قیصر میرے دلی دوست ہیں۔ لیکن اس تعریف کا منشا ان کی دوستی نہیں بلکہ اس وقت جو کلام میرے پیش ونظر ہے اُس کی خداداد خوبیاں بے اختیار دل کو فَلِلّٰہ در قائلہ کہنے پر مجبور کرتی ہیں میں شاعری کے فن سے بالکل بیگانہ ہوں مگر شاہد سخن کا دل سے دیوانہ جس طرح کسی دل دردمند میں جب ٹیس اٹھے بے اختیار آہ نکلتی ہے ایسا ہی کسی شیفتۂ سخن کے روبرو اگر کوئی دلفریب کلام سامنے آئے تو مجبورانہ واہ نکلتی ہے بہر حال حُسن ظاہری یا خوبی معنوی جس حیثیت سے دیکھئے یہ دیوان بے مثلی میں انتخاب ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اپنا آپ جواب بلکہ لاجواب ہے ہر ہر سطر معشوقوں کی زلف مسلسل کی طرح دل شیدا کے لئے دام ہر ہر حرف جادو نگاہوں کی چشم میگوں کے مانند سرمست مدام نقطہ سویدا کی طرح دلنشیں الفاظ باوجود ملاحت کے

شیریں فصاحت اگر جسم ہے تو یہ اُس کے لئے جان وہ جان ہے تو یہ نور ایمان اللہ تعالیٰ اس کے سودا کو اہل نظر کے دیدۂ دانش کے لئے کحل الجواہر بنائے۔

این نامہ سزائے آفریں باد　　　انشاءاللہ کہ ایں چنیں باد

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ میں نے اس تقریظ کو حضرت شیخ العالم دستگیر بیکساں شیخ احمد عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ صاحب توشہ کے آستانۂ مبارک پر ختم کیا۔

کیستم من گدائے عبد الحق　　　دل و جانم فدائے عبد الحق
قدسیاں با ادب ہمی آیند　　　در حریم سرائے عبد الحق
درراہ وے درد دل نمی بخشند　　　جز بدار الشفائے عبد الحق

فقیر محمد حسین کان اللہ لہ
۶ ؍رجب بروز شنبہ
۱۳۱۸ھ ہجری

کرامات

اس کے لغوی معنی بزرگی کے ہیں لیکن اصطلاحاً اس فضیلت کو کہتے ہیں جو اولیاء کرامؒ کو خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ فتوحات میں شیخ اکبر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ

''کرامت خدا کے اسم بر (بھلائی) کے ذریعہ سے ابرار کو ان کے اعمال اور اطاعتوں کی جزاء میں عطا کی جاتی ہے۔''

لیکن پہلی صدی ہجری کے بعد عوام میں کرامت کا لفظ صرف خرق عادت کے معنی میں بولا جانے لگا۔ ہر عجیب وغریب واقعہ کو جو کسی شخص سے ظہور میں آئے کرامت سے تعبیر کیا جانے لگا اور اس امر کی تعبیر یوں ہونے لگی کہ عادت کے خلاف جو باتیں کسی نبی سے صادر ہوئیں وہ معجزہ ہیں اور جو کسی بزرگ سے صادر ہوئیں وہ کرامت ہیں اس میں اور زیادہ غلو ہوا اور لوگ اس قسم کے خوارق عادات کے صدور کو دلیل بزرگی سمجھنے لگے۔ خوارق عادات کے وجود یا عدم کے بحث نے مستقل حیثیت نہ اختیار کی بلکہ معجزات کے وجود یا عدم وجود پر متکلّمین کی جو بحثیں شروع ہوگئیں۔ اور جس حد تک اب پہونچ چکی ہیں وہی کرامات کے سلسلے میں بھی جاری رہیں۔ چنانچہ کلام کی کتابوں میں آج بھی معجزات کے حقّانیت کے ساتھ کرامات الاولیاء حق (ولیوں کی کرامتیں حق ہیں) کا نظریہ مانی ہوئی باتوں کی طرح ذکر ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بحث بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ آیا معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں۔ جس طرح کرامت کا ظہور دلیل ولایت ہے یا نہیں۔ میں معجزہ کے وجود یا عدم کے عقلی یا نقلی دلائل کی بحث اس مختصر کتاب میں نہیں چھیڑنا چاہتا۔ اس موضوع پر علماء اسلام بہت قیمتی خدمات انجام دے چکے ہیں اور انھوں نے معجزات کے وقوع کا خلاف عقل نہ ہونا بدلائل ثابت کیا ہے۔ اس بحث میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد

ثالث میں سیّد سلیمان ندوی نے قدماء اور متاخرین دونوں کے بحث کو بہت واضح طور پر جمع فرمایا ہے جس سے اس موضوع پر مکمل روشنی پڑتی ہے انشاء اللہ میں اس موضوع پر حضرت جدّی رحمۃ اللہ علیہ کے ان مضامین کے سلسلہ میں تفصیلی روشنی ڈالوں گا جو آپ نے معراج نبوی کے بیان حقائق کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

صوفیاء اور کرامت

حضرات صوفیاء نے جب عوام میں اس چیز کی اشاعت کو محسوس کیا کہ کرامات دلیل بزرگی ہیں تو انھوں نے اپنی علمی مباحث میں باب الکرامات کو بھی شامل کر لیا اور اس کے وجود یا عدم پر بحث کرنے سے زیادہ اس چیز کو انھوں نے پیش نظر رکھا کہ آیا کرامات ان معنی کر کے دلیل ولایت ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ معجزات کے بھی دلیل نبوّت ہونے میں ان لوگوں کو پس وپیش ہوا اور صرف اس حد تک اتنے کے لئے تیّار ہوئے کہ معجزہ خرق عادت کے معنی میں صرف ان دماغوں کے لئے دلیل نبوّت بن سکتا ہے جو عقلی حیثیت سے ناقص ہیں اور خرق عادت کے متعلق ان کی یہ رائے قائم ہوئی کہ یہ صرف اس شخص سے ظہور میں آنا چاہئے جو مرتبہ نبوّت پر فائز ہے کیونکہ وہ اس کو اتمام حجّت کا ذریعہ بناتا ہے لیکن جن لوگوں کو اتمام حجّت کے لئے اس قسم کے خوارق عادات کی ضرورت نہیں ان سے اس کا ظہور مستحسن نہیں اس موضوع پر حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی کے اقوال بہت تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں فتوحات باب ۱۸۶ میں خرق عادت کے عنوان کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں۔

''خرق عادت مختلف طرح پر پائے جاتے ہیں۔

۱۔ کبھی قوئ نفسیہ کے ذریعہ سے اس لئے کہ تمام اجرام عالم ارادہ نفسیہ سے متاثر ہوتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بھی اس اصول کا علم رکھتے تھے جس پر آج مسمریزم کی بنیاد ہے اس لئے کہ شیخ یہ فرماتے ہیں کہ نفوس انسانی تمام عالم پر اثر ڈال سکتے ہیں اور اس سے خرق عادت پیش آسکتا ہے جیسا کہ ان علوم کے اصول سے ظاہر ہوتا ہے۔

٢۔کبھی شعبدہ بازیوں کے ذریعہ سے جس طرح فن شعبدہ جاننے والے کرتے ہیں۔

٣۔کبھی حروف کے مختلف ترتیبوں سے عادت کے خلاف عجیب عجیب باتیں پیش آجاتی ہیں جیسا کہ اہل اللہ کرتے ہیں۔

اسی طرح تین چار چیزیں اور بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ خرق عادت کی قسمیں مخلوق سے متعلق ہیں۔

''اگرچہ اس میں بھی حکم الٰہی کو دخل ہے اور بہت سے وہ خوارق عادات ہیں جن کا وجود بندہ کے اختیار سے باہر ہے اور اس میں اسے کوئی دخل نہیں خُدا اس بندے کے ذریعہ سے اس چیز کو ظاہر فرماتا ہے اور اپنے ہی حکم سے اس کا وجود کراتا ہے اور خود ہی اسے پیدا کرتا ہے اور لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔اس خرق عادت کے مختلف مراتب ہیں اور انھیں میں سے معجزے اور کرامات ہیں اور یہ تمام چیزیں اہل اللہ کے نزدیک علامتیں ہیں جو خُدا خود ان لوگوں کے لئے قائم فرماتا ہے۔ان کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔بخلاف پہلی قسم کے خوارق عادات کے''

خرق عادت کے اس تشریح کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

''خرق عادت ہمیشہ ان لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے جو اپنے نفس کو اِن قیود سے آزاد کر لیتے ہیں جو مادّیت نے یا شیطان نے ان پر عائد کر دیا ہے۔''

پھر ایک موقع پر ارشاد ہوتا ہے کہ:-

''خوارق عادات کا اظہار رسول کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ وہ اپنے دعویٰ کے صداقت میں دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے بخلاف ولی کے چونکہ اس کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا جس کی دلیل کرامت ہو۔اس لئے ایک جماعت کی رائے ہے کہ ولی کو چاہئے کہ خوارق عادات کو پوشیدہ رکھے۔''

پھر فرماتے ہیں کہ۔

''کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسّی اور دوسری معنوی۔

کرامت حِسّی جسے عوام کرامت سمجھتے ہیں مثلاً دل کی باتیں بتا دینا گذشتہ اور آئندہ اور

موجودہ غیر معلوم باتوں کی اطلاع دینا، پانی پر چلنا، آنکھوں سے پوشیدہ ہوجانا وغیرہ۔

کرامت معنوی یہ وہ کرامتیں ہیں جن کو خدا کے خاص بندے کرامت سمجھتے ہیں۔عوام النّاس ان کو کرامت نہیں سمجھتے مثلاً آداب شریعت کی حفاظت کرنا، محاسن اخلاق کا خوگر ہونا، برائیوں سے گریز کرنا، ہر حال میں اپنے فرائض کا پورا خیال رکھنا۔اپنے قلب سے لوگوں کے کینہ، ان کے بغض، حسد اور بدظنی کو دور کرنا، قلب کا تمام بُری باتوں سے پاک رکھنا اور ہر سانس کی نگرانی کے لئے اسے مستعد رکھنا، خدا کے حقوق جو اپنے نفس اور دوسری چیزوں سے متعلق ہیں پورا لحاظ رکھنا، قلب میں جو خدا کی تجلیاں ہوتی ہیں ان کی علامتوں کی جستجو کرتے رہنا وغیرہ۔

یہ کل ہمارے نزدیک اولیاء کی ایسی کرامتیں ہیں جن میں نہ مکر کو دخل ہے نہ استدراج کو اور ان کرامات میں ملائکہ مقرّبین اور برگزیدہ بندے سب متحد ہیں لیکن وہ کرامتیں جن کو ہم نے حسّی سے تعبیر کیا ہے مکر کے ساتھ اشتباہ رکھتی ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے ذیل کی باتیں روشنی میں آتی ہیں۔

١۔کرامت خدا کی طرف سے ایک فضیلت ہے جو اس کے نیک بندوں کو عطا کی جاتی ہے۔

٢۔اگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہو تو معجزہ کہلائے گی اور اگر ولی سے صادر ہو تو کرامت۔

٣۔کرامت کی دو قسمیں ہیں خوارق عادات اور فضائل اخلاق وغیرہ۔

٤۔اس کا ظہور کسی شخص کے ذریعہ سے بحکم خداوندی اس وقت ہوتا ہے جب خدا اس شخص کی تائید کرنا چاہتا ہے۔

٥۔کرامتیں بہت سی اختیاری ہوتی ہیں جن کا علم صاحبِ کرامت کو بھی ہوتا ہے اور بہت سے اضطراری جن کا علم صاحب کرامت کو نہیں ہوتا لیکن خدا اس غرض سے ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو اس سے گرویدگی پیدا ہو اور وہ راہ راست پر لانے کا وسیلہ بنے۔

٦۔وہ اولیاء جو مجاہدات نفس کرتے ہیں ان میں عجیب باتیں صادر کرنے کی قوت پیدا ہوجاتی مگر ان عجیب باتوں کا صدور اِن کے لئے باعثِ فضیلت نہیں ہوتا بلکہ ان کا چھپانا اِن کے

لئےضروری ہوتا ہے۔

غرضیکہ کرامات کا وجود اگر خدا کے حکم سے ہو تو وہ مستحسن ہے ورنہ خود سے اِن کا اظہار کرنا بعض اوقات دل کے لئے مباح ضرور ہوتا ہے ۔لیکن اکثر ناجائز ہوتا ہے ۔خصوصاً اُس وقت جب کہ اس سے اپنی شان وشوکت کا اظہار مقصود ہو تو اگر بے اختیاری میں کوئی کرامت ظاہر ہو تو اسے خدا کی طرف سے انعام سمجھنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیاء کے دو طبقے ہوتے ہیں ایک صاحب حال اور دوسرے وہ جن پر سکوت کا غلبہ رہتا ہے ۔صاحبِ حال کے اکثر حال اکثر افعال غیر اختیاری ہوتے ہیں جن کا بسا اوقات ان کو علم بھی نہیں ہوتا۔دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنی ہر ایک سانس کی پوری طرح نگرانی کرتا ہے اسی دوسرے طبقہ میں ابدال واقطاب ہوتے ہیں دنیا کے انتظامات ان کے سپرد رہتے ہیں حضرت جدی رحمتہ اللہ علیہ نے صاحبِ حال ہونے کی بحث اپنے ایک خط میں جو مکتوبات میں درج ہے بہت تفصیل سے فرمائی ہے یہ مکتوبات کے فہرست میں دوسرا مکتوب ہے ان حضرات سے جو کرامتیں صادر ہوتی ہیں وہ بے اختیار ہوتی ہیں چنانچہ شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ قطب ہوتے ہیں ہمیشہ عادت کے موافق عمل کرتے ہیں ان سے خرق عادت کا ظہور بہت کم ہوتا ہے برخلاف ان حضرات کے جو صاحب حال ہیں۔حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''بدانکہ عوام برآنند کہ صاحبِ کرامات بمعنی خرق عادت صاحبِ قرُب الٰہی است ونہ چنانست چہ قُرب حق تعالیٰ نیست مگر معرفت وعلم باللہ۔''

(امالتہ القلوب شیخ محب اللہ الہ آبادی)

اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے حضرت جدّی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ۔

''میں حاجی صاحب کا مُرید صرف اس لئے ہوں کہ ان کے یہاں کچھ نہ دیکھا۔

چونکہ ہندوستان میں جتنے صوفیاء آئے ان میں خوارقِ عادات کا بہت زیادہ ظہور ہوا۔ جس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان میں کوئی روحانی نقص تھا بلکہ اس کی وجہ تھی کہ ہندوستان میں جوگیوں اور

مذہبی مقتداؤں نے جو تعلیم کا سلسلہ رکھا تھا۔اس میں زیادہ تر ایسی چیزیں تھیں جن سے انسانی نفوس وہم پرستی کے عادی ہو جاتے تھے ہندوستان کا ہر مذہب جو اس زمانے میں رائج تھا جب صوفیاء یہاں آئے ان کا خوگر ہو گیا تھا کیونکہ ہر اوتار کے لئے عجائبات کا اظہار ضروری سمجھا جاتا تھا اس عقیدہ نے اتنی پرورش پائی کہ بالآخر دُنیا کی ہر عجیب چیز کی پرستش شروع ہوگئی۔

جب تک خُدا اپنے اولیاء کے ذریعہ سے ان عجائبات سے زیادہ عجیب چیزیں نہ ظاہر فرماتا جو یہاں رائج تھیں ۔اس وقت تک لوگوں کی گرویدگی ناممکن تھی چنانچہ یہاں کے اولیاء کرام سے خاص طور پر خوارق عادات کا ظہور زیادہ ہوا اور اس نے تھوڑی مدّت میں بڑی بڑی جماعتوں کی کایا پلٹ دی اور ان بزرگان دین کی سرعت تاثیر ہی کا یہ اثر ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد موجود ہے۔

مگر زمانہ اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ اب معیار تصوّف ہندوستان میں بھی کرامات کے وجود کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔اسلام کی بڑھتی ہوئی روشنی نے ان اوہام کے پردوں کو بالکل اٹھا دیا چنانچہ حضرت جدّی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

''موجودہ زمانے میں بزرگان دین کی کرامات نامہ شائع کرنا لوگوں کو بدعقیدہ بنانا ہے۔اب اس کی ضرورت ہے کہ اتبّاع شریعت کے لوگ خوگر بنائے جائیں اور طریقت کے اذکار واشغال کی اشاعت کی جائے وغیرہ وغیرہ۔''

میں نے آپ کی سوانح میں باب الکرامات کے عنوان کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔کرامات معنوی اور کرامات حسّی پہلے حصّے میں آپ کے فضائل کا تذکرہ ہے اس حصّہ کی تکمیل تو حقیقتہً گذشتہ حصّوں سے ہوتی ہے جن میں آپ کے معمولات اور آپ کا طریقہ سلوک ذکر ہے یہاں صرف چند اہم باتیں درج ہیں۔

دوسرے حصّہ میں آپ کے خوارق عادات کا تذکرہ ہے جو خدا نے آپ کے اظہار فضیلت میں ظاہر فرمایا اور یہ بسا اوقات از دیاد گرویدگی کا باعث ہوا۔

فضائل

ایک مرتبہ آپ مسجد کے در میں تشریف فرما تھے اور مسجد کے در کا ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے کچھ غنودگی سی طاری ہوئی چنانچہ خواب میں دیکھا کہ ایک مُرید جن کا چند دن ہوئے انتقال ہو گیا تھا۔ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ نے مجھے یہ فرما کر بخش دیا کہ یہ ان کے مرید ہیں ان کو جنت میں داخل کرو۔ آپ نے اس واقعہ کے بعد دو رکعت نماز شکر ادا فرمائی۔

بارگاہ نبوی سے مسلک کی تائید

۲۔ دوسرے حج کے بعد مدینہ شریف کی حاضری میں رجبی شریف میں شرکت فرمائی۔ وہاں سے واپسی پر کچھ ایسا ذوق ہوا کہ الہ آباد میں رجبی شریف کی محفل قائم فرمائی جو ہندوستان میں پہلی محفل تھی جسے خدا نے اتنا مقبول فرمایا کہ آج ہندوستان کا کوئی خطّہ ایسا نہیں جہاں اس عاشقِ رسول کی تقلید میں یہ محفل نہ ہوتی ہو اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ سرکار دو عالم نے اسے قبول فرما لیا۔ اس کی شہادت میں واقعہ درج ہے۔

اوّل۔ حضرت مولانا احمد حسین صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط حجاز سے تحریر فرمایا کہ یہاں مجھ سے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے کہا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھے زیارت ہوئی۔ میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے تھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم؟ ہندوستان میں رجبی ہوتی ہے وہاں گیا تھا۔

دوم۔ قاضی شریف صاحب جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے جب آپ نے رجبی کرنی شروع کی تو وہ بہت کبیدہ ہوئے اور برابر اس کے جواز کا انکار کرتے رہے ۔انھوں نے ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ رجبی شریف کا حصّہ تقسیم ہو رہا ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں آپ نے فرمایا ان کو مت دو یہ منکر ہیں ۔قاضی صاحب پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ الہ آباد پہنچتے ہی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باوجود فضل وکمال اور سنِ رسیدگی کے پیر پر گر کر رونے لگے۔

سوم۔ رجبی شریف کے موقع پر پانی برس رہا تھا محفل بننے میں دقّت تھی الہ آباد کے وہابی حضرات بہت خوشیاں کر رہے تھے کہ اب کی رجبی نہ ہو سکے گی۔ مولانا حجرہ سے برآمد ہوئے اور تفضّل خاں (منصرم انجمن رفاہ اسلام الہ آباد) سے فرمایا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انتظام کرو ہم بارش روک دیں گے۔
رجبی کو وہ مقبولیت حاصل تھی کہ کثرت سے علماء اور صوفیاء تشریف لاتے تھے اور تمام شہر میں یہ معلوم ہوتا کہ انوار برس رہے ہیں۔

اجابَتِ دُعا

۳۔ اخیر حج میں مدینہ منورہ ہی میں قیام کا اردہ تھا۔ ساتھیوں کی روانگی کا حکم دے دیا گیا تھا اور فرمایا کہ تم لوگ جاؤ میں ابھی نہ جاؤں گا۔ مگر قافلہ کی روانگی کے وقت مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم کو تنہائی کی وجہ سے کچھ وحشت شروع ہوئی آپ ان کی خاطر سے طوعاً وکرہاً روانہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ایک سرّ مخفی لئے جا رہا ہے۔ اس واقعہ سے پہلے ابرار میاں مرحوم سے (صاحب زادہ متولّی صاحب درگاہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ) جو بہت کمسن تھے فرما چکے تھے کہ دُعا کرو کہ خُدا مجھے یا تو مدینہ طیّبہ میں موت دے یا اجمیر شریف میں۔ نیز اکثر خود بھی دُعا فرمایا کرتے تھے مدینہ کے واپسی کے بعد سے جب تک اس دنیا میں رہے سخت بے قراری اور تفکّر کی حالت میں رہے۔

انتہائے ادب اور محبت بزرگان دین

۴۔ پیرزادہ کا احترام فرماتے تھے اور ان کی کسی خاطر داری سے جب تک شرع کے خلاف نہ ہو دریغ نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ جو ایک ولی کے خاندان سے تھے۔ دلّی میں اصرار فرمانے لگے کہ ایک رئیس نے دعوت کی ہے اس میں وہ بھی شرکت فرمائیں دعوت کھانے انگریزی قطع سے پکے ہوئے تھے اور کھانے کا انتظام بھی میز پر کیا گیا تھا مولانا کو ان تمام چیزوں سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے بار بار انکار فرماتے رہے مگر ان رئیس صاحب نے پیر

زادہ صاحب پر انتہائی زور ڈالنا شروع کیا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے اصرار کریں مولانا رحمۃ اللہ علیہ بلطائف انھیں ٹال کر میرٹھ چلے گئے مگر یہ جا کر وہاں سے زبردستی لے آئے نتیجہ یہ ہوا کہ کھانے پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اتنا سخت اختلاج کا دورہ پڑا کہ آپ پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ تمام ناخن نیلے پڑ گئے اور اتنی خطرناک صورت ہوگئی کہ حکیم عبدالمجید خاں کو دکھایا گیا کوئی آرام نہ ہوا۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی چیزوں سے جو نفرت تھی اس میں تصنّع کو کوئی دخل نہ تھا۔

۵۔ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ فرنگی محل میں وعظ کہیں آپ اُس وقت بالکل خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا مگر شب میں جس کے دوسرے روز بیان ہونے والا تھا بلا اطلاع لکھنؤ سے روانہ ہوگئے اور یہ فرمایا کہ فرنگی محل میرے اساتذہ کا مکان ہے یہاں بیان کرنا بے ادبی ہے۔

انکساری

۶۔ انکساری کی یہ حالت تھی کہ ایک زمانے تک مُرید کرنے سے انکار فرماتے رہے۔

۷۔ اخلاق کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ مجھی پر زیادہ شفقت کرتے ہیں۔

''مُرشد سے قُربت''

۸۔ حضرت مولانا احمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کانپوری خلیفہ حضرت امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکّی ایک خط مکّہ معظّمہ سے (متعلق حالات حضوری خدمت مُرشد) تحریر فرمایا تھا جس سے آپ کا تعلق مُرشد سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ خط یہ ہے۔

باسمہ سبحانہٗ

پس از سلامے کہ سنّتِ سینہ کریم و موشح بسلام قول من الرب الرحیم واضح ہو کہ رنگین نامۂ محبت شمامہ نے مصحوب عنایت نامہ مولوی عبیداللہ صاحب کے وصول ہو کر انبساط تازہ وانبہاج بے اندازہ بخشا۔

نامہ کہوں سحر کہوں یا کہوں طلسم ☆ دکھلایا اس نے جوش محبت کا ایک جسم

خط مختصر ہے اور صفت اس کی طول ہے۔ القصّہ حرف حرف محبت کا پھول ہے اپنی یہی دعا ہے الٰہی فزود باد بر عاشقان رحمت رب وَدُود باد۔

حسب الحکم نامہ سامی کو حضرت اقدس (یعنی مُرشد) میں لے جا کر اجازت سنانے کی چاہی ارشاد سُنانے کا پا کر سُنانے لگا سرنامہ کے لفظ حق حق حق کو جو زبان سے ادا کیا حکم ہوا پھر اس لفظ کو ادا کرو پھر ادا کیا ایک حالت وجد کی سی پیدا ہوگئی اسی حالتِ وجد میں حضرت بھی زبان مبارک سے حق حق فرمانے لگے اور کئی مرتبہ پڑھوایا بعد ازاں شان نزول لفظ حق حق حق بیان فرمایا اور حضرت شاہ عبدالحق علیہ الرحمۃ رُدولوی کا قصّہ دیر تک بیان فرماتے رہے بعدہٗ اشعار سُن کر بہت خوش ہوئے اور ان کو کئی مرتبہ پڑھوایا۔ بعدہٗ باقی مضمون سُن کر بہت خوش ہوئے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کی طبیعت بہت رنگین ہوگئی اور ان کے خط نے مجھ کو گرم کر دیا۔ اس خط کے سنانے کے بعد مولوی نیاز احمد صاحب آئے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خطاب فرمایا کہ دیکھو مولوی صاحب کا خط آیا ہے کیا پُر جوش خط ہے میں نے وہ خط مولوی نیاز احمد کے ہاتھ میں دے دیا وہ پڑھنے لگے تو اچھی طرح سے پڑھا نہ گیا حضرت اقدس مدظلہٗ نے فرمایا کہ تم سے نہیں پڑھا جائے گا اہل درد کے خط کو اہل درد ہی پڑھ سکتا ہے اس کو مولوی یعنی احمد حسین ہی خوب پڑھتے ہیں من بعد جب جلسہ برخاست ہوگیا اور میں بھی جانے لگا تو میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا حضرت میں مولوی صاحب کے جواب میں کیا لکھ دوں حکم ہوا کہ میری طرف سی یہ لکھ دو کہ تمہارے خط سے تمہاری کیفیت معلوم ہوئی **اللّٰھم زد فزد** ہماری طبیعت تم سے ملنے کو بہت چاہتی ہے مگر بُلا نہیں سکتا کہ حیات مستعار کا اعتبار نہیں تُم آئے اور میں نہ ہوا تو شاید تمھارا حرج ہو ہاں اگر بہ نیت حج بیت اللہ آنا ہو تو ممکن ہے۔

دوسرے روز جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ جب خط لکھنا تو ہمارا بھی سلام لکھ دینا کہ۔

سلام علیکم چو در حاضری ☆ گر از جسم دوری بدل حاضری

بعد اس کے جو تقریظ آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب برادر مولوی عادل کی کتاب پر لکھی ہے اس کو پڑھوایا اور خوب غور سے سُنا اور نہایت خوش ہوئے۔ آپ کے عنایت نامہ کے آنے سے چار پانچ روز قبل کا یہ تذکرہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت حضرت صاحب بالا خانہ سے خانقاہ شریف میں تشریف لائے۔ میں حاضر تھا فرمانے لگے کہ آج میں صبح کو بوجہ نہ سونے شب کے ذرا سو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب آگئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم نے اطلاع نہیں کی۔ کہنے لگے ہاں نہیں ہوسکی بعدہٗ آنکھ کھل گئی شاید ملاقات ہوجائے آجائیں میں نے عرض کیا یقینا آجائیں گے حضور کا خواب ہے خیال نہ ہوگا فرمانے لگے خیال یہی ہوتا ہے چونکہ ان کا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے شاید خیال ہو میں نے عرض کیا یقینا آئیں گے میں جس روز آپ کا خط سنایا مولوی محب الدین صاحب نے فرمایا کہ شاید خواب کی یہی تعبیر ہو کیونکہ خط سے بھی ایک قسم کی ملاقات ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے بھی کہا کہ ہاں ''المکتوب نصف الملاقات'' حضرت اقدس کو اس امر کا بہت خیال ہے کہ میرا فیصلہ'' ہفت مسئلہ'' ہمارے لوگوں نے کس نظر سے دیکھا (یہ وہ کتاب ہے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے متعلق مسائل مختلف فیہ مولود شریف و فاتحہ وغیرہ تحریر فرمائی تھی) آیا پسند ہے یا ناپسند لہٰذا آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ لکھیں کہ وہ دیوبند وغیرہ جگہوں میں کن نظروں سے دیکھا گیا حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ ہمارے ضیاء القلوب کا ترجمہ عربی اب تک نہیں ہوا یا ہوگیا میں نے عرض کیا کہ ان کو خیال بہت تھا اور ترجمہ تیّار ہوگیا تھا شاید اب طبع ہوگیا ہو فرمایا جلد آجاتا تو میں دیکھ لیتا آج کل حضور پُرنور کو اپنے خدّام کا بہت خیال ہو رہا ہے اور غایت درجہ کی توجہ اور شفقت فرما رہے ہیں آپ کی موجودگی ایسے وقت میں بہت ضروری ہے میں نے حضرت سے کہا کہ میرے گروہ میں مولانا محمد حسین صاحب ایک قابل ولائق شخص ہیں ان کی رعایت حضور فیض گنجور ضرور مرعی رکھیں۔

اکثر اوقات آپ کا ذکر خیر اس عاجز کے زبان سے ہوجایا کرتا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ حضور سے کچھ وقت مقرر کرالینا حضور خود اپنے فضل و کرم کو وسعت دے کر صبح سے بارہ بجے دوپہر تک تشریف فرما رہتے ہیں اور انواع واقسام کے عنایات وتلطفات فرماتے رہتے ہیں میں

بھی اس سب وقت کو غنیمت جان کر پورے وقت حاضر رہتا ہوں کوئی قصیدہ یا غزل پھڑکتی ہوئی حضرت اقدس کی شان میں اگر انشا کر کے روانہ فرمائیں تو اس کو میں حضرت کی خدمت میں سنایا کروں البتہ لطف ہوگا مگر طویل ہو تو بہتر ہے۔ والسلام۔

دستخط احمد حسین عفی اللہ عنہ

۹/رجب ۱۳۱۲ھ

۹۔ مولانا موصوف ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولانا میں کیفیت عشقیہ کا شباب ہے اور شیخ محب اللہ الہ آبادی سے خاص نسبت ہے۔

۱۰۔ آپ پر ایک زمانے میں ایسی حالت طاری ہوئی کہ ہر تعویذ پر بجائے کچھ اور لکھنے کے حاجی امداد اللہ لکھ دیا کرتے تھے۔

۱۱۔ محمد خاں صاحب ٹھیکہ دار آپ کے مُریدین میں تھے دارا گنج کے رہنے والے اور صاحب ثروت تھے آپ کی دعوت کی، وہاں ایک صاحب کھانا کھلانے میں بہت پیش پیش تھے دو چار مرتبہ مولانا کے سامنے سے گذرے تو مولانا نے لوگوں سے بُلا کر پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جن کی طرف میرے دل کو خاص کشش معلوم ہوتی ہے لوگوں نے کہا کہ یہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے چونکہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دولت خانہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تھا۔

۱۲۔ آپ کی تین پشتیں حضرت اقدس سے بیعت ہوئیں آپ کے والد رحمۃ اللہ علیہ آپ اور آپ کے صاحبزادے۔

۱۳۔ جب آپ کے والد نے مکہ معظّمہ میں اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اعلیٰ حضرت نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ جس نے ولی کا جنازہ نہ دیکھا ہو جا کر دیکھ لے۔

۱۴۔ ایک مرتبہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کے نے بجانے والے اعلیٰ حضرت کے حضور میں حاضر ہوئے فرمایا کہ وہ (یعنی مولانا الہ آبادی) اس کے اہل ہیں اگر وہ ہوتے تو ان کے ساتھ سُن لیتا۔

خوارق عادات

۱۶۔ امام المتاخرین حضرت استاذی مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ نے خاکسار سے بیان فرمایا کہ اپنے زمانۂ طالب علمی میں مولوی انوار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باغ میں (جہاں آپ کے بزرگان خاندان کے مزارات ہیں) عرس کے موقع پر محفل سماع میں حاضر تھا۔ میرے مقابل کے صف میں مولانا تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں ایک شخص صدا سہاگن فقیروں کے کپڑے پہنے ہوئے سامنے کی صف میں آ کر بیٹھ گئے اور مجھے غور سے دیکھنے لگے جب وہ مجھے دیکھتے تو مجھ پر ایک بے خودی سی کیفیت طاری ہوجاتی جی چاہتا کہ کپڑے پھاڑ کر ناچنے لگوں۔ مگر معاً میری صورت دیکھ کر مولانا میری طرف غور سے دیکھنے لگتے ان کے دیکھنے کے ساتھ ہی میری طبیعت میں سکون ہوجاتا جب وہ پھر دیکھتے تو میری کیفیت بدل جاتی۔ اور مولانا کی توجہ سے دوبارہ سکون ہوجاتا تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہی کہ مولانا کو دفعتہ غصّہ آگیا اور اس صدا سہاگن کو یہ کہہ کر کہ تو لڑکوں کو تنگ کرتا ہے نکلوا دیا۔

۱۶۔ حضرت صوفی جان صاحب آپ کے وصال کے بعد ایک مُرید سے جو بہت تصنع کے ساتھ ''ہوحق'' کہا کرتا تھا فرمایا کہ تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے پیر اس سماع میں شرکت فرماتے ہیں۔ ادب سے رہا کرو۔

۱۷۔ جب آپ آخری حج کو تشریف لے جانے لگے تو مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میری خطا معاف کر دیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خطا معاف کر دی مگر یہ تو بتاؤ تم نے کیا خطا کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کی برائی لکھ رہا تھا رات کو خواب میں پیر صاحب تشریف لائے اور انھوں نے مجھے تنبیہ فرمائی مگر میں نے اپنا کام جاری رکھا دوسرے دن پھر تشریف لائے اور مجھے ایک طمانچہ مار کر کہا کہ جا قصور معاف کرا۔

۱۸۔ سیّد ابوالحسن صاحب عریشی مرحوم قانون گو حضرت کے مریدین میں تھے جن کا خاندان اب تک صمد آباد میں ہے فرماتے تھے کہ میں اپنے ایک دوست کو جو بیکاری کی وجہ سے از

حد پریشان تھے دعا کرانے کی غرض سے لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے لئے مویشی خانہ کی محرری ہے ایک ہی ہفتہ کے بعد وہ محرر مقرر ہو کر سید آباد چلے گئے۔

۱۹۔ قانون گو صاحب موصوف نے بیان فرمایا کہ میر علی عباد صاحب ایک خطرناک مقدمہ میں پھنس گئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے عرض کی۔ آپ نے دعا فرمائی خدا نے کامیاب فرمایا۔

۲۰۔ کڑے کے ایک معزز شخص نے بیان کیا کہ آپ حضرت خواجگی صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ حضرت کے یہاں شیعہ خُدّام کی جماعت زیادہ ہے دوسرے دن قیام گاہ پر ایک شیعہ صاحب تشریف لائے توبہ کی اور یہ کہا کہ حضرت خواجگی صاحب نے خواب میں یہ فرمایا کہ میرے یہاں شیعہ بہت ہیں تم جا کر مولانا کے ہاتھ پر توبہ کرو۔

۲۱۔ محمد خاں صاحب ٹھیکہ دار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ مولوی عبید کو دارا گنج نہ لے جانا۔ مگر جب مولانا بعد ظہر حجرہ میں تشریف لے گئے تو ہم دونوں آدمی چھپ کر چلے گئے اور مولانا کے حجرہ سے نکلنے کے پہلے ہی چلے آئے جیسے ہی برآمد ہوئے ہم لوگوں پر خفا ہونے لگے اور خفگی میں تمام وہ باتیں بتلا دیں جو ہم لوگوں کے آنے جانے میں پیش آئی تھیں حتّٰی کہ یکّہ کے گھوڑے کا رنگ بھی بتا دیا۔

۲۲۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا۔ تمام اطباء ڈاکٹروں اور خود مولانا کا علاج کر کے تھک گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ سال بھر کے بعد مولانا پھول پور پہنچے میں وہیں مقیم تھا آپ نے قیام فرمایا اور مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا کھانے میں جتنی چیزیں میرے لئے نقصان دہ تھیں سب کھانے کا حکم دیا کھانے کے قبل بہت دیر تک مجھے دیکھتے رہے اور فرمایا کہ تو اچھا ہوگیا۔

اس کے بعد سے آج تک مجھے وہ مرض نہیں ہوا۔

۲۳۔ خاں صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میرے والد نے دعوت کی مولانا نے اس میں وعظ بیان فرمایا وعظ بہت دیر تک ہوتا رہا شہر کے اکثر لوگ مدعو

تھے کھانے میں بدانتظامی ہوئی اور وعظ کے بعد کھانا ختم ہو گیا مگر نصف کے قریب لوگ باقی رہ گئے ہم لوگ سب بہت پریشان ہوئے بالآخر مولانا کو اس پریشانی کی خبر معلوم ہوئی تو فرمایا کہ گھبراؤ نہیں خدا کا نام لے کر دسترخوان بچھادو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کھانا بالکل کافی ہو گیا۔

۲۴۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میرے لڑکا نہیں پیدا ہوتا تھا حضرت صوفی جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے لئے سفارش کی۔ آپ نے پوچھا کہ کے لڑکے چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا صرف ایک اس لئے کہ ہم بہت سے بھائی ہیں اور آپس میں خانہ جنگی ہو رہی ہے چنانچہ دعا فرمائی میرے بہت سی لڑکیاں پیدا ہوئیں مگر لڑکا صرف ایک۔

۲۵۔ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوا ہوں اور مولانا سے عرض کیا ہو اور پھر بھی وہ پریشانی باقی رہ گئی ہو (اس کے علاوہ اور بہت سی کرامتیں محمد خاں صاحب سے مروی ہیں جو طوالت کے خیال سے آئندہ موقع کے لئے چھوڑی جاتی ہیں)۔

۲۶۔ علاؤالدین تمباکو فروش جن کی دوکان اب بھی مچھلی بازار کے قریب ہے اکثر خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کے بھائی مولانا کے مخالفین میں تھے ان کے منہ سے خون آ رہا تھا کسی طرح فائدہ نہیں ہوتا تھا علاؤالدین صاحب نے عرض کیا مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے کہہ دو کہ رات کو سوتے وقت یہ الفاظ کہیں۔ مولانا نے کہا ہے کہ خون بند ہو جائے گا۔ علاؤالدین صاحب نے اپنے بھائی سے جا کر کہا مگر انھوں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ چند دنوں کے بعد علاؤالدین صاحب نے پھر عرض کیا کہ

''حضور خون نہیں بند ہوتا۔''

آپ نے فرمایا کہ وہ الفاظ انھوں نے نہ کہے ہوں گے وہ کہیں تو خون بند ہو جائے چنانچہ مجبوراً انھوں نے کہا اور اس تاریخ سے خون بند ہو گیا۔

حضرت عبدالحئی خاں صاحب ایک مرید ہیں ان کے چچا حافظ شاکر خاں صاحب حج کو گئے خبر مشہور ہوئی کہ انتقال ہو گیا عبدالحئی خاں صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور انتقال کی خبر

سنائی آپ نے تھوڑی دیر غور فرمایا اور ہنس کر کہنے لگے کہ حافظ جی کا پتہ نہ زمین پر ملتا ہے نہ آسمان پر۔ انتقال ہوا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں گئے لوگ مزاح سمجھ کر چپ ہو گئے۔ ان کا سوم بھی ہو گیا مگر جس دن چالیسواں تھا اسی دن حافظ صاحب تشریف فرما ہو گئے اور اپنے چالیسواں کا کھانا نوش کیا سب لوگ سمجھے کہ اظہار حقیقت تھا نہ کہ مزاح۔

۲۸۔ میرے چچا مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متعدد بار اتنا بیمار ہوا کہ امید زیست منقطع ہو گئی مگر صرف مولانا کے تصرّف سے اچھا ہو گیا اور اب تک موجود ہوں۔

۲۹۔ میرے بڑے چچا مولانا حافظ جلال الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مولانا رُدولی شریف میں تھے میں اتنا علیل ہوا کہ زیست کی توقع منقطع ہو گئی آپ وہاں سے تشریف لائے اور دعا فرمائی خدا نے مجھے صحت کُلّی عطا فرمائی۔

اس سلسلہ کے بہت سے واقعات ہیں جن کا ذکر بخیال طوالت ترک کرتا ہوں۔ نیز حضرت جدی رحمۃ اللہ علیہ بھی خوارق عادات کو بہت زائد کمال کی چیزیں نہیں سمجھتے اور ان کی زائد ذکر کرنا بھی بہت پسند نہ فرماتے تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ؕ

.......................☆.......................

تصوّف

اسلامی تاریخ سے جولوگ واقف ہیں وہ اسے پوری طرح جانتے ہیں کہ فنّ حدیث، تفسیر، فقہ اور کلام کی تدوین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد ہوئی لیکن ان تمام فنوں کا ماخذ کتاب اللہ اور سنّت ہی ہے اسی طرح یہ فن بھی دربارِ نبوت ہی کا خوشہ چین ہے۔ حضرات صوفیہ اس دعویٰ کی تائید میں بہت سی احادیث اور متعدد آیات قرآنی پیش کرتے ہیں۔

(۱) عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن سرکار کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور سرکار کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا اور آپ کی رانوں پر اس نے دونوں ہاتھ رکھ لئے اس شخص کے بال بہت سیاہ تھے اور کپڑے بہت سپید۔ نہ ہم لوگوں میں سے کوئی اسے جانتا تھا اور نہ اس کے اوپر آثار سفر نمایاں تھے (اس نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''اے محمد! ہمیں اسلام کی حقیقت بتایئے'' آپ نے فرمایا ''تمہارا گواہی دینا کہ کوئی معبود خدا کے علاوہ نہیں۔ محمد خُدا کے رسول ہیں۔ نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کا روزہ رکھنا اور خدا کے گھر کا حج کرنا اگر جانے کی قدرت ہو'' اس شخص نے کہا کہ ''آپ نے سچ فرمایا'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ہم کو تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی سوال کرتا اور پھر تصدیق بھی کرتا ہے'' پھر اس نے کہا کہ ''ایمان کی حقیقت مجھے بتایئے'' آپ نے فرمایا کہ ''تمہارا یقین کرنا خدا کا، اُس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور اس بات کا یقین کرنا کہ بھلائی اور اچھائی سب کا تعلق خدا ہی سے ہے'' اس شخص نے کہا کہ ''آپ نے سچ فرمایا'' اور پھر کہا کہ ''احسان کی حقیقت مجھے بتایئے'' آپ نے فرمایا کہ ''تمہارا اس طرح عبادت کرنا کہ گویا خدا کو تم دیکھتے ہو یا (اگر یہ کیفیت طاری نہیں ہے) تمہارا یہ سمجھنا کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (مسلم شریف)

مذکورہ بالا حدیث نبوی سے یہ بات پوری طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ دین اسلام میں علاوہ ایمان اور اعمال صالحہ کے کوئی دوسری چیز بھی ہے جو ان دونوں چیزوں کے علاوہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''احسان'' سے تعبیر فرمایا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احسان کا مرتبہ ایمان اور اعمال کے بعد کا ہے جو ان دونوں چیزوں کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اُس کا وسیلہ پڑتی ہیں اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اسلام اشارت بفقہ است کہ متضمن بیان اعمال و احکام شرعیہ است و ایمان اشارت با عتقادات کہ مسائل اصول کلام اند و احسان اشارت باصل تصوف کہ عبادت از صدق توجہ الی اللہ است وجمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت بآں اشارت کردہ اندراجع بہمیں معنی است وتصوف و کلام لازم یکدیگر اند کہ ہیچ یکے بے دیگرے تمامی نہ پذیرد۔ چرا کہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندو۔ زیرا کہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نشود۔ وفقہ بے تصوف تمام نہ شود زیرا کہ عمل بے صدق توجہ تمامی نہ پذیرد۔ وہردو بے ایمان صحیح نگردد برمثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بے دیگرے وجود نگیرد و کمال نہ پذیرد ازیں جا فرمودہ امام مالک رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۷۹ ہجری) ''مَن **تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من تفقہ و لم تیصوف فقد تفسق و من جمع بینھما فقد تحقق**'' (جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا اور جس نے ان دونوں چیزوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔) کمال جامعیت ایں است باقی ہمہ زیغ وضلال۔ اشعۃ اللمات صفحہ ۱۴۵۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کا ماخذ تعلیم اسلام ہے احسان کی جو تعبیر شارع نے فرمائی صوفیاء کرام فن تصوف کی تعبیر بھی ان ہی الفاظ میں کرتے ہیں چنانچہ ابن عطا فرماتے ہیں کہ **التصوف ھو الاسترسال مع الحق** تصوف اس چیز کا نام ہے کہ خدا بندہ کا ہو رہے یعنی اتنا قرب ہو کہ خدا کے علاوہ تمام چیزیں فنا ہوجائیں۔ صوفیاء کی عبادتیں ہمیشہ اس طرح پر ہوتی ہیں گویا واقعی رویت الٰہی کی کیفیت ان پر طاری ہورہی ہے اور مشاہدۂ حق ہورہا ہے۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (خدا عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے) عدل سے مراد اعتدال فی الدین اور احسان سے وہ مراد ہے جس کا تذکرہ حدیث قُدسی میں ہے۔)

(۳) اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدٰی (میں اللہ بخشنے والا ہوں اُس شخص کو جس نے توبہ کیا، ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر اس نے ہدایت حاصل کی) ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے بعد ہدایت اُسی خاص حقیقت کی تعبیر ہے جو مومنین کاملین کو ایمان اور عمل کے بعد توجہ الی اللہ یا مشاہدۂ حق میں حاصل ہوتی ہے۔

(۴) مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ترجمہ جس شخص نے اپنی پیشانی بارگاہِ الٰہی میں جھکائی اور (اسی کے ساتھ) وہ صاحبِ احسان بھی ہوا تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے بارگاہ تقرّب میں ہے اور ایسے لوگ خوف اور رنج سے محفوظ ہیں۔

اس آیت میں اس جزاء کا بھی تذکرہ ہے جس کے شوق میں یہ حضرات طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں یعنی تقرّب الی اللہ اور وصال الٰہی۔

یہ ضرور ہے کہ یہ مخصوص الفاظ ''تصوف'' صوفی'' اور متصوف دوسری صدی کی ایجادات ہیں جن کے ایجاد کی وجہ ابو القاسم عبد الکریم قشیری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۵ھ) نے یوں بیان کی کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے بڑے لوگوں کے ساتھ سوا خطاب صحابہ کے کسی دوسری چیز کو پسند نہ فرماتے تھے اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری فضیلت ان کے نزدیک نہ تھی اس طرح اس کے بعد کے لوگوں نے تابعین صحابہ سے زیادہ کسی خطاب کو قابلِ شرف نہ سمجھا اور ان کے بعد اتباع تابعین کے خطاب کو افضل ترین خطاب خیال کیا گیا لیکن ان تمام ادوار کے بعد ہر جماعت میں اختلاف مراتب ہو گیا چنانچہ ان لوگوں کو جو امور دینیہ کی جانب غیر معمولی توجہ کرتے تھے۔ عباد و زہاد کہا جانے لگا پھر بدعتیں دُنیا میں رائج ہو گئیں اور ہر فریق نے عباد و زہاد کا خطاب اختیار کر لیا تو اہل سنّت نے جن کا شیوہ یہ تھا کہ اپنے ہر سانس کو خُدا کی اطاعت میں صرف کرتے اور اپنے قلوب کو غفلتوں سے محفوظ رکھتے اپنے نام کے ساتھ تصوف وابستہ کر دیا اور ان حضرات کے ساتھ اسی نام کی شہرت دوسری

صدی ہجری سے قبل ہوئی۔ (صفحہ ۹ رسالہ قشیریہ)

تصوّف کی تعریف

اس کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں ان تعریفوں کی وضاحت کے لئے میں حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا وہ مضمون پیش کرتا ہوں جو آپ نے ''نغمۂ قدوسی'' کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا اور جو نامکمل رہا مگر تصوف کی تعریف پر اس سے ایک گونہ روشنی پڑ جاتی ہے۔

نغمۂ قدوسی

امّا بعد۔ یہ چند متفرق مضامین پریشان مطالب مجموعہ ہے مسمٰی بہ نغمۂ قدوسی جیسا اس کا مؤلّف ہے متشتت البال متفرق الاحوال ویسا ہی یہ مجموعہ ہے غیر مرتّب نہ مُفصّل نہ مبوب ایک بات زمین کی ہے تو ایک آسمان کی ہے ایک مکان کی ہے تو دوسری لامکاں کی مگر با ایں ہمہ خدا نے چاہا تو جو بات ہوگی حضرات صوفیہ کرام کے مذاق کے موافق محققین کی تحقیق کامل کے مطابق جس کی تائید کتاب وسنّت میں مذکور بزرگان دین کے صحائف قدسیہ میں مسطور دوانہ ہوں لیکن بات کہتا ہوں ٹھکانے کی کہیں معرکتہ الآرا مسائل کی تحقیق ہے کہیں اصطلاحات تصوّف کی تنقیح کہیں سادات صوفیہ کے اشعار یا کلمات طیّبات کی توضیح کہیں تصوف کے کسی مسئلہ کی تشریح کہیں کسی نکتہ تصوف کے الجھاؤ کا سلجھاؤ کہیں کسی بگڑی ہوئی بات کا بناؤ غرض بات وہی ہوگی جس کو تصوف سے کسی قسم کا لگاؤ ہے اور انشاء اللہ حتی الوسع کوشش کی جائے گی کہ بیان عام فہم ہو فلسفہ کے دقائق سے مہما امکن کام نہ لیا جائے گا تصوّف کی بھی وہ باریک باتیں جن کے دیکھنے سُننے سے عقول متوسط کی وحشت بعد خرابی بسیار کے بھی رفع نہ ہو انشاء اللہ ذکر نہ کئے جائیں گے یہ تصوّف ہے جوگ نہیں فلسفہ کا اس میں روگ نہیں ہر مضمون اس کا شریعت محمدیہ کے بند و قیود میں محدود جو حرف خلاف کتاب وسنت یا اجماع اُمّت ہو مردود ہاں زید و عمر کے خلاف ہو تو کیا پروا ہے۔ جس مخالفت میں خدا اور رسول کی مخالفت نہ ہو روا ہے ہاں یہ ناکارہ بادیہ جہالت کا آوارہ رُسوا شدہ کوئے ناکامی واماندہ دشت بدنامی ہر کام میں ناکام بدنامی میں بھی ناقص رُسوائی میں بھی ناتمام بقول کسے۔ ع

در کُفر ہم ثابت نہ زنّار را رُسوا مکن

نہ صوفیوں کے شمار میں نہ مولویوں کے قطار میں پھر کس بھروسہ پر کوئی بات لکھنے کی جرأت کرے اور لکھے تو کس طرح مقبول طبائع ہونے کی امید رکھے لیکن یہ بیگانہ روش اگرچہ اُن حضرات کے ذوق مشرب کا نہ ذائقہ چش نہ اُن کے میخانہ کا پیمانہ کش ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اُن کے در کا گدا اُن کے سرکار کا نمک پروردہ اُن کے خوان کرم کا زلہ ربا ہے اُن کے صدقے میں اگر کوئی بات ٹھکانے کی نکل جائے تو بعید نہیں۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

یعنی طوطی کی تعلیم کرنے میں قاعدہ ہے کہ طوطی کے روبرو آئینہ رکھتے ہیں تا کہ اپنے عکس کو اپنا ہمجنس خیال کرے اور اُستاد تعلیم دینے والا آئینہ کے پیچھے بیٹھ کر مختلف بولیاں بولتا ہے طوطی اپنے ہمجنس کی بولی سمجھ کر ویسی ہی بولی بولنے لگتا ہے۔ غرض اس تعلیم میں اُستاد کی جگہ آئینہ کے پیچھے ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں گو پسِ آئینہ ہوں یعنی اُستاد اور معلّم کی جگہ پر مگر مجھ میں صفت طوطی یعنی متعلّم کی ہے یعنی اپنی بات نہیں کہتا اُستاد کی کہی ہوئی بات کہتا ہوں بہر حال جو کچھ لکھا جائے گا حضرات صوفیہ کے کلمات طیّبات کا انتخاب اُن کے مقاصد عالیہ کا لُب لباب ہوگا یہاں تو سراسر خطا ہی خطا ہے صواب کی کوئی بات نکل جائے تو خداوند کریم کی محض عطا ہے۔ ہاں ان مضامین کے دیکھنے سننے پڑھنے سے فی الجملہ مدد ملتی ہے یہ محض خیال باطل ہے کہ کتابوں کے دیکھنے یا حضرات صوفیہ کے کلمات و اصطلاحات و حکایات کے یاد کرنے سے کوئی صوفی بن جائے کتاب طب کی کوئی ساری یاد کرلے مگر جب تک دوا کا استعمال نہ کرے اور قاعدہ کے موافق پرہیز نہ کرے تندرست نہیں ہوسکتا اس رسالہ کے مضامین کو تصوّف اور صوفیہ کے ساتھ علاقہ ہے اس لئے اوّل لفظ تصوف اور صوفی کی تحقیق کرنا مناسب ہے اس واسطے کہ جب ہم کسی فن میں کلام کرنا چاہیں تو لازم ہے کہ پہلے اُس کی ماہیت سمجھ لیں کہ بغیر ماہیت کے سمجھے ہوئے اُس فن میں پورے طور سے کلام کرنا دشوار ہے ماہیت اُس کی چاہے دلیل کے ذریعہ سے سمجھ میں آئی ہو یا بداہتہً ماہیت اور حقیقت ایک شے ہے حقیقت کی شناخت کبھی اجزا کے واسطہ سے ہوتی ہے جن کے ملانے سے وہ حقیقت بنے اُن ترکیب دئے ہوئے اجزا کو جن کے

جاننے سے وہ حقیقت پہچانی گئی حد بولتے ہیں اور کبھی اجزائے ترکیبی کے سوا اوراوصاف اور آثار کے ذریعہ سے حقیقت کی شناخت ہوتی ہے اُن اوصاف اور آثار کو جن سے حقیقت کی ایک قسم کی شناخت ہوئی رسم کہتے ہیں ایک حقیقت کے لئے آثار اور اوصاف بے شمار ہوسکتی ہیں اور ہر ایک اُن میں سے شناخت کا ذریعہ ہوسکتا ہے اس لئے ایک کے لئے بے حد رسمیں ہوسکتی ہیں اسی بناء پر تصوف کی تعریفیں کثیر دیکھنے میں آئیں امام بن مرزوق نے قواعد میں لکھا ہے کہ دو ہزار تک تعریفیں تصوف کی کتابوں میں دیکھی گئی اور کئی سو تعریفیں حافظ ابونعیم نے حلیہ میں لکھی ہیں حقیقت کے اجزا متعین اور محدود ہوتے ہیں اس لئے حد متعین اور محدود ہوگی نہ متعدد اور کثیر اگر کسی کے اجزائے ہدیہ میں مختلف اقوال اہل فن سے آئے ہوں تو اُس کا منشاء اجزائے حقیقی کا نہ جاننا ہے کسی شے کی حقیقت اور ماہیت کا یقینی طور پر جاننا اور اجزائے حقیقہ کا یقیناً علم ہونا بہت دشوار ہے اسی لئے شیخ بوعلی سینا نے اُس کو طاقت بشری کے احاطہ سے باہر سمجھ کر عالم الغیب کے مخصوص علوم کے سلسلہ میں داخل کیا ہے ہر حقیقت کو اس قدر آثار اور اوصاف و خواص ولوازم گھیرے ہوئے رہتے ہیں کہ اُن میں سے اجزائے حقیقی کا برآمد کرنا اور امور داخلی و خارجی کو جُدا جُدا یقینی طور پر جاننا آسان کام نہیں بیشتر حس ظاہری کی نظر آثار اور اوصاف پر پڑتی ہے سہل انگاری فطرت انسانی کا تقاضا ہے جس شخص نے محض آثار کو دیکھ کر قناعت کرلیا اور قصور ہمّت کی وجہ سے نظر کو آگے بڑھنے نہ دیا اُس کی نظر میں انھیں آثار کی ہیئت مجموعی عین حقیقت قرار پاتی ہے اور جس نے قوت نظری کی رفتار کو بڑھایا اور راہ میں رُکنے سے روکا عجب نہیں کہ حقیقت تک باریاب ہوا ہو مثلاً منجملہ حقائق کے ایک حقیقت انسانی ہے جس شخص نے اُس کی ظاہری شکل رنگ و روپ ڈیل ڈول کو دیکھا اور اُس کی فکر نے آگے بڑھنے کی قوت نہ پائی یا آگے کا راستہ اسے نظر نہ آیا یہ سمجھا کہ حقیقت انسانی محض یہ ظاہری ہیکل جسمانی ہے اور جس کی نظر کسی قدر آگے بڑھی اُس نے دیکھا کہ انسان کی حقیقت محض اس ظاہری رنگ روپ میں محصور نہیں بلکہ مختلف طبقات کے موجودات سے اُس کے قصر وجود کی بنا قائم ہے پہلا طبقہ اُس کا بدن ہے جو شخص سیماب کی ظاہری صورت کو دیکھے یہ سمجھے گا کہ ایک شے بسیط سیّال ہے مگر حقیقت شناس جب کسی چیز میں مختلف قسم کے افعال دیکھتا ہے تو ہر فعل کو اُس

کے مبداء کی جانب منسوب کرتا ہے مثلاً سیماب میں سیلان اور بہتا پانی کے اجزاء کی طرف منسوب ہے اور ثقل گرانی و چاندی کے اجزاء کی طرف انسان کھانا کھاتا ہے پانی پیتا ہے قوت غاذیہ اور ہاضمہ اپنی کاریگری کر کے غذا کو کیلوس اور کیموس بناتی ہے اور پھر اُس کو تین حصّوں پر تقسیم کرتی ہے۔ایک منی دوسرے خون تیسرے نسمہ جسے طب میں روح حیوانی بولتے ہیں خون اعضاء کے لئے غذا ہوتا ہے۔منی بتقضائے قوت شہوانی رحم میں جاتی ہے اور خون سے اسے مدد پہونچتی ہے وہاں اُس سے ایک دوسرا شخص انسانی پیدا ہوتا ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالنے سے درخت اگتا ہے یہ انسان کے جسم اور بدن کی انتظامی حالت ہے جو وجود انسانی کا طبقہ ادنیٰ ہے۔دوسرا طبقہ نسمہ یعنی روح حیوانی کا ہے کہ اخلاط سے لطیف اجزا کھینچ کر قلب کے قریب پہونچتے ہیں قلب کی حرارت سے اُن میں اور لطافت در لطافت پیدا ہوتی ہے اور ایک لطیف جسم دھوئیں کے مانند پیدا ہوتا ہے جس کو نسمہ بولتے ہیں نسمہ نفس ناطقہ کے لئے بمنزلہ مرکب کے ہے اسی کی کشش سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ ہے۔انسان کی زندگی اور اس کا حس وشعور اسی کے ساتھ وابستہ ہے اس طبقہ کے تین حصّے ہیں۔ایک وہ ہے جس کے ذریعہ سے بدن کی پرورش اور اس کے تحفّظ اور بقا کی تدبیر ہوتی ہے اس حصہ کا کام محض ان امور کو طلب کرنا ہے جن کے ساتھ محض بدنی صلاح وفلاح وابستہ ہے جیسے کھانا پینا اور دیگر شہوات ولذائذ جسمانی جن سے قوائے جسمانی کے ترقیات متصور ہیں۔اس حصہ کو اصطلاح صوفیہ میں نفس بولتے ہیں شیطان کی اطاعت کی اسی حصہ میں قابلیت اور استعداد ہے اسی کے ذریعہ سے انسان خدا کا نافرمان بنتا ہے اور شرو فساد اور معصیت وعناد کا مرتکب ہوتا ہے اگر بالکل اسی سے کام لیا جاوے تو دجّالیت اور شیطانیت کے رُتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔دوسرا حصہ وہ ہے جو نفس ناطقہ کا عملی قوتوں میں تابع ہے اور اُس کے تمام اعمال میں زیر حکم اس حصہ کے ذریعہ سے انسان سکینہ اور نظافت اور عبادت وطاعت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر محض اسی سے کام لیا جاوے تو صفات ملکوتی کے ساتھ متصف ہو اور ہر لحظہ اور ہر دم متوجہ الی اللہ رہے اسی کی وجہ سے انسان پر اللہ کی محبت اور عشق کا غلبہ ہوتا ہے اس کو قلب بولتے ہیں۔تیسرا حصہ وہ ہے جو نفس ناطقہ کا عملی قوتوں میں تابع اور زیر فرمان ہے اس کے ذریعہ سے

انسان بڑے بڑے علوم کا عالم بڑے بڑے معلومات کا ماہر ہوتا ہے اُس کو عقل بولتے ہیں ہم ان تینوں حصوں کے سمجھانے کے لئے ایک مثال ذکر کرتے ہیں مثلاً ایک مکان میں تین شخص مجتمع ہوں اور وہاں نہایت لذیذ پرتکلف کھانا رکھا ہو مگر مالک مکان یہ کہے کہ کوئی اس کھانے کو نہ کھائے جو کھائے گا سخت لئیم اور دنیٰ الطبع جانور کے مانند دنیا میں سمجھا جائے گا اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا ان میں سے ایک شخص اٹھا اس نے گو یہ باتیں سنی بھی اور یہ کلمات اس کے جی کو برے بھی لگے دنیا کی ذلت اور عذاب آخرت کا کھٹکا ہی پیدا ہوا مگر کھانے کی رغبت ایسی غالب آئی کہ اس نے ایک بات کا بھی لحاظ نہ کیا اور کھانا کھا ہی لیا یہ مثال صاحبِ نفس کی ہے دوسرا شخص اس کلام کو سنتے ہی غصہ سے سرخ ہو گیا کہنے لگا کہ میں ذلّت گوارا نہیں کر سکتا کھانے کا کیا ذکر میں نہ اس مکان میں ٹھہروں گا نہ ایسے دنی الطبع لوگوں کی صحبت میں رہوں گا یہ وہ شخص ہے جس پر قوّت قلبیہ کا غلبہ ہے۔تیسرے نے کہا کہ تُم کھانے کی برائی کی وجہ بیان کرو اور دلیل سے ثابت کرو کہ اُس میں قباحت کیا ہے اور اس کے کھانے میں عذاب کیوں ہے؟ میں کھانے اور برا جاننے دونوں میں متامل ہوں جو دلیل سے ثابت ہوگا ویسا حکم لگاؤں گا یہ مثال صاحب عقل کی ہے۔یہ کیفیت دوسرے طبقہ کی ہے۔تیسرا طبقہ نفس ناطقہ کا ہے جو تمام عالم کا خلاصہ اور خلافتِ حق کا مستحق ہے اُس کی حقیقت حق کے سوا کسی پر منکشف نہیں یہ مختصر کیفیت انسان کی تھی جو بیان کی گئی اس کے علاوہ بے حد اسرار اور بے انتہا دقائق ہیں جن کے بیان کو دفتر چاہیئے غرض دیکھنے میں تو انسان مختصر ہے مگر حقیقت کی کھوج کی جاوے تو اس میں ایک جہان کا جہاں چھپا ہوا ہے اس کی پوری حقیقت کا جاننا آسان نہیں اسی طرح ہر شے کی حقیقت کا حال ہے کہ محض رسمی تعریفیں آسان مگر تحقیق حقیقت اور کنہ ماہیت کا انکشاف بہت دشوار ہے حقیقت دو قسم کی ہیں ایک اصلی دوسری اصطلاحی۔حقیقت اصلی وہ ہے جس کا ہونا نہ ہونا کسی کے ماننے نہ ماننے ٹھہرانے نہ ٹھہرانے واعتبار عدم اعتبار کے ساتھ وابستہ نہ ہو جیسے آسمان اور زمین انسان وغیرہ۔حقیقت اصطلاحی وہ ہے جس کا ایک حقیقت ہونا اور دیگر حقائق سے جداگانہ ہونا کسی خاص قوم کے اعتبار اور مقرر کرنے پر موقوف ہو چاہے اصل سے محض اعتباری ہو اور کسی نحو کا اس کے لئے واقع میں ثبوت اور وجود نہ ہو چاہے چند

واقعی امور کو خاص قوم نے ایک سلسلہ میں شامل کر کے ایک نوع ٹھہرالیا ہو اور جو امور اُس سلسلہ میں داخل ہوں وہ ایک حقیقت کے افراد کے ذیل میں شمار کئے جائیں مثلاً عالم میں جمادی حیوانی نباتی اجسام موجود ہیں اور ایسی ہی حرکات وسکنات بیحد عقلی جسمانی روحانی جہاں میں پائے جاتے ہیں اور ان سے مختلف قسم کے آثار واحکام ظاہر ہوتے ہیں ان کا جہاں میں پایا جانا کسی کے ماننے نہ ماننے کا پابند نہیں اب اُن مختلف حقیقتوں میں سے ایسے اعراض و جواہر کو جو بدن انسانی کے زائل شدہ صحت کے لوٹانے اور موجودہ صحت کے باقی رکھنے میں دخل تاثیری رکھتے ہوں ایک سلسلہ میں داخل کر کے ایک قوم نے ایک خاص فن قرار دیا جس کو طب بولتے ہیں گو واقع میں مختلف حقیقتیں تھیں مگر ان کا ایک فن اور ایک نوع واحد ہونا محض خاص فرقہ کے ٹھہرانے اور قرار دینے پر موقوف ہے علوم اور فنون کے اسما اسی قسم کے ہیں عقلاء کے نزدیک اصطلاحی امور کی حقیقت محض وہی چیز ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں اس اصطلاحی والوں نے ایک خاص نام رکھا ہو اس کے علاوہ اور کوئی حقیقت اس کے لئے تلاش کرنا بیکار ہے ایسی حقیقتوں کو حقیقت اسمائی بھی بولتے ہیں۔ تصوف بھی ایک فن خاص ہے اس کی بھی حقیقت حقیقت اسمائی اصطلاحی ہوگی مگر جب خود اہل فن کے اقوال اس کی تعریف میں مختلف ہوں اور کثرت سے مختلف عبارتیں مختلف عنوانات آئے ہوں تو اس امر کا پتہ دشوار ہے کہ اصل واضع نے ان کثیر معنوں میں سے کون سے معنی کے مقابلہ میں تصوف یا صوفی کا لفظ وضع کیا ہے۔ مگر اگر کہیں کسی خاص امر کی تعریف میں مختلف عبارتیں اقوال دیکھے جائیں اور ان ساری عبارت اور سارے اقوال کا مآل کسی ایک مضمون کی جانب ہو تو وہی مضمون اس کی تعریف اصلی سمجھی جائے گی اور وہ مختلف اقوال اور مختلف عبارات اس اجمالی مضمون کی تفصیل قرار پائیں گی تصوف کی تعریف میں گو بے انتہا عبارتیں اور بے شمار اقوال ارباب تصوف سے منقول ہیں مگر تفتیش اور تحقیق کے بعد ان سب کا رجوع ایک امر کی طرف ہے۔ اور ان سب کا حاصل امر واحد ہے جس کو ہم آگے بیان کریں گے جہاں تصوف کی حقیقت کا ذکر ہوگا اس بناء پر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تصوف کی حقیقت اسمی وہی ہے جس کی تفصیل آگے کی جائے گی یہاں ہم اس کو مبہم چھوڑتے ہیں۔ تصوف کا فن جس طرح دقیق اور نازک ہے اسی واسطے اس کے مسائل اور اس کے فوائد اور مقاصد میں

عقول متوسطہ حیران ویسا ہی لفظ تصوف کی تحقیق اور اس کی ماہیت کے بیان میں بھی حیرانی در حیرانی ہے۔ پہلے ہم لفظ تصوف کے تحقیق میں جو اقوال بزرگان دین کے آئے ہیں نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس کی حقیقت بیان کریں گے پھر اس کے موضوع سے بحث کریں گے اس کے بعد اس کی غایت اور اس کے مقصود کا بیان کریں گے پھر اس امر کی تحقیق کی جائیگی کہ تصوف کا طریقہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں اس کے ذیل میں بعضے اکابر صوفیہ کے ساتھ جو بعض متقشفین نے کچھ چھیڑ چھاڑ کی ہے اس کا بھی کچھ کچھ مختصراً جواب دیں گے اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ تصوف کا مرتبہ اور علوم کی بہ نسبت کیسا ہے۔

لفظ تصوّف کی تحقیق

تصوف۔ بعض کی رائے ہے کہ تصوف کا لفظ جامد ہے کسی سے مشتق نہیں ابو زکریا رازی نے رسالہ قشیریہ کی شرح میں بعضے اکابر سے یہ قول نقل کیا ہے انھوں نے دیکھا کہ مشتق کہنا تو دقت سے خالی نہیں اوّل قواعد اشتقاق کی پابندی پھر مشتق منہ کی تفتیش اور اُس سے مشتق منہ کی دلیل پھر لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ان سب باتوں کی تحقیق کرنے کی محنت کون اٹھاوے پھر کامیابی کی امید موہوم اس لئے سرے سے قائل ہوئے کہ جامد ہے دوسرے سے اشتقاق کا نیاز مند نہیں اور اُس کے ابتدائی معنی وہی ہیں جو اصطلاح میں قرار پائے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جامد نہیں، انھوں نے دیکھا کہ اس کا وزن قاعدہ کے موافق مصدر کا ہے متصوف وغیرہ الفاظ موافق قاعدہ صرفی کے اس سے مشتق ہوتے ہیں جامد کیوں ہو۔ ہاں معنی اصطلاحی اور معنی لغوی میں مناسبت ضرور ہے اس کی تلاش چاہئے۔ وجہ تسمیہ میں کچھ مناسبت تامہ درکار نہیں ادنیٰ مناسبت کافی ہے اس امر میں کہ اس کے لئے کون ایسا ماخوذ منہ اختیار کیا جاوے جو اصطلاحی معنی کے مناسب ہو۔ متعدد اقوال منقول ہیں۔ کسی نے کہا صوفی صوفہ سے مشتق ہے صوفہ کہتے ہیں بھیڑ کے بال کو۔ بھیڑ کا بال نرم اور ایک حقیر بے قدر چیز ہے نرمی ایسی کہ چاہے بٹ کر رسی بنا لیجئے۔ چاہے بن کر کمبل یا اور کوئی کپڑا تیار کر لیجئے بے قدر ایسا خصوصاً عرب کے ملک میں کہ یوں ہی تراش کر پھینک دیتے ہیں۔ صوفی

بھی حق کے سامنے رام اور نرم اس کے ہر حکم کے لئے گردن جھکائے اپنی ساری قدر و منزلت کو اُس کے آگے مٹائے رہتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ صوفی چیست خاکے بیختہ وآبے برو ریختہ نہ کف را از و دروے و نہ پشت پارا از و گردی۔ بعضے کہتے ہیں کہ صوف سے مشتق ہے۔ صوف اُونی کپڑے کو بولتے ہیں اس فرقہ کے لوگ سب نہیں تو اکثر صوف کا لباس پہنتے ہیں بیشتر کمبل پوش ہوتے ہیں ان لوگوں نے اس فرقہ کے ظاہری لباس کے مناسب کا لحاظ کر کے صوف کو ماخوذ منہ قرار دیا یہ حضرات کھانے میں لباس میں بلکہ ہر چیز میں حظوظ نفس سے دور زینت ظاہری اور نمائش سے نفور رہتے ہیں اکثر موٹے کپڑے کملی وغیرہ پہنتے ہیں بلکہ ان حضرات کے مخصوص لباسوں میں سمجھا جاتا ہے عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ''اونی کپڑے پہنا کرو پیادہ پا چلا کرو دھوپ میں زیادہ بیٹھا کرو'' کسی نے کہا صوفی منسوب ہے صوفہ کی طرف صوفہ عرب میں ایک قبیلہ تھا بنی مضر کا صوفہ بن مُر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر یہ لوگ کعبہ کی خدمت کیا کرتے ایام جاہلیت میں حجّاج انھیں کی اجازت سے منیٰ اور عرفات کو جاتے اور وہاں سے واپس آتے جس طرح اس قبیلے والوں نے خانہ کعبہ کی خدمت اختیار کر لی تھی ویسے ہی اس فرقہ والے اللہ کے در کو چھوڑ کر اور کسی جانب توجہ نہیں کرتے اسی واسطے ان کو درویش کہتے ہیں جس کے معنیٰ بہ ترکیب اضافت مقلوبی ''قائم در'' کے ہیں زمخشری نے اساس میں لکھا ہے **کان اٰل صوفه یحیزون الحاج من عرفات ان یفضوا یقال لهم اٰل صوفان و اٰل صفوان و کانوا یخدمون الکعبه و یتنسکون و لعل الصوفیه نسبوا الیهم تشبیهالهم فی التنسک و التعبد و الی الصفه فقیل مکان الصفیه الصوفیه تقلب اهد الفائین واداً للتخفیف او الی الصوف اللذی هو لباس العباد و اهل الصومع** کسی نے کہا کہ ان کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت حق کے نزدیک مقام قرب میں صفِ اول میں ہیں بظاہر یہ نسبت قاعدہ کے مطابق نہیں اس لئے کہ اگر صف کی جانب نسبت ہو تو صفیہ ہونا چاہئے مگر وہ تاویل کی جائے جو زمخشری نے بیان کیا ہے کہ فائے مشدد میں سے ایک فا کو واؤ کے ساتھ بدل دیا اور واؤ کی مناسبت سے صاد کے فتحہ کو ضمّہ کے ساتھ بدلا ہاں صف کا لفظ مطلق ہے اولیۃ کی جانب اس میں

اشارہ نہیں یہ کہا جا سکتا ہے مطلق کا مرجع فرد کامل کی طرف ہوتا ہے اور صفوف میں فرد کامل صف اوّل ہے صوفیہ مدارج مومنین کے اعتبار سے بھی صفِ اوّل میں ہیں منتہائے سیر و سلوک کے اعتبار سے بھی صفِ اوّل میں ہیں طریق روش کے اعتبار سے بھی صفِ اوّل میں مبداء حرکت کے اعتبار سے بھی صفِ اوّل میں اس اجمال کی تفصیل یوں ہے مخلوقات الٰہی میں جو لوگ **اٰمنوا باللّٰہ** کے شرف خطاب سے مشرّف ہوئے۔ ان میں سے تو ان کا ذکر نہیں جنھوں نے اس خطاب کی قدر نہ کی اور **وَمَا قَدَرُوْ اللّٰہ حَقَّ قَدْرِہٖ** کے زمرہ میں داخل رہے نہ اس خطاب کی طرف کان رکھا بلکہ بجائے سمعنا واطعنا کے سمعنا وعصینا کہہ اٹھے نہ جانا نہ مانا۔ دل سے نہ سہی ظاہر ہی میں مانتے یہ بھی نہ کیا جنھوں نے ظاہر میں اُس حکم کی اطاعت قبول کی اُن کے کئی طبقے ہوئے۔ پہلا طبقہ وہ ہے جنھوں نے صرف زبان سے اقرار کیا اور محض زبانی اقرار پر کفایت کی دل میں ایمان کو راہ نہیں دیا اُن کو ایمان نے اُخروی فوائد میں سے اگرچہ کچھ فائدہ نہیں بخشا مگر یہ بھی نہیں ہوا کہ بالکل منافع ایمانی سے بے نصیب رہیں کچھ نہیں تو اس قدر ضرور فائدہ ہوا کہ ان کی جان، ان کا مال اسی طرح محفوظ رہا جیسے پورے مسلمانوں کا۔ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے **فاذا قالوا عصموا امنی وماءهم واموالهم الّا بحقها** یعنی جب وہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کے قائل ہوئے تو اپنی جان، اپنا مال ہم سے بچا لے گئے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جنھوں نے زبانی اقرار کے ساتھ دلی تصدیق اور اعتقاد بھی حاصل کیا مگر اوروں کی تقلید اور دوسروں کے کہنے سے اس قسم کا اعتقاد اعتبار کے قابل نہیں اس واسطے کہ اسلام اصل میں وہ ہے جس کا منشاء انشراح صدر اور علم ہو **قال اللّٰہ تعالیٰ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ** نہ محض دوسرے شخص کا کہنا سننا ہاں ایمان تقلیدی ہوتے ہوتے جب ایسا مستحکم ہو جائے کہ کسی شک دلانے والے کے شک دلانے سے زائل نہ ہو تو وہ ایمان تحقیقی کے حکم میں ہے گو ابتدا اُس کی تقلید ہی سے کیوں نہ ہوئی ہو اس لئے وارد ہوا علیکم بدین العجائز اس کی تفصیل علم کلام کی کتابوں میں ہے۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جنھوں نے ایمان کو دلائل کے ذریعے سے قبول کیا مگر ایسے دلائل تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی جو قطعی علم اور یقینی اعتقاد کو موجب ہوں بلکہ محض ظنّی اور تخمینی علم اس کا نتیجہ ہے۔ ایسا ایمان گو محض تقلیدی ایمان ہے کسی

قدر زیادہ مستحکم ہوتا ہے مگر ضعف اور کمزوری سے خالی نہیں ۔ چوتھا طبقہ وہ ہے جنھوں نے ایمان کو ایسے قطعی اور یقینی دلائل کے ذریعہ سے حاصل کیا جو یقینی علم کو موجب ہیں ان کا ایمان پچھلے طبقے والوں سے زیادہ مستحکم ہے اور گو ان میں شک وشبہہ کو دخل نہیں اہل مکاشفات اور اربابِ شہود کے ایمان کے برابر نہیں جن کی شان ہے **لو کشف الغطاء لما ازودت یقینا قال اللّٰہ تعالیٰ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدٰی** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ اور ایمان اور عمل صالح کے بغیر کوئی اور مرتبہ ہے جس کی تعمیر **ثم اهتدیٰ** سے کی گئی اس لئے وارد ہوا ہے **ما فضل ابو بکر الناس بکثرة صلوٰة ولا بکثرة صیام ولکن بسروق فی صدر ابی بکر رواہ الحکیم الترمزی** ۔ پانچواں طبقہ اہل مشاہدہ اور ارباب مکاشفات کا ہے جن کے ایمان کی محض عقلی دلائل پر بنیاد نہیں بلکہ الطاف ایزدی اور جذبات الٰہی نے ان کی بصر وبصیرت سے حجاب ظلماتی اس طرح اٹھا دیئے کہ جو اُمور دوسروں پر نہاں تھے ان پر عیاں ہیں جو اوروں کے لئے غیب تھے ان کے لئے حضور ۔ ان کے ایمان میں شک وشبہہ کو راہ نہیں ان کے ایمان کے سامنے عقلی دلائل والوں کے ایمان کی ویسی نسبت ہے جو ایمان تقلیدی کو ان کے ایمان کے ساتھ ہے بلکہ اس سے بھی کم اس قسم کے ایمان کا حصول محض فضل الٰہی پر ہے ہاں یاد الٰہی کی کثرت اُس کے سامنے خضوع وخشوع ادھر سے اس قسم کی نور ایمانی کے افاضہ کا سلسلہ جنبان ہوتا ہے ۔ بہر حال اللہ کے معرفت کی دو راہیں ہیں ایک طریق استدلال مثلاً افعال کے ذریعہ سے صفات کو جاننا صفات سے اسما کو پہچاننا اسما کو ذات کے صفات کا وسیلہ گردا ننا ۔ دوسری راہ جذب کی ہے کہ محض کرم الٰہی بلا واسطہ اپنی کمند عنایت ڈال کر کشاں کشاں بارگاہ معرفت تک پہونچاوے اور روز ازل کی فراموش شدہ شناسائی اور شہود کو جس کی خبر آیت کریمہ **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا** میں ہے از سرِ نو یاد دلا کر ذوق مشاہدہ سے آشنا کرا دے ظاہر ہے کہ اس قسم کی معرفت اور اس قسم کا ایمان درجہ اوّل کا ہے اور اس قسم کے مومنین ایمان والوں کی صفوں میں سے صفِ اوّل والے ہیں حضرات صوفیہ اس درجہ کے مومنین میں ابتدائً اگر چہ نہ ہوں مگر ان کی ساری کوشش اور ساری ہمت اس قسم کے ایمان کی تحصیل کے لئے ہوتی ہے اس لئے وہ لوگ حالاً

یا مآلاً اسی جماعت میں معدود ہیں **انما لکل امرء مانوی قال اللّٰہ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ والمحسنون هم اهل المشاهدة کما اخبر به النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی قوله الاحسان ان تعبدوا اللّٰہ کانک تراہ** ۔ دوسرے عبادت کرنے والوں میں عبادت کا محرّک یا امید ہوتی ہے یا اندیشۂ ضرر جسے خوف بولتے ہیں یا محبت ۔ نوکر اپنے آقا کی جو اطاعت کرتا ہے اس کا منشاء محض تنخواہ کی امید ہے رعایا حاکم کی اطاعت سے باہر نہیں ہوتی اس کی وجہ محض اندیشۂ ضرر ہے عاشق معشوق کا

فرمابردار بتعلق الفت ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو طاعت یا امید نفع یا بخوف ضرر کی جاوے اس کو اس طاعت سے کچھ مناسبت نہیں جس کا منشاء محبت ہے یہاں طاعت تہہ دل سے ہوتی ہے وہاں اوپری دل سے بلکہ حقیقت میں طاعت با اُمید ہو یا بخوف دونوں کا منشاء محبت ہی ہے اس لئے کہ امید اسی چیز کی ہوتی ہے جس سے الفت ہو ۔ خوف اسی شے کے زوال کا ہوتا ہے جس سے محبت کا لگاؤ ہو وہ شے اپنے نفس کی راحت اور آرام ہی کیوں نہ ہو ۔ بہر حال ہر قسم کی طاعت کی بنیاد محبت ہی پر ہے فرق اس قدر ہے کہ کہیں خود، مطاع کی محبت موجبِ اطاعت ہوتی ہے کہیں کسی اور چیز کی جس کا ہونا نہ ہونا مطاع کی قدرت میں ہے جیسے نوکر اور رعایا کی اطاعت ۔ ہاں یہاں اپنے نفس کی محبت ذریعہ اطاعت ہے وہاں مطاع کی الفت ۔ گو کبھی مطاع کی محبت میں بھی امید اور خوف کا لگاؤ ہوتا ہے مگر امید ہوتی ہے تو اس کی عنایت کی، خوف ہوتا ہے تو اس کی بے نیازی کا بلکہ غور کرنے سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جو محبت الٰہی کا متعلق محض ذات حق کو بلا واسطہ کسی وصف کے سمجھتے ہیں محض دھوکے میں ہیں ۔ اوّل ذات محبت سارے اعتبارات سے بیگانہ سارے تعلقات سے بے نیاز کسی سے اس کو مناسبت نہیں بے مناسبت کے محبت کا ہونا معلوم ہے ۔ دوسرے ذات حق موجود بلکہ عین وجود اور محبت کا تعلق عند التحقیق ہمیشہ امر معدوم سے ہوتا ہے اس واسطے کہ محبت تعلقات ارادہ میں ایک تعلق خاص کا نام ہے ۔ اگر مطلوب موجود کے ساتھ متعلق ہو تو تحصیل حاصل لازم آوے بہر حال محبت کا تعلق یا کسی ایسے امر معدوم کے ساتھ ہے جو اس تعلق کے وقت معدوم ہے اور اس کا موجود کرنا یا وقوع میں لانا مطلوب ہوتا ہے وقوع میں لانے کی قید اس لئے

ہے کہ کبھی محبت کا تعلق کسی امر معدوم کے ایجاد کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی کسی امر موجود کے اعدام کے ساتھ تا کہ اعدام واقع ہو اور اعدام تعلق محبت کے وقت موجود نہیں ۔ بہر حال محبت ایسی ہی شے کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے جو محب کے پاس وقت محبت موجود نہیں جیسے لقائے محبوب یا مشاہدہ جمال محبوب یا مکالمت محبوب یا بوس و کنار محبوب وغیرہ وغیرہ ۔ محب یوں خیال کرتا ہے کہ اس کی محبت شخص محبوب یا وجود محبوب کے ساتھ ہے ۔ یہ دھوکا ہے وہ تو خود اس کے سامنے موجود پھر طلب کیسی ۔ ہاں جس کے ملنے یا جس کے دیدار و لقاء کا شوق ہوتا ہے کبھی فرط محبت میں وصال و لقا کے بعد شوق میں کمی نہیں ہوتی بلکہ کچھ زیادتی ہوتی ہے مشہور ہے کہ ۔

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس سے یوں گمان ہوتا ہے کہ وصال و دیدار کے ساتھ تعلق محبت نہ تھا ورنہ حصول کے بعد زائل ہو جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حصول و دیدار کے بعد محبت نفس حصول کے ساتھ وابستہ نہیں رہتی بلکہ دولتِ دیدار کا دوام و استمرار متعلق محبت ہوتا ہے اس وقت عاشق یہ چاہتا ہے کہ یہ دیدار دوامی اور استمراری ہو جائے یا دیدار و وصال کے مراتب ہوتے ہیں جو مرتبہ کہ حاصل ہو گیا ہے وہ متعلق محبت نہیں ہوتا بلکہ حاصل ناشدہ مراتب متعلق محبت ہوتے ہیں اور اسی کا فراق عین حالت وصال میں موجب قلق و اضطراب ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ محبت کا تعلق ہمیشہ امر معدوم سے ہوتا ہے اور جو ذات ازلاً و ابداً موجود ہو اس سے مِن حَیْثُ ھُوَ ھُوَ مَحَبّت کا تعلق ہونا محض دھوکے کی بات ہے اُس سے تحقیق منظور ہو تو فتوحات کے باب ایک سو بہتّر میں دیکھئے ہم بھی اس رسالہ میں جہاں عشق کی کیفیت بیان کریں گے اس کو تفصیلاً ذکر کریں گے غرض کچھ بھی ہو یہ حضرات طاعت عبادت مجاہدہ بواسطہ محبت کرتے ہیں خارج زہاد کی عبادت بامید بہشت ہوتی ہے یا بخوف دوزخ اور ظاہر ہے محبت والی عبادت اور قسم کی عبادت سے اعلیٰ درجہ کی ہے تو جن کی عبادت کی محرک محبت ہو اللہ کے بندوں میں صف اوّل کے وہی لوگ ہوں گے ۔ تیسرے سلوک ورفتار کے طرز و روش ہیں یہ لوگ صف اوّل میں ہیں ۔ ہم یہاں حضرت قدوۃ السالکین نجم الدین

کبریٰ کے رسالہ کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں جس سے راہ عرفان میں ان حضرات کی روش کا پتہ چلتا ہے ۔ کسی زمانے میں ہم نے اس کی شرح لکھی تھی مگر ناتمام رہی ۔ شرح و متن دونوں کا مختصر مختصر خلاصہ لکھتے ہیں گو کسی قدر طویل ہو جانے کا احتمال ہے مگر ناظرین کو اس کے دیکھنے سے بہت بڑے بڑے فوائد متصور ہیں اس واسطے اطاعت پر نظر نہیں کی جاتی یہاں کثرت فوائد پیش نظر ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کی راہیں انفاس خلائق کے برابر ہیں یعنی بے شمار ہیں اس لئے کہ تمام عالم میں اللہ کے افعال و صفات کا پھیلاؤ ہے ہر فعل کو صفات کے ساتھ اور ہر صفت کو اسماء کے ساتھ لگاؤ ہے اور اسماء سب ذات کے ساتھ وابستہ ہیں اس لئے ہر ایک صفت ذات تک رسائی کا راستہ ہے ۔ یا یہ مطلب ہے کہ طرق کی کثرت باعتبار کثرت مراتب کے ہے مثلاً اعمال ظاہری میں ایک عمل ہے نماز اس میں ایک رکن ہے ۔ پہلا قرأت ۔ قرأت کے مراتب ہیں ایک قرآن کا پڑھنا اس زبان میں جس میں نازل ہوا بغیر اس کے کہ معنی سمجھ میں آئیں اور ان میں تدبر اور تفکر کیا جاوے ۔ دوسرا مرتبہ قرآن کا پڑھنا محض ظاہری معنی سمجھ کر تیسرا مرتبہ قرآن کا پڑھنا اُس کی فصاحت اور بلاغت کے اسرار و لطافت میں غور و فکر کر کے ۔ چھوتھی مرتبہ اس کے دقائق معنوی میں تامّل کے ساتھ پڑھنا ۔ پانچواں مرتبہ اس انداز اور اس طرز سے پڑھنا جس سے دل میں اُس کے معنی کا اثر ہو اور قلب میں اُس پر عمل کرنے کا ذوق پیدا ہو ۔ چھٹے قرآن کے متکلم کی عظمت اور جلالت اور اس کے حضور کے تصور میں پڑھنا جس سے خوف و خشیت اور خضوع و خشوع کی حالت ظاہر و باطن میں سرایت کرے اور متکلم کے ساتھ ایک معنوی مناسبت پیدا ہو ۔ ہر ایک مرتبہ ان مراتب میں سے قرأت قرآنی کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مگر یہ تفاوت مراتب اسی طرح وصول الی اللہ کے بھی مراتب کثیر ہیں ۔ جیسے ذات غیر محدود ویسا ہی اُس کے مراتب وصول بھی غیر محدود ان سب طرق میں قریب تر راستہ وہ ہے جس کو یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں گو اس راستہ کی بھی انتہا نہیں اور اس راہ میں کوئی ایسی منزل نہیں جہاں راستہ ختم ہو جائے ۔

اے برادر بے نہایت در گہیست — ہر چہ بروے می رسی در روئے بایست

اسی لئے لکھتے ہیں کہ سیر الی اللہ کی تو انتہا ہے مگر سیر فی اللہ کی انتہا نہیں جب مقصود غیر

محدود ہوتو اس میں سیر وسلوک کا ختم ہونا اور اسکے شیونات جلالی و جمالی کا مشاہدہ تمام ہونا معلوم ے

نہ حسنش آخری دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیر دتشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

تو وصول کے معنی یہ ہیں کہ خدا شناسی کے راستہ میں جو اس روش سے چلتا ہے جس کو آگے بیان کریں گے تو اس کی رفتار کو رانہیں ہوتی بلکہ حسب استعداد کسی کے لئے ابتدا میں کسی کے لئے وسط میں نور شہود دستگیری کرتا ہے اور وہ بمصداق **اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ** جذبات غیبیہ کی اعانت سے اس نور کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے اور یہ بات اور روش میں نہیں پائی جاتی اس واسطے یہ طریقہ اقرب الطرق ہے۔ وصول الی اللہ کے راستے گو بے شمار ہیں مگر باوجود کثرت کے تین طریقوں میں منحصر ہیں ۔ایک طریقہ ارباب معاملات کا ہے جن کو عبّاد کہتے ہیں ان کا کاروبار اعمال حسنہ کے ساتھ ہے کثرت سے نمازیں پڑھنا ، روزے رکھنا اور دیگر خیرات و حسنات اور اعمال بدنی کا برتنا اس راستہ کے چلنے والے مقصد تک پہونچتے ہیں مگر کم اور بدیر اللہ کے اسماء دو ہیں ایک کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے دوسرے کا باطن کے ساتھ۔ ان ظاہری اعمال کے برتنے والوں کی رسائی محض اسمائے ظاہر تک ہوتی ہے ہاں کبھی ان کو باطن تک بھی باریابی ہو جاتی ہے اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اعمال ظاہری سے طہارت ظاہری پیدا ہوتی ہے اور ظاہر و باطن میں فطرۃً ایک قسم کا ارتباط ہے کہ ایک کے اثر سے دوسرا متاثر ہوتا ہے رنج و غم قبض و بسط روح کے عوارض میں سے ہیں ۔مگر اس سے جسم ظاہر پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اضمحلال نحافت ظاہری ہوتی ہے حرکات جسمانی میں فرق آتا ہے جسمانی بیماری سے روح تحلیل ہوتی ہے غرض اس ارتباط باہمی کی وجہ سے طہارت ظاہری کا اثر طہارت باطنی ہوتا ہے اور طہارت باطنی کی وجہ سے آئینہ دل کی جلا ہوتی ہے اور جلا کے بعد اس قابل بنتا ہے کہ شاید مقصود کی تجلی جمالی اس پر پرتوفگن ہو اور وہ اس کو قبول کر کے شیفتہ اور فریفتہ ہو جائے یہ طریقہ اخیار کا ہے دوسرا طریقہ ارباب مجاہدہ کا ہے یہ لوگ ہمیشہ اخلاق ذمیمہ کے تبدیل کی کوشش کرتے ہیں ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ سے تزکیۂ نفس اور تجلیہ قلب کی فکر میں رہتے ہیں اس طریقہ کے چلنے والے اگرچہ کم ہیں مگر پہلے طریقہ

والوں کے بہ نسبت اس طریقہ میں واصلین الی اللہ زیادہ ہیں تبدیل اخلاق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اخلاق اصل سے نابود کر دیئے جائیں اس واسطے کہ بیشتر یہ اخلاق جبلّت اور فطرت میں داخل ہیں قال اللہ تعالیٰ **اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُعاً۔ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا**۔ حرص اور بخل انسان کی خلقت میں داخل ہے علیٰ ہٰذا القیاس اور اخلاق ہیں تو ان کا معدوم کرنا جبلّت اور فطرت کا مٹانا ہے اور اس کا مٹنا ناممکن ہے اس لئے اس کی کوشش کرنا عبث۔ دوسری حقیقت میں کوئی صفت ہو مدح وذم اُن کے اعیان اور نفس ذات کے اعتبار سے نہیں اور کیونکر ہو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز حکمت سے خالی نہیں اور جو چیز معدن حکمت سے اُس کا شر محض ہونا غیر ممکن اور اگر نفس ذات کے اعتبار سے قابل مدح وذم ہوں تو شے نا قابل مدح ہو کبھی لائقِ ذم نہ ٹھہرے اور جو ذم کے لائق ہو کبھی مستحق مدح نہ ہو حالانکہ یہی صفات ہیں کبھی قابلِ مدح اور کبھی قابلِ ذم ۔بخل مال کے ساتھ مذموم ہے دین کے ساتھ محمود۔ خوف مخلوق کے ساتھ مذموم، خالق کے ساتھ محمود ۔حرص مال کے جمع کرنے کی مذموم ،علوم و معارف میں محمود **قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منھو مان لا یشبعان** حسد جاہ وعزت دنیاوی میں مذموم، اسباب خیر میں حسد کرنا تا کہ اس کو استعمال کریں محمود **قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا حسد الّا فی اثنین** جو چیز قابلِ تکفیر ہو اس کی تکفیر محمود، اللہ کی نعمتوں کی تکفیر مذموم ۔ایمان اللہ ورسول کے ساتھ محمود، بتوں کے ساتھ مذموم ۔غرض فی حد ذاتہٖ یہ صفات مذموم نہیں ان میں برائی آتی ہے تو متعلقات کی وجہ سے اسی لئے شارع علیہ السلام نے ان اخلاق کو اصل سے مٹا دینے کی تکلیف نہیں دی بلکہ ان کے مصرف نیک اور مصرف بد کی تحدید فرمادی جس طرح مطلق مال کو شارع نے مذموم نہیں قرار دیا بلکہ اس کے مذموم ہونے کے لئے حدود محدود فرمائے مدح وذم کے لئے میزان وہی محدود ہیں جو مقرر کردہ شارع علیہ السلام ہیں **قال اللّٰہ تعالیٰ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ**۔ مجاہد اصل میں جہد سے ماخوذ ہے جس کے معنی مشقت اور محنت کے ہیں۔ عمل اور ہے مجاہد اور جس عمل کے کرنے میں کسی کو واقعی محنت اور مشقت ہوتی ہو وہ عمل اُس کے حق میں مجاہدہ ہے بہت سے لوگ قوی الجسم ہیں بڑے بڑے دشوار کام کے کرنے میں اُن کو ذرا مشقت اور

محنت نہیں ہوتی وہی کام کوئی ضعیف الجثہ کرے تو یا کر ہی نہ سکے یا کرے تو محنت مشقت کے ساتھ۔ وہ کام اُن کے حق میں مجاہدہ ہوگا، نہ ان کے حق میں بہت سے افعال وحرکات جو مشروع ہیں بعضے وہ ہیں جن میں مشقت ہے وہ مجاہدہ کے تحت میں داخل ہیں اور جن میں مشقت نہیں وہ مجاہدہ نہیں بہرحال مجاہدہ کے معنی ہیں نفس کو ایسی بدنی محنتوں کے لئے برانگیختہ کرنا جن سے طبیعت اور مزاج میں ضعف اور سستی پیدا ہوتا کہ قویٰ سبعی و بہیمی مغلوب ہوں اور ملکات ملکی و روحانی غالب ہوں جس طرح ریاضت کے معنی ہیں اخلاق نفسانی کی تہذیب اُن اُمور کے تحمل اور برداشت سے جو بدن سے خارج ہیں حرکات بدنی کو ان میں دخل نہیں۔ جہاد کو اسی واسطے جہاد کہتے ہیں کہ اس کا کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے جان کے دینے جان کو معرضِ تلف میں دینے سے بڑھ کر کون چیز شاق ہوسکتی ہے جن کے دل پر الفت دنیا غالب ہے ان کو تو دنیا کی مفارقت کا شاق ہونا ظاہر ہے اور جنکو دنیا سے الفت نہیں دنیا میں رہنا محض اس لئے پسند کرتے ہیں کہ جس قدر زمانہ تک یہاں رہیں گے طاعت وعبادت وغیرہ کریں گے اور اس کی وجہ سے اُن کے مقامات میں ترقی ہوگی اس لئے ان کو بھی دنیا سے مفارقت شاق ہے مگر نہ الفت کی وجہ سے بلکہ اس جہت سے کہ یہاں کی مفارقت اعمال کے انقطاع کا سبب ہے جو ترقیات روحانی کا ذریعہ ہے قرآن میں مجاہدہ کرنے والوں کو چار طریقہ سے ذکر فرمایا ہے مطلق مجاہدین جن میں کوئی قید نہیں **قال اللّٰہ تعالیٰ وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** دوسرے مجاہدین مقید بسبیل اللہ **قال اللّٰہ تعالیٰ وَالمجَاھَدُوْن فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ** تیسرے مجاہدین مقید بہ **فی سبیل اللہ قال اللّٰہ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔** چھوتھے مجاہدین فی اللہ مقید بحق جہادہ **قال اللّٰہ تعالیٰ وَجَاھِدُوا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ۔**

ہرایک کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں انشاء اللہ مجاہدہ کی بحث میں بیان کریں گے اگرچہ تبدیل اخلاق اس راہ کے ہرایک چلنے والے کے لئے واجب ہے مگر محض اسی کو پیش نظر کر لینا پست ہمتی سے خالی نہیں سالک اگر ہر حال میں حق کو پیش نظر رکھے اخلاق ذمیمہ خود بدل جائیں گے۔ **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔** حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں خراسان کے چند

لوگوں نے آکر غلبۂ شیطانی کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ کیونکر تمہیں اس سے نجات ملتی ہے وہ بولے جہاں تک ممکن ہوتا ہے اس کے دفع کرنے کی فکر اس کے وساوس وخطرات دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں آپ نے فرمایا مساکین خراسان نے ساری عمر تو اپنے شیطان کے دفع کرنے میں صرف کی حق کے یاد کرنے کا انھیں کون سا وقت ملا بہرحال حق کی طرف ظاہر اور باطن سے متوجہ رہنا سارے خطرات کے لئے دوا ہے **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔** تیسرا طبقہ سائرین الی اللہ کا ہے اس کو طریقہ شطّار یہ بھی بولتے ہیں یہ طریقہ اہل محبت کا ہے ان کی روش کا دارومدار محض جذب اور کشش الٰہی پر ہے گو یہ لوگ عبادت ظاہری اور ریاضت ومجاہدہ میں پہلے دونوں طبقہ والوں کے بہ نسبت گھٹے ہوئے نہیں ہوتے مگر اُن کو اپنے فعال اور اعمال پر نظر نہیں ہوتی ریاضت اور مجاہدہ اُن کی بہ تحریک محبت اور شفقت قلبی ہوتا ہے وہ وسیلۂ وصول محض جذبات الٰہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کو پیش نظر رکھتے ہیں اس طریقہ کے مبتدی اس قدر واصلین میں سے ہیں کہ او رطریقہ کے منتہی نہیں۔ سیر اور سلوک کے معنی لغت میں تو چلنے کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح میں نام ہے انتقال کرنے کا۔ ایک مقام تقرب سے دوسرے مقام تقرب کی جانب مثلاً عبادتِ جسمانی سے ترقی کر کے عبادت قلبی کے مقام تک پہنچنا اور عبادت قلبی سے عبادت سرّی کی طرف اُس سے مقامات فنا اور مراتب بقا کا بتدریج طے کرنا علیٰ ہٰذا القیاس عبادات جسمانی کے مراتب ہیں ایک عمل مشروع کو بطریق تقرب بجالا کر دوسرے عمل مشروع کی جانب انتقال کرنا جس میں پہلے عمل کے بہ نسبت باعتبار مشقت یا ثواب وغیرہ کی حیثیت سے کسی قسم کی فضیلت پائی جاتی ہو اور پھر اعمال شرعی کبھی از قبیل فعل ہوتے ہیں اور کبھی از قبیل ترک تو انتقال بھی کبھی فعل سے فعل کے جانب ہوگا کبھی فعل سے ترک کی جانب ہوگا کبھی ترک سے ترک کی جانب کبھی ترک سے فعل کی جانب اور کبھی انتقال ہوتا ہے علم سے حال کی طرف اور حال سے مقام کی طرف اور کبھی ایک اسم سے دوسرے اسم کی جانب کبھی ایک تجلّی سے دوسری تجلّی کی طرف کبھی نظر وفکر سے ہدایت کی طرف اور ہدایت سے ذوق کی طرف اور ذوق سے مشاہدہ کی طرف مثلاً ایک شخص نے بتائید وتوفیق ایزدی معرفت کی راہ میں قدم رکھا تو پہلے اُس کی فکر کے ذریعہ سے جستجو ہوتی ہے ان دلائل اور

نشانیوں کی جن کے ذریعہ سے صانع مطلق کے موجود ہونے کا پتہ چلے اس نے اپنی جان اور سارے جہان میں جو دیکھا تو امکان کے آثار نظر آئے کہ نہ ہونا ان کا ضروری اور نہ ہونا ان کا ضروری نہ یہ اختیاری نہ وہ اختیاری اس جستجو میں اس علم تک اس کی رسائی ہوئی کہ ہماری جان بلکہ سارے جہان کے علاوہ ایک ایسی ذات ہے جس کے اختیار میں ہمارا ہونا نہ ہونا ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا کسی کے اختیار میں نہیں اور جس طرح ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے ضروری اور لازمی نہیں وہ ایسا نہیں بلکہ اس کا ہونا واجب اور ضروری ہے اور ہمارے ہونے نہ ہونے کی دونوں حالتوں میں سے ایک حالت کی ترجیح اس کی طرف سے اور اُس کے اختیار میں ہے اس جستجو میں معرفت کی ایک منزل طے ہوئی یعنی وجود واجب کے علم کی اب دوسری منزل شروع ہوئی کہ وہ ذات نیستی اور فنا کے قابل نہیں اگر فنا کے قابل ہو تو وہ بھی ہماری طرح ممکن ہوگا اور ممکن ٹھہرا تو اس کے لئے ایک دوسری ذات کی جس کے قبضہ و اختیار میں اس کا وجود ہو حاجت پڑے گی۔ اور یہ سلسلہ غیر نہایت تک چلا جائے گا یہ دوسری منزل طے ہوئی اب تیسری منزل شروع ہوئی یعنی اس امر کی جستجو کہ جب وہ قابل عدم نہیں تو تمام عیوب سے پاک ہوگا اور تمام کمالات اُس میں پائے جاتے ہوں گے اس لئے کہ سارے عیوب ونقصان کا سرمنشا عدم ہے اور سارے کمالات کا معدن وجود ہے مثلاً دیکھنا ایک کمال ہے اور اندھا ہونا نقصان دیکھنے کا منشا قوت باصرہ کا وجود ہے اندھے ہونے کا منشا اس کا عدم ہے علیٰ ہٰذا القیاس اور جب وہ ذات ہر قسم کے عدم سے پاک ہر نوع وجود کا معدن ہے تو لامحالہ سارے کمالات اُس میں مجتمع اور سارے عیوب اس سے دور ہوں گے۔ یہ تیسری منزل تنزیہ اور تشبیہ کی طے ہوئی۔ اب چوتھی منزل شروع ہوئی کہ جب وہ سارے کمالات کا منشا اور سارے نقصانات سے دور ہے تو ضروری ہے کہ ایک ہوگا کیونکہ اگر ایسی دو ذاتیں ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کسی قدر وجود کا ایک معدن ہے اور کسی قدر وجود کا دوسرا جس قدر معدنیت کی حیثیت سے ایک میں کمی پائی جاتی ہوگی اتنا نقصان اس میں ہوگا پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ کامل کا فیض کامل اور ناقص کا فیض ناقص ہوتا ہے۔ آفتاب کی روشنی آفتاب کی سی اور ماہتاب وستاروں کی اس کے موافق ہوتی ہے۔ اگر منبع فیض وجود دو ہوں تو اگر دونوں کا فیض ناقص ہوا ہو یعنی اس کے

موجود کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو منبع فیض کا نقصان ہے اور اگر دونوں کا فیض کامل ہو تو ایک کی طرف سے جو وجود حاصل ہوا ہے جب اس کے موجود ہونے کے لئے کافی ہے تو دوسرا بیکار ہے اور اگر دونوں وجود کو ایک موجود میں خواہ مخواہ بھر دیجئے تو اس موجود کی خیریت نہیں ایسا ہوگا جیسے ایک برتن جس میں سیر بھر پانی کی گنجائش ہو خواہ مخواہ دو سیر پانی اُس میں ٹھونسئے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ برتن ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا اسی لئے وارد ہوا **لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا** یہ چوتھی منزل طے ہوئی۔ اب پانچویں منزل شروع ہوئی کہ اس کے بعض صفات کمالیہ ایسے ہیں جن کے کمالات ظہور میں بعض وساطت کی ضرورت ہے جس طرح حکومت سطوت معبودیت وغیرہ اس سے ضرورت رسالت کی ثابت ہوتی ہے۔ یہ پانچویں منزل تھی جو طے ہوئی اسی طرح معرفت کی اور منزلیں ہیں جن کو عارف طے کرتا رہتا ہے اور ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف علماً انتقال کیا کرتا ہے یہ منازل علمی تمثیلاً ہم نے ذکر کئے ہیں سلوک کے مقامات اور منازل کو ہم آگے کسی مقام پر خدا نے چاہا تو بیان کریں گے یہاں ہمارا یہ مطلب نہیں کہ اس فرقہ شطّاریہ کو اعمال ظاہری کی ضرورت نہیں یا ان کو اس سے سروکار نہیں اس فرقہ کے لوگ تو ریاضت میں مجاہدہ میں تمام فرقوں سے زیادہ اپنے نفس پر مشقّت کا بار ڈالتے ہیں گو تطویل ہوگی مگر یہاں ہم ایک مضمون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا مناسب دیکھتے ہیں اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں تو ریاضت میں مشقت اٹھانے سے پست ہو گئیں آرام طلبی کا نفس خوگرفتہ ہو گیا اور جاہ طلبی انسان کے لئے جبلّتی اور فطرتی امر ہے اگر علماء کی جماعت میں ہوئے تو خیال یہ پیدا ہوا کہ ہمیں لوگ اسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے علماء باللہ کو دیکھتے ہیں اگر مشائخ وصوفیہ کے لباس میں ہوئے تو اس کی ہوس پیدا ہوئی کہ اس طرح مانے جاویں جس طرح جنید رحمۃ اللہ علیہ وشبلی رحمۃ اللہ علیہ وبایزید رحمۃ اللہ علیہ مانے جاتے تھے ادھر افعال عادات مجاہدات کو دیکھا تو مطلع صاف نہ انکی سی رنگت نہ ان کی سی بو ہے۔ نہ ان کی سی خصلت نہ ان کی سی خو ہے۔ کھٹکا یہ ہوا کہ ہم گنتے تو ہیں اپنے تئیں زُمرۂ علما یا مشائخ میں اور دیکھنے والے کو جب ہم میں ان کا رنگ نظر نہ آئے گا تو کیونکر اعتقاد کا رنگ جمے گا اس لئے دونوں فریق کے ایسے لوگ یہ بولی بولنے لگے کہ ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت نہیں کیوں

بھوکوں مرئے کہ قویٰ ضعیف ہوجاویں ضروری فرائض بھی ادا نہ ہوسکیں کیوں راتوں کو جاگئے دماغ میں خشکی پیدا ہو حواس میں فرق پیدا ہو جو چیزیں اللہ نے مباح کی ہیں ہمارے ہی لئے ہیں اگر مضرت بخش ہوتیں تو ہمیں اجازت کیوں دی جاتی کیوں اللہ کی نعمتوں سے اپنے نفس کو روکئے اور ان کی لذّت سے کیوں محروم رہیئے جنھوں نے اور ترقی کی جو محض علماء کے زُمرہ میں تھے وہ بدعت کا راگ الاپنے لگے کہ اس قدر مجاہدہ و ریاضت میں اپنے تئیں ڈالنا رات رات بھر عبادت کرنا بدعت ہے اور جو بدعت ہو اس کے کرنے میں کمال کے حصول کی امید کجا نیکی برباد گناہ لازم ہو تو عجب نہیں اور جو مشائخ تھے انھوں نے یہ توضیح سوچی کہ مقصود اصلی ترکیۂ نفس اور تصفیہ قلب اور تجلیہ باطن ہے بدنی عبادات اور جسمانی طاعت میں زیادہ مشغول ہونا فضول ہے بلکہ توجہ باطنی کا مزاحم ہو تو عجب نہیں کیونکہ ظاہر و باطن دونوں متضاد اور روح وجسم باعتبار لطافت وکثافت کے متخالف ہیں ایک ضد کی جانب متوجہ ہونا دوسری ضد کی جانب توجہ کا مزاحم ہوگا اور پھر عبادات جسمانی میں خطرۂ ریا موجود اور توجہ وملاحظہ باطنی اس سے خالی۔ بہر حال اس خیال کو انھوں نے ریاضت ومجاہدہ سے جان بچانے کا ذریعہ ٹھہرایا نوافل احزاب واوراد ترک کئے ذکر لسانی سے واسطہ نہیں رکھا راتوں کا جاگنا مناجات کرنا یک قلم ترک جنھوں نے اس سے اور زیادہ ہمت بلند کی انھوں نے فرائض پر بھی ہاتھ صاف کیا کسی نے یہ کہا کہ حضرت صاحب پر ایسی حالت طاری رہتی ہے یا ادائے فرائض کے وقت طاری ہوجاتی ہے کہ ادائے فرائض سے مجبور ہوجاتے ہیں گو کھانے پینے معاملات تمدّن وغیرہ کے لئے وہ حالت مانع نہیں کسی نے کہا کہ حضرت صاحب گو یہاں بظاہر تشریف رکھتے ہیں مگر نماز کے وقت مکہ میں ہوتے ہیں قالب بدل کر وہاں نماز پڑھ آتے ہیں۔ پیغمبر خدا چاہتے تو پنج وقتہ نماز مکے میں کیا عرش پر پڑھتے مگر حضور نے ہمیشہ مسجد ہی میں پڑھی یہ بزرگ نماز کے لئے اتنی تکلیف گوارا فرماتے ہیں کہ قالب دوسرا بدل کر مکہ میں تشریف لے جاتے ہیں بعضے یہ خیال کرتے ہیں کہ نماز وطاعت ظاہری غیبوبیت کی حالت میں ہے۔ مقام قُرب ومشاہدہ میں بیکار اسی لئے عبادت کے لئے قرآن میں آیا ہے۔ **وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ**۔ جب یقین حاصل ہوگیا تو عبادت غیر ضروری ہے بعضوں نے اور ترقی

کی تو یوں کہنے لگے کہ جب خدا کے ساتھ ایک ہوگئے تو عبادت کس کی کریں وحدت کے دریا میں جب ڈوبے تو عین دریا ہوگئے اب حرام کیسا؟ جو چاہا کھایا جو چاہا پیا جو جی میں آیا کیا۔ شراب، زنا ،حرام کاری سب جائز۔ نعوذ باللہ جتنے فسق وفجور کے کام عوام کرتے اور شرعاً وعرفاً برے سمجھے جاتے ہیں ان کو لوگ بد وضع اور بد چلن سمجھتے ہیں جہاں فقیری کے لباس پہنے جو چاہیں کریں سب کمال کی فہرست میں لکھے جائیں گے ہم کو کسی شخص کی ذات خاص سے بحث نہیں نہ ہم کو کسی شخص یا کسی فرقہ کی ذات سے چھیڑ چھاڑ مقصود ہے ہماری غرض یہاں نصح نصیح ہے ہمیں اس قسم کے لوگ بہت ملے ہیں کہ ان پر ایک خلقت اعتقاد کمال کا رکھتی ہے اور اقوال وافعال ان کے وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور اقوال سنئے تو خدا کی پناہ۔ بارگاہ الوہیت میں وہ بے باکی کے کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں کہ اللہ بچائے بہر حال ہم پہلے یہاں خود بدولت سرکار والا جاہ محمد رسول اللہ روحی فداہ اور آپ کے صحابہ کے ریاضت کے حالات لکھتے ہیں تاکہ وہ علماء جو کثرت عبادات کو بدعت کہتے ہیں ان کو معلوم ہوجاوے کہ اگر یہ بدعت ہے تو اس کے مبدع (العیاذ باللہ) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ہیں اور جس کام کو حضور نے یا صحابہ نے کیا ہو اس کو بدعت کہنا آپ ہی کا کام ہے پھر حضرات صوفیہ کے مجاہدات کے حالات تصوّف کی معتمد کتابوں سے نقل کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے پیران عظام جن کے ہم نام لیوا ہیں ان کا ریاضات میں کیا حال تھا محض ملاحظہ قلبی پر وہ اکتفا کرتے یا طاعات جسمانی کی طرف بھی ان کی توجہ تھی اس کے بعد اقوال صوفیہ اور بدلائل ریاضات جسمانی کا ضروری ہونا ثابت کریں گے اس کے بعد ان حضرات کے ان خیالات کا جو اوپر ہم نے ذکر کئے اُس کے مانند اور خیالات کا دفعیہ بیان کریں گے ہمارے استاذ مکرم جناب مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی نے ایک رسالہ مستقل نہایت پاکیزہ اس باب میں لکھا ہے کہ کثرت عبادات بدعت نہیں اس کا نام ہے ''اقامۃ الحجۃ علی ان کثرۃ التعبد لیس ببدعۃ'' رسالہ اس بارہ میں کافی ووافی ہے ہاں اگر بدعت کہنے والے اس کو لغوی معنی کے اعتبار سے کہتے ہوں جس کے معنی انوکھی چیز کے ہیں تو ممکن ہے۔

..........................☆..........................

تصوف کے مختلف دور

صوفیاء کے مختلف دور ہو گئے پہلا وہ دور تھا جو ابتدائے عہد اسلام سے ایک صدی تک رہا اس دور میں تصوف نے کوئی خاص نام اختیار نہیں کیا بلکہ ایک جماعت عبادوز باد کی اصحاب صفہ کی طرح علٰحدہ ہو گئی جس نے عبادات مجاہدے اور ہمہ تن خدا کی جانب متوجہ رہنا اپنا شیوہ اختیار کر لیا ان کا تصوف بالکل عمل تھا جو علمی بحثوں سے بالکل پاک تھا اس زمانہ تک نہ اس فن کا نام تصوف ہوا تھا نہ ان کے اختیار کرنے والوں کو صوفیا کہتے تھے۔ یہ حضرات ریاضات نفس اور مجاہدات کے خوکر اور زہد، علم، صدق اور دیگر محاسن اخلاق سے اپنے کو متصف کرنا مقصد تصوف قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ تمام برے اخلاق کا ترک کرنا اور اچھے اخلاق کا اختیار کرنا تصوف ہے۔ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے صوفیاء کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ دوسروں کے لئے اسباب راحت مہیا کرنا اور ان کی ایذا دہی سے گریز کرنا حضرت حسن بصری فضیل بن عیاض، عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی دور کے حضرات ہیں۔

اس دور کے بعد دوسری صدی میں اس فرقہ نے صوفیا کا لقب اختیار کیا سب سے پہلے ابو ہاشم کو صوفی کا لقب ملا جن کو حضرت سفیان ثوری نے یہ خطاب دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ پیدا ہوتے تو ریا کے دقائق میرے سمجھ میں نہ آتے اس دور میں تصوف نے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے کافی ترقی کی یہی وہ زمانہ تھا جس میں مجاہدہ کے خاص خاص طریقہ پیدا ہوئے جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں جاہ طلبی اور تعیش بہت زیادہ پیدا ہو گیا تھا اور قرون اولیٰ کے مخصوص صفات حسنہ مثلاً موٹے کپڑے پہننا، فقر و فاقہ کرنا، ایثار و قربانیاں صرف خدا کے لئے کرنا یہ ایک حد تک مفقود ہو گیا تھا۔ جہاد میں وہ ولولہ جو صرف اعلاء

کلمۃ اللہ کی غرض سے قلوب میں موجزن تھا اب مال غنیمت کی محبت اور ملک گیری کی تمنا کی صورت میں نمایاں ہو گیا تھا خدا اور رسول سے زیادہ مال و دولت کی محبت مسلمانوں کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ سیاسی اور اخلاقی انحطاط کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا لوگ عام طور پر صرف ظاہری احکام کے پابند رہ گئے تھے اور ان میں بھی کثرت سے حیلہ اور بہانہ صرف حکومت کے قانون سے عہدہ برآمد ہونے کے لئے ایجاد کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صرف اچھے عبا پر تنبیہ کرنا یہ اس بات کی بدیہی شہادت ہے کہ اسی زمانے سے تن آسانی اور تعیش تیزی سے بڑھ رہا تھا جس نے بعد کو خلفاء امراء اور اغنیاء کے درباروں کی صورت اختیار کر لی جہاں ارباب علم فصحا اور بلغاء کو کثرت سے انعامات دئے جاتے تھے۔ علماء کے گھر زیب و زینت راحت اور تن آسانی کے اسباب سے مزین رہتے تھے یہ حضرات ہزاروں دینار اور دراہم کے مالک ہوتے۔

ان تمام باتوں نے پوری ملت مسلمہ کو راحت طلب بنا دیا اور صحابہ کی جفاکشی ختم ہو گئی اس وقت اس کی سخت ضرورت پیش آئی کہ انھیں سادہ زندگی فقر و فاقہ اور مسکنت کی جانب مائل کیا جائے جس کے لئے صوفیہ نے اپنے فن کو زیادہ ترتیب کے ساتھ مدون کیا اور اس فن کے دو حصہ کر دئے علمی اور عملی۔

علمی میں فقر روزے رکھنا، کثرت سے نوافل پڑھنا انسانی کمزاریوں کو رفع کرنے کے لئے نفس کی طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی تعلیم کی اس زمانہ میں سخت ضرورت تھی اور بلا اس طرح کی تعلیم کے اعتدال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

ان کے علاوہ جو سیاسی حالات اس زمانہ میں ہو گئے تھے ان کا مقتضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے تعمیری کام کرنے کے لئے ایک جماعت اپنے کو حکومت کے اعزازوں سے علٰحدہ کر کے صرف مسلمانوں کے اخلاقی تربیت میں مشغول ہو جائے اور وہ جماعت صوفیہ کے علاوہ کوئی نہ تھی اگرچہ صوفیہ میں بھی کثرت سے ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے جنھوں نے ''دلق و سجادہ'' کو اپنے مکر و فریب چھپانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا حالانکہ ان کو صوفیہ سے تعلق نہ تھا بلکہ ان میں سے اکثر ان فرقوں

سے تعلق رکھتے تھے جو مسلمانوں کو دینی انتشار کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ انھیں فرقوں نے صوفیہ میں انتشار پیدا کرکے اوران کے اصول کو خبط کرکے ایک جماعت ان کے مخالفین کی عالم اسلامی میں بنادی مگر پھر بھی اکثریت انھیں اچھی نگاہ سے دیکھتی رہی چنانچہ انھیں صوفیہ کی جماعت کے لئے مختلف خانقاہیں ارباب ثروت نے بنالیں اوران پر بڑے بڑے اوقاف کئے عوام بھی ان سے ہدایت وارشاد کے سبق برابر حاصل کرتے تھے۔

علمی دور

اس دور میں ارباب تصوف نے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ابو طالب مکی ،ابونعیم اصفہانی، ابوالقاسم قشیری، امام غزالی وغیرہ نے اخلاقیات کے اس حصہ کو جوقرآن وحدیث میں مذکورتھا مگر دوسرے نصوص کے ساتھ ملا ہوا تھا علحٰدہ کرکے ہدایت وارشاد کو مختلف فن کی صورت عطا کردی گئی۔ یہ ضرور ہے کہ ان حضرات نے جو اصطلاحات ایجاد کئے ان پر بدعت ہونے کے الزامات لگائے گئے جو ان حضرات کے لئے ناگزیر تھے جن میں خاص مذہبی غلو پایا جاتا تھا لیکن یہ چیز بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ حضرات صوفیاء کی تصانیف میں بعض ضعیف احادیث بھی صرف تحریص علی العمل کی غرض سے ذکر کردی گئیں اگرچہ ضعیف احادیث سے محدثین کی بھی کم کتابیں خالی ہیں بہرحال قرون اولیٰ ہی سے اس جماعت نے مستقل حیثیت اختیار کرنی شروع کی اور آخر میں اس نے اپنی علمی اور عملی کارناموں کے اعتبار سے جو امتیازی شخصیت حاصل کی وہ اسلام کی دوسری جماعتوں میں نہیں ملتی لیکن دوسرے فرق اسلامی کی طرح اس جماعت میں بھی کثرت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنھوں نے مقصد تصوف کو صرف مکروفریب کا ذریعہ بنالیا اوراپنے کو’’قانون شریعت‘‘ سے آزاد کرنا چاہا جسے دیکھ کر ہر صوفی کامل نے علماً اور عملاً اتباع شریعت اور ترک بدعت کی تلقین کی چنانچہ ہر مصنف کی کتاب میں اور ہر بزرگ کے ملفوظات میں مذکورہ بالا نظریہ کے کافی نظائر ملیں گے حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ صوفیوں کا ظاہر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے

اور باطن اللہ عزوجل کے ساتھ اوران کے اعمال کلام اللہ کے حکم اور دل اللہ کے علم سے مزین ہوتے ہیں۔

حضرت جدی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ التماس میں ارشاد فرماتے ہیں’’کہ میں اصول تصوف کے نسبت ائمہ صوفیہ کے اقوال نقل کرتا ہوں آپ ملاحظہ فرئیں کہ اس زمانہ میں جولوگ فقر وتصوف کی جانب منسوب کہلاتے ہیں ان میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو ان اصول کے پابند ہیں (اقوال حسنہ یہ ہیں) سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کے تمام راستے صرف اس کے لئے کھلے ہیں جو رسول اللہ کی پیروی کرے دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ہمارا علم تصوف کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے۔حضرت شیخ اکبر فتوحات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ’’ہر حقیقت جو خلاف شریعت‘‘ ہوگمراہی ہے اور’’ہر شریعت‘‘ جو’’حقیقت‘‘ سے خالی ہو وہ اپنے عمل کرنے والے کے لئے ایک معطل چیز ہے اور جس میں اسے کہیں کم فائدہ ہے جتنا اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دونوں چیزوں کا جامع ہو پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے خدا تک پہنچنے کا طریقہ سوا شرع کے اور کچھ نہیں۔

صوفیاء کرام کے اعتقادات اور سلوک ان کی تاریخ میں اہم چیزے ہیں اعتقادات میں مسئلہ توحید سب سے اہم مسئلہ ہے جس کے متعلق صوفیاء کرام یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ کسی علمی یا عملی جماعت نے اس پر اتنا مکمل ذخیرۂ بحث دنیا کئے نہیں چھوڑا جتنا ان حضرات نے۔

مسئلۂ توحید

یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ تصوف نے یونانی فلسفہ اور ایرانیوں کے خطابیات سے کافی اثر حاصل کیا۔ یہ بات اکثر علوم اسلامی میں پائی جاتی ہے۔اور اسلام نے جس وسعتِ نظر کی تعلیم’’الحکمۃ ضالۃ المومن‘‘ (حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے) کے ذریعہ سے دی تھی اس کا مقتضا بھی یہی تھا کہ مسلمان ہر چشمۂ علم سے علوم حاصل کرتے اچھی باتوں کو اختیار کرلیتے اور بری باتوں کو چھوڑ دیتے۔

یہ مسئلہ کہ خالق اور مخلوق کا تعلق کیا ہے اور وہ ایک ہے یا متعدد و مذہبی نقطۂ نظر سے صانع اور مصنوع کے تعلق سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اتنا کہہ دینا کہ وہ تمہارا پیدا کرنے والا ہے۔ یا سورۂ اخلاص کی تلاوت کر دینا تشفی بخش تھا۔ لیکن جب یونانی اور ایرانی علوم نے مسلمانوں کے دماغوں کو دلائل کا خوگر کر دیا تو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحثیں شروع ہوگئیں۔ متکلمین اور فلسفی دست گریباں ہوگئے یونانی فلسفہ نے اس نظریہ کی بنا پر کہ ’’ایک چیز سے ایک ہی چیز پیدا ہوسکتی ہے‘‘ خدا کو صرف عقل فعال بنانے والا مان کر اسے معطل کر دیا۔

ایرانیوں نے خدا کی جانب برائیوں کے منسوب ہونے کے خطرہ سے خیر اور شر کا خدا علٰحدہ علٰحدہ تسلیم کیا متکلمین نے خدا کو فاعل مختار اور ایک مان کر ان اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا جو یونانی فلسفہ کے مسلمات کو مان کر ان پر وارد ہوئے تھے۔

حضرات صوفیاء نے مشاہدات کے ذریعہ سے کچھ نظریئے قائم کئے جو ان کے نزدیک تو بدیہی تھے لیکن دوسروں کے نزدیک جنھیں مشاہدہ نہیں ہوا تھا نظری تھا۔

توحید باری کا مسئلہ ان حضرات نے اسی طرح سمجھا اور الفاظ کے قیود میں لا کر یوں بیان کیا کہ جب ہم موجودات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک اشتراک دوسرے امتیاز یعنی ایک یہ کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف صفتوں میں مشترک ہیں مثلاً انسان انسانیت میں مشترک ہے اور اپنے خاص خاص تعینات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہے ۔اسی طرح جتنے جاندار ہیں ان سب میں جاندار ہونا مشترک ہے اور انسان اور گھوڑا ہونا ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہے اسی طرح تمام موجودات میں جو چیز مشترک ہے وہ وجود ہے۔ ممکن واجب دونوں میں وجود پایا جاتا ہے اس وجود سے ہونا مراد نہیں بلکہ وہ حقیقت مراد ہے جس کی بنا پر ہم کسی چیز کو موجود کہتے ہیں یہ حقیقت اپنی جگہ پر بلا کسی موجود کرانے والے کے موجود ہے۔ اس لئے کہ یہی ذریعہ وجود ہے لہٰذا اسے خود پہلے موجود ہونا چاہئے اور یہی وجود تمام چیزوں کو حاوی ہے اگر یہ نہ ہو تو شے معدوم ہے۔

اب چیزیں اس وجود کے علاوہ مخلوقات میں پائی جاتی ہیں وہ اعتباری ہیں اس لئے کہ

اگر وجود نہ ہو تو ان سب کا خاتمہ ہے۔ لہٰذا یہی وجود خدائے تعالیٰ کا عین ذات ہے۔ اور دنیا کی جتنی چیزیں ہیں اس سب کی حقیقت یہی وجود ہے اور ہر چیز کی علٰحدہ شخصیت علاوہ وجود کے صرف اعتباری ہے۔

یہ صوفیاء کے مسلک کی بہت ہی دھندلی تصویر ہے۔ چونکہ ان کا یہ مسلک مشاہدۂ الٰہی کے بنا پر ہے اس لئے قرآن شریف کی کثیر آیتیں انھیں اپنے اس مسلک کی شہادت میں ملی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) **وھو معکم این ماکنتم**۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو۔

(۲) **لا یستحفون من اللّٰہ و ھو معھم**۔ وہ لوگ خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ان کے ساتھ ہے۔

(۳) **کان اللّٰہ بکل شئی محیطا**۔ خدا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۴) **اللّٰہ نور السموات والارض**۔ خدا زمین اور آسمان کا نور ہے۔

حضرات صوفیاء اسی وجود کو جو تمام مخلوقات کو روشن کئے ہوئے ہے۔ ذات باری تعالیٰ سمجھتے ہیں۔ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’حضرت وجود نفس ذات است تعالیٰ و تقدس‘‘ (مکتوب ۲۳۴)

پھر آخری آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں ’’زیرا کہ مبین شد کہ ممکنات باسرہا عدمات اند کہ سراسر ظلمت وشرارت است دخیر وکمال وحسن وجمال دراینہاں از حضرت وجود است کہ نفس ذات است تعالیٰ وتقدس وعین ہر چیز وکمال پس ناچار نور آسمانہاں وزمین باحضرت وجود باشد۔‘‘

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجود میں ضد نہیں ہے اس لئے کہ وجود ہی ایک حقیقت ہے اور شئی خود اپنی ضد نہیں ہوتی (خصوص الحکم)

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’خدا ہی ظاہر ہے اور ہم اپنے اصل کے اعتبار سے عدم پر ہیں اگر چہ ہمارے استعداد کے مطابق ہم کو وجود عطا کیا گیا ہے‘‘ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی

فرماتے ہیں کہ **''فمن قال ان وجودہٗ عین ذاتہٖ بمعنی انہ ذات وحدۃ او وجود محض نجی''**، جس شخص نے کہا کہ اس کا وجود عین ذات ہے ان معنی کر کے کہ وہی وجود محض ہے تو اس لئے نجات پائی۔ (تسویہ)

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں اس خاص مسئلہ کے موجد سمجھے جاتے تھے چونکہ یہ مسئلہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کسی عبارت میں اس کی تعبیر پیچیدگی میں اور اضافہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا جن حضرات نے اسے دلائل کا رنگ دیا ان کی کتابوں کے سمجھنے والے اور ان سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد بہت کم رہی مثلاً شیخ اکبر شیخ کبیر۔ امام ربانی وغیرہ۔ لیکن جن حضرات نے اسے خطابی رنگ میں ظاہر فرمایا وہ اذواق کو اس مسئلہ میں زیادہ متاثر کر سکے مثلاً ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کیونکہ اس کا سمجھنا مشاہدات پر موقوف تھا۔

یہ مسئلہ اعتقادی حیثیت سے بہت سے شقوں میں تقسیم ہوگیا۔ جن میں سے بعض ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے جو درج ہیں۔ توحید کے چار مراتب ہیں۔

(۱)

توحید ایمانی

یہ ہے کہ بندہ خدا ہی کو مستحق معبودیت سمجھے اور آیات واخبار نبوی کے اشارات کے مطابق زبان اور قلب سے اس کا اقرار اور یقین کرے۔

(۲)

توحید علمی

اس کا تعلق باطن علم سے ہے جس کو اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں۔ تصوف کے راستہ میں بندہ ابتدائً اس کا یقین کرتا کہ موجود حقیقی اور مؤثر مطلق سوا خدا کے اور کوئی نہیں دنیا کی تمام چیزوں کو خدا کے صفات کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔ اور تمام حقیقتوں کو خدا ہی کے نور سے

موجود اور منور جانتا ہے۔

(۳)

توحید حالی

توحید حالی یہ ہے کہ توحید ذات پر اس طرح غالب آجائے کہ تمام تعینات اور وجود نورِ توحید کے سامنے چھپ جائیں **''جاء الحق وزھق الباطل''** اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے۔

(۳)

توحید الٰہی

توحید الٰہی یہ ہے کہ ذات خداوندی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ وہ ہمیشہ سے اسی حالت میں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی مختلف توحیدیں ہیں جو صوفی پر راہ تصوف میں گامزن ہونے کی صورت میں طاری ہوتی ہیں۔ کبھی افعال خداوندی کے سوا دوسرے افعال اس کے نظر سے فنا ہوجاتے ہیں تو وہ اپنے کو توحید افعالی کے مرتبہ پر اپنے کو توحید صفاتی سے متصف پاتا ہے غرضکہ اس مسئلہ کشفی میں باعتبار اختلافات کشف کے مختلف توحیدیں رونما ہوتی ہیں مسئلہ توحید کے علاوہ دوسرے اعتقادات میں صوفیاء عام متکلمین اور فقہائے سے قریب قریب بالکل متحد ہیں۔ ہاں سلوکِ راہ الٰہی ان کے یہاں ایک مستقل فن کی صورت میں مدون ہوگیا۔

سلوک طریقت

سلوک کے معنی چلنے کے ہیں ۔اصطلاح میں ایسے ذرائع کے اختیار کرنے کوسلوک کہتے ہیں جوخدا تک پہونچنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔

سلوک کے ہرطریقے کے لئے مجاہدات اور ریاضت ضروری ہیں۔

مجاہدہ

کے معنی نفس کومشقت میں مبتلا کرنا تا کہ قوائے بہیمیہ میں ضعف پیدا ہواور ملکات روحانی کا ظہور ہو۔قرآن پاک میں یہ لفظ مختلف طریقوں پر استعمال ہوا ہے، **وجاھدو فی اللّٰہ حق جھادہ**۔ (خدا کے بارے میں پوری کوشش کرو) اور ارشاد ہوتا ہے کہ ’’جولوگ مجھ میں کوشش کریں گے ہم ان کوراستہ بتا دیں گے ان دونوں آیتوں سے صوفیہ کے مجاہدات پر روشنی پڑتی ہے ۔شیخ اکبر سلوک کی تشریح بالفاظ ذیل فرماتے ہیں ۔’’سالک کوراہ طریقت میں چار ابتدائی درجوں سے گذرنا پڑتا ہے۔(۱) یہ وہ درجہ ہے جس میں ایسے صفات انسانی سالک میں پائے جاتے ہیں جوعمل کی ابتداء کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ان صفات میں سب سے پہلے قلب میں خطرۂ عمل پیدا ہوتا ہے پھرارادہ ہوتا ہے اس کے بعد اس ارادے میں قوت ہوتی ہے پھر ہمت پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ عمل کرنے کوتیار ہوجاتا ہے۔

(۲) اس مرتبہ آنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے قلب میں کسی چیز کی جانب رغبت ہو یا اس کا خوف ہو یا کسی کی تعظیم کا خیال ذہن میں پیدا ہو یہ دونوں مرتبے ایک دوسرے سے بالکل وابستہ ہیں۔

(۳) جب یہ دونوں حالتیں طاری ہوجاتی ہیں توعملی دنیا میں انسان قدم رکھتا ہے جس

میں وہ ہر برے اخلاق کا علاج کر کے اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اچھے اخلاق سے اسے متصف کرتا ہے۔شیخ نے پھر اخلاقیات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے)

(۴) ان تینوں مرتبے کے بعد اب عالم مشاہدات میں سالک قدم رکھتا ہے اور حقائق و معارف اس پر القاہونا شروع ہوتے ہیں (ان حقائق کی شیخ نے بہت سی قسمیں بیان فرمائیں ہیں)

اس کے بعد مقامات کی تشریح کرتے ہیں کہ جو ہم نے مراتب بیان کئے انھیں کو مقامات اور حالات کہتے ہیں لیکن حالات برابر بدلتے ہیں اور مقامات کو قیام اور سکون رہتا ہے فتوحات جلد اوّل صفحہ ۱۴۱

سلوک کے متعلق شیخ کی تشریح بہت واضح ہے۔سالکین راہ الٰہی چونکہ مختلف طبیعتوں کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے اعتبار سے سیکڑوں راستے وصال الٰہی کے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کردئے۔

ارباب تصوف نے ان طریقوں کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور فن سلوک پر کثرت سے تصانیف موجود ہیں حضرت جدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وصول الی اللہ کے راستے گو بیشمار ہیں مگر باوجود کثرت کے تین طریقوں میں منحصر ہیں۔

(۱) ارباب معاملات جن کو عباد کہتے ہیں ان کا کاروبار اعمال حسنہ کے ساتھ ہے کثرت سے نمازیں پڑھنا روزہ رکھنا اور دیگر خیرات وحسنات واعمال بدنی کا برتنا اس راستے کے چلنے والے مقصد تک پہنچتے ہیں مگر مدینہ مدینہ۔

(۲) ارباب مجاہدہ یہ لوگ ہمیشہ اخلاق ضمیمہ کے تبدیل کی کوشش کرتے ہیں ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ سے تزکیہ نفس اور تجلیہ قلب کی فکر میں رہتے ہیں اس طریقے کے چلنے والے اگرچہ کم ہیں مگر پہلے طریقے کے بہ نسبت اس طریقے میں واصلین الی اللہ زیادہ ہیں۔

(۳) سائرین الی اللہ۔اس کو طریقہ شطاریہ بھی کہتے ہیں یہ طریقہ اہل محبت کا ہے انکی روش کا دارومدار صرف جذب اور کشش الٰہی پر ہے گو یہ لوگ عبادت ظاہری اور ریاضت ومجاہدہ میں پہلے دونوں طبقہ والوں کے نسبت گھٹے ہوئے نہیں ہوتے مگر ان کی نظر اپنے افعال اور اعمال پر نہیں ہوتی۔

ریاضت اور مجاہدہ ان کا بتحریک محبت اور شغف قلبی ہوتا ہے۔ وہ وسیلۂ وصول ذات الٰہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کو پیش نظر رکھتے ہیں اس طریقے کے مبتدی بھی اس قدر واصلین میں سے ہیں کہ اور طریقہ کے منتہی نہیں۔

خاتم المتاخرین آیۃ من آیات اللہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضیاء القلوب میں انہی طریقوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے سالکین کی مختلف قسمیں تحریر فرمائیں جنسے سلوک کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) وہ واصلان حق جو بارگاہ الٰہی کی حضوری کے بعد خدمت خلق کے لئے مخلوق کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

(۲) وہ جو عالم استغراق میں مشاہدات صفات الٰہی سے لذت اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ اور مخلوق سے علٰحدہ رہتے ہیں وغیرہ ذالک غرضکہ سلوک راہ الٰہی کے طریقوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نہ حسنش آخرے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

انھیں طریقوں کے اختلافات سے مختلف سلسلے پیدا ہوگئے جن کی تفصیل سے تمام ارباب ذوق واقف ہیں۔

مذکورۂ بالا سمع خراشی سے توصف پر گونہ روشنی پڑتی ہے کاش کہ اتنی فرصت اور استطاعت ہوتی کہ کوئی مفصل کتاب اس موضوع پر تحریر کرسکتا۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحائی کرد

تصانیف متفرقہ

یہ وہ تصانیف ہیں جن کو ہم علٰحدہ بطور ضمیمہ کے شائع کرتے ہیں جنھیں مولانا کے حالات کا تتمہ سمجھنا چاہئے وہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

''التماس خادم باوفا بخدمت ارباب صفا''

یہ رسالہ صوفیائے کرام کو ایک مرکز پر لانے کی غرض سے بطریق خط آپ نے تحریر فرمایا تھا اس کے آخر میں صوفی جان صاحب کے بھی دستخط ہیں۔

اس رسالہ میں احادیث وقرآن سے صوفیاء کرام کی فضیلت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں اور اتباع شریعت کو تصوف کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے اور اس مقدس طبقہ کو تعلیم ظاہری حاصل کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ بہت سے وہ شکوک جو صوفیاء کرام کے متعلق عوام میں پیدا ہوگئے ہیں ان کو نہایت خوش اسلوبی سے دفع کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ رسالہ وابستگان سلاسل صوفیہ کے لئے تریاق بے بہا ہے اور کیمیائے سعادت۔ موجودہ زمانہ میں اس قسم کے رسالوں کی اشاعت کی از حد ضرور ہے۔

''رحلۃ المسکین الی البلد الامین''

یہ کتاب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آخر سفر حج میں بطریق سفرنامہ تحریر فرمائی۔ اس میں علم حقیقت کے اصول پر تمام مناسک حج اور اس کے ارکان کی بنیاد بہت دلچسپ فلسفیانہ تشریح میں کی گئی ہے اور یہ تمام احکام الٰہیہ کو عقل اور ذوق سلیم پر منطبق کیا گیا ہے عبادت اتنی شستہ اور دلفریب ہے کہ اس کا اندازہ ان لوگوں کے علاوہ جو آپ کے طرز تحریر کی دلفریبی سے واقف ہیں اور کوئی

نہیں کرسکتا جابجا مختلف نظمیں بھی درج ہیں جو عبادت کو اور بھی دلکش بنا دیتی ہیں یہ کتاب مولانا کے وصال کے بعد کافی تعداد میں چھپی تھی مگر اب اپنی مقبولیت عام کی وجہ سے دو ایک جلدوں سے زیادہ موجود نہیں۔

’’سبیل السلام فی فضائل الصیام والقیام‘‘

اس کتاب میں پہلے مولانا نے روزہ کی فضیلت کے عقلی وجوہ بیان کئے پھر وہ صلہ اور انعامات احادیث وقرآن سے نقل کرکے درج کئے ہیں جو اس فرض کی ادائیگی پر خدا اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے۔ پھر رمضان شریف کے مخصوص اعمال اور عبادات کا ذکر ہے۔ شب قدر اور تراویح اور عید الفطر کی علمی تحقیق بھی کی گئی ہے روزے موجودہ زمانے میں ہم لوگوں کے اپنی بے خبری کی وجہ سے کثرت سے ناقص ہوتے ہیں اور بجائے مقصد صیام حاصل ہونے کے کچھ گناہ ہی ہاتھ رہتا ہے اس قسم کی کتابوں کے علاوہ ان امراض کا کوئی علاج نہیں ہے۔

’’التنظیم لنظام التعلیم والتعلّم‘‘

یہ دو سو صفحہ کا ایک رسالہ ہے جس سے نظام تعلیم پر مبسوط روشنی پڑتی ہے اور جس کا تذکرہ بضمن حالات ہو چکا ہے۔

’’نیل المطالب فی فضائل سیّدنا علی ابن ابی طالب‘‘

یہ سو صفحہ کا رسالہ ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل آیات واحادیث سے نقل کرکے ذکر کئے گئے ہیں اور صوفیاء کرام کے نقطہ نگاہ سے آپ کی فضیلت اور حالات پر مبسوط بحثیں کی گئی ہیں۔

’’مضامین متعلق معراج نبوی‘‘

یہ ایک مجموعہ ہے جس میں معراج کے متعلق مولانا کے بہترین مضامین درج ہیں اور جس میں ایک مقدمہ خاص اسی موضوع پر لکھا گیا ہے۔

یہ سب تصانیف زیر طبع ہیں اگر مولانا کے دوسرے تصانیف بھی مکمل مہیا ہو سکے تو وہ بھی شائع کئے جائیں گے ان کی تلاش جاری ہے۔

مختصر حالاتِ زندگی

جناب والد صاحب

حضرت مولانا شاہ ولایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی محمد ولایت حسین تھا کبھی آپ چشتی صابری لکھتے تھے اور کبھی صرف کان اللہ لہٗ لکھ کر ختم کر دیتے۔

آپ اپنے والد صاحب شہید عشق حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔

آپ کا سلسلۂ نسب چوالیس واسطوں سے امیر المومنین سیّدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اور تیسویں پشت میں حضرت شیخ خواجہ فرید الدین گنج شکر سے وابستہ ہوتا ہے اور آٹھویں پشت میں حضرت شیخ کبیر محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کا سلسلۂ نسب پہنچتا ہے پورا نسب نامہ آپ کے والد صاحب کی سوانح عمری میں درج ہے۔

آپ کی پیدائش کا صحیح سنہ معلوم نہیں ہوا۔ تاریخی نام حفظ الکبیر سنا جاتا ہے جس سے ابجد کے حساب سے ۱۲۸۹ھ نکلتا ہے۔

آپ کی ابتدائی تربیت حضرت مولانا شاہ تفضّل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ یعنی آپ کے دادا نے خاص شفقت سے کی۔ آپ کے دادا شاہ تفضّل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔

آپ کے دادا رحمۃ اللہ علیہ ریاست مَیُہَر میں نائب ریاست تھے۔ اکثر آپ کو وہیں رکھتے تھے۔ مولانا نے مجھ سے بیان فرمایا کہ دادا میاں کے پلنگ پر میں سوتا تھا اور سونے سے پہلے آپ اکثر صرف کی گردانیں میزان ومنشعب کو اسی وقت یاد کراتے تھے۔

تعلیم

قرآن پاک آپ نے کم عمری میں حفظ کرلیا تھا حافظ غلام محمد صاحب ہمارے محلہ میں مومن برادری کے ایک فرد تھے جو آپ کے استاد تھے۔ حافظ صاحب مرحوم کا خاندان اب بھی ہم لوگوں سے وابستہ ہے۔ حفظ قرآن کے بعد فارسی کی کتابیں اور ابتدائی عربی کی کتابیں اپنے دادا سے پڑھیں اس کے بعد اپنے والد حضرت شاہ مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ سے پوری تعلیم حاصل کی۔ فارسی کی آخری درسیات تک آپ نے پڑھیں طب کی تعلیم بھی اپنے والد ہی سے حاصل کی اور مطب میں بیٹھے۔

آپ کے ہم جماعت لوگوں میں سے چند حضرات کے نام درج ذیل ہیں۔

عمّی مولانا حکیم حاجی حافظ سیّد شاہ محمد فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ مولانا محمد افضل صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکبر آبادی۔ مولوی حاجی حافظ سیّد محمد جلال الدین جعفری رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد رفیع الدین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مُرید وخادم خاص حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حاجی حکیم عبید اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت مولانا بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ۔

تصوف کی کتابیں بھی آپ نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ جس میں خاص طور پر رسالہ قشیریہ، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جس کا تذکرہ مجھ سے خود فرمایا۔ اور مولانا محمد رفیع الدین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ تعلیم کے ختم کرنے کے بعد اپنے والد صاحب کے ساتھ ہی وابستہ رہے، اور طریقت کے مشاغل وفرائض انجام دیتے رہے۔

طریقت اور شریعت

آپ کو ادبیات سے ہر زبان کی بہت دلچسپی تھی۔ فارسی نثر کافی فصیح لکھتے تھے اور اکثر

خط وکتابت بھی کرتے تھے اور بولنے میں تو کافی اچھا ملکہ تھا۔ اکثر ایرانی شعراء اور بعض علماء سے باتیں کرتے ہوئے میں نے دیکھا۔

بہت بے باکی سے اہل زبان کی طرح باتیں کرتے تھے۔ حتّٰی کہ لہجہ بھی ایرانی ہوتا تھا اور اسی طرح عربی بولنے کی بھی خاص مہارت تھی بالکل اہل زبان کی طرح عربی بولتے تھے۔ فصیح بھی بولتے تھے اور عامی زبان بھی بولتے تھے۔ اور میں نے یہ ایک عجیب چیز دیکھی کہ عامی زبان بھی صرف حجاز ہی نہیں بلکہ مصریوں کی بھی کچھ بولنے اور سمجھ لیتے تھے جو ان کی فطری مناسبت تھی ورنہ صرف پانچ چھ مہینے مکہ معظّمہ میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

عربوں سے کافی محبت تھی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا والد صاحب کا کبھی ایسا زمانہ نہیں گذرا۔ ۱۹۲۵ء کے پہلے تک کہ کوئی عرب حرمین شریف کے رہنے والوں میں سے ہمارے گھر میں مقیم نہ رہے ہوں۔ ہمیشہ کبھی کوئی مدنی اور کبھی مکی والد صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ بعض دور وہ بھی گذرا کہ اکثر عربی کپڑے ہی پہنتے تھے اور کھانا بھی اسی مزاج کا کھانے لگے تھے۔ اس کا مشاہدہ میں نے اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں کیا تھا۔ ان عربوں سے کبھی اردو میں نہیں باتیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں جتنے مسلمانوں کے دیکھنا ہے خاندان تھے ان میں اکثر عربوں کی خدمت کرنے کا رواج تھا۔

آپ کے مواعظ کثرت سے ہوتے تھے جس میں تصوّف کے حقائق، اخلاقی مضامین اور سیرت پاک اور ذکر تولّد ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے مہینے میں بہت کم اتفاق ہوتا تھا جو کسی رات کو بارہ بجے سے پہلے میلاد شریف کی محفل سے واپس آتے ہوں بہت سے میلاد شریف دن کو بھی ہوتے تھے کچھ حضرات نے جو کہ گورنمنٹ پریس میں کام کرتے تھے۔ اور گرمیوں میں نینی تال چلے جاتے تھے اور وہاں مسلمانوں نے مولانا کا وعظ نینی تال میں کرایا تھا ڈیڑھ گھنٹے تک وعظ ہوتا رہا اس زمانے میں لیٹوس گورنر تھے اور والد صاحب کو بہت مانتے تھے وہ بھی محفل کے کنارے کرسی پر بیٹھے سنتے رہے آخیر میں انھوں نے مولانا سے یہی کہا اپنی ٹوٹی

چھوٹی اردو میں کہ بڑی حیرت ہے کہ تم بلا نوٹ کئے ہوئے اتنا بولتا رہا اور کوئی کاغذ نہیں دیکھتا تھا ۔میاں کا وعظ کبھی سادہ نہ جاتا تھا۔عشق ومحبت کی چاشنی ایسی ہوتی تھی کہ بلا آنسو بہائے ہوئے لوگ باہر نہیں جاتے تھے کیونکہ حضرت کے دل میں خود بھی درد تھا اور آپ کی روحانیت کا اثر دلوں پر پڑتا تھا۔خلافت کی تحریک کے زمانہ میں جامع مسجد دہلی میں آپ نے کئی گھنٹہ تقریر کی جس میں عالم اسلامی کے حالات پر روشنی ڈالی۔اور پھر دعا کی۔تو لوگوں نے بیان یہ کیا کہ پورا مجمع تڑپ رہا تھا۔یہاں بھی اس دور میں عیدگاہ وغیرہ میں خلافت کے جلسوں کی جو تقریریں کی گئیں۔ان کی شہرت اس زمانہ کی سیاسی دنیا میں بہت ہوئی۔مدرسہ محمدیہ امدادیہ آپ ہی نے قائم فرمایا تھا اس میں دارالمکالمہ کا ہر ہفتہ میں جلسہ میں ہوا کرتا تھا اس میں کثرت سے تقریریں عربی میں ہوتی تھیں ۔حضرت اکثر تشریف لاتے تھے اور خود بھی بیان فرماتے تھے اور کچھ تنقید بھی فرماتے تھے اور اس مجلس کی تعریف بھی فرمایا ان الفاظ میں کہ ’’بڑا افسوس معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے عربی مدارس ہیں جن سے بڑے بڑے علماء سند پاکر نکلتے ہیں اور علوم دینیہ میں مہارت بھی رکھتے ہیں مگر تعجب ہوتا ہے کہ ادب عربی کی جانب توجہ کم کی جاتی ہے حالانکہ قرآن کو سمجھنے کے لئے جو اصول دین ہے عربی ادب کا ذوق ہونا ضروری ہے‘‘ عربی سے مناسبت غالباً اپنے والد صاحب کے ذوق عربی کا تصرف رہا ہوگا۔آپ کے والد صاحب کا ذوق عربی ادب آپ ان کی سوانح عمری سے معلوم کرسکتے ہیں۔

اردو یا فارسی کا کوئی شعر مولانا کا نہیں ملا ممکن ہے کہ کبھی کہا ہو مگر اچھے کلاموں کا کافی ذخیرہ ذہن میں تھا جو وعظوں میں اور مجالس میں ظاہر ہوتا تھا آواز اللہ نے ایسی عطا فرمائی تھی کہ پوری عیدگاہ میں بلا لاؤڈ اسپیکر کے خطبہ کی آواز پہنچ جاتی تھی جس میں پوری عیدگاہ اور عیدگاہ کے باہر لوگ بھرے رہتے تھے اور یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ غیر معمولی طور پر آواز کو بلند کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

۱۹۰۵ء میں جب آپ کے والد کا وصال اجمیر شریف میں ہوا جس کا پورا حال سوانح حیات میں درج ہے۔اور آپ چونکہ طریقت اور شریعت دونوں تربیت اپنے والد صاحب سے

حاصل کرتے رہے تھے۔اور آپ اپنے والد صاحب کے پیر بھائی بھی تھے اسلئے ان کے انتقال کے بعد ان کے قائم مقام بھی قرار پائے۔ہندوستان کے سلسلہ صابریہ کے تمام سجادگان نے اجمیر شریف میں دستار بندی فرمائی جیسا آپ کے والد کے حالات میں مذکور ہے۔

حج بیت اللہ اور بیعت

ابھی زندگی کا سفر صرف بائیس منزلوں تک پہنچا تھا کہ حضرت مولانا کا بلاوا حرمین سے ہوا آپ کے دادا حضرت شاہ تفضّل حسین صاحب نے مع اپنے صاحبزادے کے روانگی کا قصد کرلیا۔ریاست کی ملازمت چھوڑ کر چلے آئے تمام مادّی سامان مہیا کرلیا۔دیار حبیب کے سفر کو ایک ہی دن باقی تھے۔حضرت مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے بائیس برس کے صاحبزادے سے یہ فرماتے ہیں کہ تم بھی چلو۔اپنے دادا میاں سے کہو مگر وہ پوتے کو لے جانے پر تیار نہیں ہوئے تب مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے مگر لخت جگر کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے شاید وہاں کے بلاوے کی اطلاع ہوگئی تھی فرمایا کہ ولایت میاں بمبئی تک چلو جب وہاں پہنچے تو ٹکٹ بھی خرید لیا اپنے والد کے اطلاع کے بغیر۔پھر بھی کسی باطنی آواز نے والد کو بھی راضی کرلیا اور تینوں حضرات روانہ ہوگئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دادا میاں نے اپنے لخت جگر کو پیش کردیا۔حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محبت سے گلے لگایا اور داخل سلسلہ کر لیا۔اب ہر وقت خدمت میں رہنے لگے۔حضرت نے اپنی خدمت میں کافی قریب بھی بنایا پیر بھی روزانہ دبانے لگے۔پھر یہ روایت بعض خلفاء حضرات حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہ روایت مولوی محمد رفیع الدین خاں صاحب کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نظر کردہ بنالیا۔ وہی نظر حضرت مولانا ولایت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہر دلعزیزی کا سبب بنی جو آپ کو آئندہ مولانا کے الہ آباد کے حالات میں نظر آئے گی۔

اسی سفر میں حضرت شاہ تفضّل حسین صاحب کا وصال ہوگیا اور وہیں جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

یہ دونوں حضرات شاہ صاحب کو دفن کرنے کے بعد کئی مہینے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر واپس آئے۔ شاید اسی وجہ سے مولانا محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو لے جانا چاہتے تھے جو اللہ نے پورا کیا۔

مرشد العلماء مجدّد الطریقہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کی غلامی کا شرف تین پشتوں سے اس فقیر کو حاصل ہے۔ حضرت شاہ تفضّل حسین صاحب رحمۃ اللہ میرے جدّ امجد حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد سے اس فقیر کو بھی اسی سلسلہ کا شرف حاصل ہوا۔ پہلے حضرت مولانا ولایت حسین صاحب سے وابستگی ہوئی اور اس کے بعد اپنی نااہل اور ناکارگی کو دیکھ کر اپنے کو قابل اصلاح سمجھا اپنے لئے صرف یہی شعر عرض کرسکتا ہوں اور اسی پر فخر ہے۔ ؎

داغ غلامیت کرد، پایۂ خُسرو بلند
نیز ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

ترجمہ۔ تیرے داغ غلامی میں خُسرو کے مرتبہ کو بہت بلند کر دیا۔ بادشاہ جس غلام کو اپنے لئے خرید لے وہ بادشاہ کے سب اختیارات کا مالک ہو جاتا ہے۔

واپسی پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہدایت کے مطابق اپنے والد کے گود میں تربیت روحانی بھی پائی۔ اور اکثر دینی معمولات میں اپنے صاحبزادے کو ساتھ رکھتے والد صاحب فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے موقع پر مجھے حکم تھا کہ تہجّد میں میرے پیچھے قرآن شریف سنا کرو۔ جب کہ پانچ پانچ اور دس دس پارہ تہجد میں پڑھتے تھے۔ بارہ بجے سے لے کر سحر کے وقت تک یہ تہجد ختم ہوتی تھی۔ جب حضرت کبھی قرآن میں بھولتے تھے تو والد صاحب ہی کو حکم تھا کہ تم ہی بتایا کرو پھر بعد سحر حلقۂ ذکر میں بھی والد صاحب کو شامل رکھتے تھے۔ بیس رمضان المبارک تک دادا میاں سوداگر کی مسجد میں تراویح پڑھتے تھے اور والد صاحب اس زمانہ میں گھر کی مسجد میں ایک ختم فرماتے تھے والد صاحب کے ماموں حضرت حافظ محمد احسن صاحب

رحمۃ اللہ علیہ آپ کا قرآن شریف سنتے تھے۔ آپ حضرت شاہ علی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے دادا میاں کے حقیقی چچا زاد بھائی اور نسبتی بھائی بھی تھے آپ کی صرف ایک صاحبزادی بقید حیات تھیں جن کے صاحبزادے شاہ عبید اللہ صاحب سجادہ شیخ محب اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اب تک بقید حیات ہیں اور اپنے بزرگوں کے قدم پر ہیں۔ دائرہ شاہ محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں امامت بھی فرماتے ہیں اور طریقت وشریعت دونوں کی لوگوں کو تلقین بھی کرتے ہیں۔ سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ اور اس فقیر سے خاص محبت بھی رکھتے ہیں حافظ محمد احسن صاحب دادا میاں سے بیعت تھے اور حضرت والا کے سلسلہ کے اکثر انتظامات بھی آپ کے سپرد تھے فاتحہ، میلاد شریف، مسجد کے انتظامات، اس کی امامت، سب آپ کے سپرد تھی خصوصاً تعویذ وغیرہ کا کام آپ انجام دیتے تھے اور آپ کو اس فن سے کافی مناسبت تھی پیر کے انتقال کے بعد کثرت سے لوگ اپنی حاجت پیش کر کے مستفید ہوتے تھے۔ یوں تو میرے والد رحمۃ اللہ علیہ بھی تعویذ دیا کرتے تھے اگر کوئی مانگتا تھا اپنے والد اور اپنے پیر کی تقلید اس چیز میں فرماتے تھے لیکن بہت انہماک اس چیز میں نہیں تھا اور نہ بہت دلچسپی سے تعویذ وغیرہ کے قیود اور مراسم کے پابند تھے۔ اگر کسی نے کوئی تعویذ مانگا تو جو ذہن میں آیا لکھ دیا یا بزرگوں کی سنی ہوئی چیزیں لکھ دیں۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شاہ ولایت حسین صاحب کے یہاں تعویذ نہ لکھنے کے جو قیود دوسروں کے یہاں ہوتے تھے (مخصوص سیاہی، مخصوص کاغذ، مخصوص قلم یا اس طرح کی بہت سی چیزیں) وہ نہ تھے میں کبھی کبھی ان کی تقلید کر لیتا ہوں اور بجائے کسی اور روشنائی کے فاؤنٹن پین سے لکھ دیا کرتا ہوں۔

خدمتِ خلق

میں نے مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت خلق کے حالات کے سلسلہ میں یہ ذکر کیا تھا کہ حضرت مولانا نے مسلمانانِ الہ آباد کی تمام مذہبی بلکہ سیاسی ضروریات کے لئے ایک انجمن رفاہِ اسلام قائم کی جس کا کام علاوہ تعمیری کاموں کے یہ بھی تھا کہ جو حقوق مسلمانوں

کے ہیں سیاسی یا معاشرتی ان کی حفاظت کی جائے جن کے مقاصد میں یہ بھی تھا کہ اگر گورنمنٹ کوئی زیادتی کرے تو اس پر قانونی کارراوائی کی جائے اپنے حیات میں بھی مولانا نے اس کے انتظامات اپنے صاحبزادے کے سپرد کئے تھے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام لیا کرتے تھے اور اس طرح پر اپنے صاحبزادے کی اس میدان میں بھی تربیت دی۔ اور مسجدوں، عیدگاہ، قبرستان اور تمام چیزوں کے انتظامات موصوف کی نگرانی میں دے دی اور اپنی نگرانی میں چلاتے رہے دادا میاں کے وصال کے بعد جہاں ایک طرف روحانی اور دینی خدمات مولانا دیتے رہے اسی کے ساتھ زندگی کے کارناموں میں سب سے اہم جگہ خدمتِ خلق کی تھی۔ اور زمانے اور حالات کے اعتبار سے جن تعمیری کاموں کی ضرورت مسلمانوں کے لئے ہوتی تھی اس کی جانب فوراً قدم بڑھاتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عیسائی مشنریاں انگریزی گورنمنٹ کی سرپرستی میں ہندوستانی باشندوں کو عیسائی بنانے کی مختلف کوششیں کرتے تھے۔ اسپتال، اسکول، مختلف لاوارث لڑکوں کے رکھنے کے ادارے قائم کرر کھے تھے۔ حکومت کے یہاں پر وہ نابالغ جو لاوارث پایا جاتا تھا مشنریوں کو دے دیا جاتا تھا۔ کثرت سے مسلمان بچے اپنا دین کھو چکے تھے۔ بالغوں میں بھی تعلیم کے ذریعہ کافی بے دینی پھیلتی جارہی تھی اور اکثر عیسائی ہو رہے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یتیم خانہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جس میں تربیت اور تعلیم کا انتظام فرمایا اور گورنمنٹ کو مجبور کیا کہ وہ لاوارث لڑکے، لڑکیاں مشنریوں کو نہ دیں چنانچہ گورنمنٹ نے اس کو منظور کرلیا۔ انجمن کے رودادوں سے جو اندازہ ہوتا ہے اس زمانے میں کثرت سے مشنریوں سے چھڑا کر لاوارث بچے ہمارے یہاں آئے بعض لڑکیوں کے سلسلہ میں کافی مقدمہ بازی بھی ہوئی۔

دادا میاں کے انتقال کے بعد مولانا کا سلسلۂ ارادت و بیعت بہت وسیع ہوتا جارہا تھا کثرت سے وہ لوگ جو دادا میاں سے محبت رکھتے تھے مگر ضابطہ سے سلسلہ میں نہیں داخل ہوئے تھے مولانا سے بیعت ہوئے اس طرح پر جو مریدین یا معتقدین مالی خدمات کرنا چاہتے تھے ان کو بجائے اپنی ذات کی طرف منتقل کرنے کے یتیم خانہ کی خدمت پر آمادہ کرتے تھے۔ اس طرح یتیم خانہ رفتہ رفتہ مستقل حیثیت اختیار کرتا گیا۔ پھر ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ کسی

صنعت سکھانے کا انتظام آپ ہمیشہ کرتے رہے بالآخر دس بارہ برس کے اندر ہی اس کی عمارت بھی ہوگئی اور یہ اندازہ ہونے لگا کہ یتیم خانہ خود کفیل ہو جائے گا۔ مگر مولانا نے گورنمنٹ سے کوئی مدد کبھی نہ لی نہ رئیسوں کے دروازے کھٹکھٹائے زیادہ تر اپنے محبت کرنے والوں ہی پر یتیم خانہ کا بوجھ رہا اس وقت اس کی کئی لاکھ کی عمارت بنی تیار ہے جس میں صرف غریبوں کا روپیہ ہے اور خاص طور سے مولانا سے محبت کرنے والوں کا۔ پیروں اور مرشدوں کی کم مثالیں ایسی ہوں گی جنھوں نے اپنے مریدین کے ہدیوں کو خود نہ صرف کر کے نیک کام میں صرف کیا ہو اور خود اپنے اوپر کم صرف کیا ہو اور کار خیر میں زیادہ۔

علاج کی غرض سے سنٹرل انڈیا کی بعض ریاستوں میں جانے آنے کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور وہاں کے علاج معالجہ فرماتے تھے۔ یہ لوگ کافی معتقد تھے اور ان سے مالی امداد بھی ہوتی تھی جیسے ریاست کوٹھی، ستنا، کوٹھی ناگور وغیرہ وغیرہ۔

یہ سلسلہ ۱۹۲۳ء تک برابر رہا اس کے بعد کم ہو گیا جس کے وجوہ میں آئندہ بیان کئے ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں حضرت نے یہ محسوس فرمایا تھا کہ ان کے والد صاحب نے جو نصاب تعلیم ندوہ کے افتتاح کے موقع پر بنایا تھا اس پر بعض اسباب سے اب تک عمل نہ ہو سکا چنانچہ اسی کی روشنی میں اور موجودہ ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایک مدرسہ اپنے والد اور مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے قائم کیا اس تجویز میں دادا میاں کے اس وصیت کو بھی دخل تھا جو وہ اکثر اپنی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ میری یہ تمنا تھی کہ ایک مدرسہ عربی درسیات کا اصلاح شدہ نصاب کے ساتھ قائم ہوتا مگر میری طبیعت انتظامی معاملات سے الجھتی ہے اس لئے میں خود کرنے کی ہمّت نہیں کرتا۔ اس مدرسہ میں عربی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم کا بھی انتظام رہا اور خصوصیت سے عربی ادبیات کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ ۱۹۳۶ء تک ہندوستان کے اکثر حصہ میں ایسے عالم پیدا ہوئے جو قرآن و حدیث، فقہ اور ادبیات عربیہ کے ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم بلند پیمانہ پر حاصل کئے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی معاملات اور فرقہ وارانہ کشید گیاں پیچیدہ بھی تھیں

اور بڑھ بھی رہی تھیں الہ آباد چونکہ صوبہ کا دارالسلطنت بھی تھا اور سیاسی اور عملی تحریکوں کا سب سے قدیم مرکز۔ اس لئے آئے دن مختلف معاملات سے مسلمانوں کو دو چار ہونا پڑا کہیں فرقہ وارانہ فسادات ہیں کہیں ہندی اردو کا معاملہ کہیں مسلمانوں کے معاشی معاملات ہیں اور گورنمنٹ میں ملازمتوں کا سوال ہے اس طرح کے بہت سے مسائل تھے جو آئے دن روز ہوا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا ولایت حسین صاحب کی ذات ایک تھی کہ جو مرکز تھی۔ ان تمام معاملات کو سلجھانے کی جس کا ثبوت آئندہ کے حالات میں آپ دیکھیں گے اور آپ کی یہ مرکزیت خلوص اور قومی ہمدردی پر مبنی ہے نہ کہ کسی ذاتی غرض پر۔ نہ آپ نے کبھی کوئی عہدہ قبول کیا نہ کبھی اسمبلیوں کی جانب رخ کیا اسی بے غرضی خدمت کا نتیجہ تھا کہ آپ ضلع الہ آباد کے اور قرب جوار کے بھی بعض ضلعوں میں اتنے ہر دلعزیز ہو گئے کہ جس کی مثال اس دنیا کی قیادت میں کم ملتی ہے۔ خود حکومت نے ان کی اس شخصیت کا احساس کر لیا تھا اسی بنا پر اس نے خان بہادری کا خطاب بھی دیا کہ ان خطاب کے دباؤ سے اپنا کام نکالیں مگر مولانا کی حق گوئی اور قوم کے مفاد کے جذبہ سے نہ ذرا اپنے مطالبات سے گرے اور نہ قوم فروشی کی۔ حکومت کی معقول باتوں پر لبیک کہا اور نامعقول باتوں کو ٹھکرا دیا۔ اسی وجہ سے حکومت کے یہاں بھی محترم رہے اور عوام میں تو بہت ہی ہر دلعزیز رہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے سیاسی بساط پر محرم اور دسہرے کے جھگڑے قربانی کے جھگڑے، ہندی اردو کے جھگڑے، ملازمتوں کے جھگڑے ۔نمایاں رہا کرتے تھے۔ ہمیشہ آپ نے اس میں مناسب قدم بڑھایا اور اپنی قوم کی خدمت کی۔ ۱۹۱۱ء سے ہندوستانیوں کو حکومت میں حقوق دینے کے مسائل تیزی سے چلنے لگے۔ کانگریس مسلم لیگ اور متعدد جماعتیں اپنے اپنے مقاصد لے کر برطانوی حکومت کے سامنے آنے لگیں رفارم آئے۔ لوگوں نے اسمبلیوں میں کھڑا ہونا شروع کیا۔ اس وقت مولانا کی وہ شخصیت تھی کہ صوبہ کے اسمبلی کا یا مرکزی اسمبلی کا ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ کم از کم الہ آباد کے ضلع میں کسی نمائندہ کی کامیابی مولانا کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے صرف ایک ہی معیار رکھا تھا کہ جو غریبوں کی مدد کرے اس کو اسمبلی میں جانا چاہیئے ہر طرح کی مالی مدد لوگوں نے مولانا کی کرنے کی کوشش کی مگر

مولانا کو نہ خرید سکے اس کی داستان بہت طویل ہے یہاں پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا کا تعلق انگریزی حکومت سے صرف اس لئے تھا تا کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو نیز سرکاری ملازمتوں میں زیادہ تر مسلمانوں کو اپنے اثر سے مقرر کرائیں۔ مسلمانوں پر اگر کہیں ظلم ہوتا ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اکثریت کے فرقے فتنہ برپا کریں تو ان کا دفاع کریں۔ اس میں ہمیشہ مصالحانہ مزاج رہا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا کو ہندو اور مسلمان فرقہ دونوں احترام اور محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چونکہ برابر مولانا یہ دیکھتے رہے کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں اور کوششیں ناکام ہوتی جا رہی ہیں اس لئے گورنمنٹ کا اعتماد گھٹتا گیا۔ پھر بلقان کی لڑائی کے بعد بین الاقوامی معاملات نے تُرکوں کو برباد کرنے کی سازش کرتا رہتا تھا اس کا بھی اثر مولانا پر تھا چنانچہ یورپ کے تُرکوں کے خلاف ریشہ دوانیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو عام طور پر متاثر کر دیا تھا اور یہ حقیقت سامنے آ گئی تھی کہ مسلمانوں کی بین الاقوامی سیاسی حیثیت اور اقتدار کو ختم کرنے میں سب سے زیادہ تر ہاتھ برطانوی حکومت کا ہے۔ مولانا بھی اس سے متاثر تھے اور بلقان کی لڑائی نے چندہ کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا اور جلسوں وغیرہ میں بھی شرکت کرتے رہے۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ مولانا کا تعلق جو انگریزی حکومت سے تھا اس میں فرق آنے لگا اور اس کی نوعیت بدلتی گئی۔ نیز یہ بھی دیکھا گیا کہ جو اس زمانہ میں ہندوستان کی تحریکیں مسلمانوں کے بین الاقوامی حالات سے متاثر ہو کر انگریزوں کے خلاف چلی۔ ان سے بھی مولانا گو مستعدی سے شریک نہ رہے ہوں لیکن حضرت والا کو اس کی ہمدردی ضرور تھی مثلاً۔ حضرت استاذی مجدّد دملّت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمتہ اللہ علیہ نے خدّامِ کعبہ کی جو تحریک شروع کی اس پر مولانا سے بہت طویل گفتگو ہوئی مگر خود رات کو میرے مکان میں خود اس کا جلسہ ہوا اور مولانا اس میں شریک رہے یہ دوسری بات ہے کہ زیادہ تر عملی حصہ اس میں نہیں لیا۔

یہ واقعات اس لئے بھی پس منظر کے طور پر رکھنے پڑتے ہیں کہ آپ نے ترک موالات اور خلافت کی تحریک میں حصہ لیا وہ اس عدم اعتماد کی شہادت دیتا ہے جو آپ کے دل میں عملاً انگریزوں کے خلاف مدّتوں سے پرورش پا رہا تھا۔ وہ اس طرح پیش آئی کہ ۱۹۱۹ء میں آپ

نے خلافت اور کانگریس کی تحریک آزادی میں شرکت فرمائی اور یہاں خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے اور انگورہ فنڈ میں ہزاروں روپئے جمع کر کے خلافت کمیٹی کو دئے اور برابر جلسوں میں شرکت فرماتے رہے خان بہادری کا خطاب بھی واپس فرمایا اور بہت دنوں تک ان تحریکوں میں شریک رہے مگر ۲۵-۱۹۲۴ء کے بعد جب فرقہ وارانہ فساد کثرت سے ہوئے جن میں مسلمانوں پر زیادتیاں ہوئیں نیز شدّھی اور سنگٹھن تحریک میں الور وغیرہ کے مسلمانوں کو مرتد کیا گیا اور فتنۂ ارتداد کی تحریک شروع ہوئی آپ سیاسی جماعتوں سے علٰحدہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ جیسا میں اُوپر کہہ چکا ہوں مولانا شاہ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ نے اُن کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے سلسلہ کا کام سنبھالا۔ کثرت سے لوگ مُرید ہوئے اور آپ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات پر برابر عامل رہے۔ سلسلۂ امدادیہ کے چند خاص صفتیں آپ میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں۔ تواضع، حُبّ جاہ سے گریز اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

آپ لباس دنیادار کا بھی پہنتے تھے اور مشائخ کا لباس بھی کبھی کبھی پہن لیتے تھے۔ مگر کسی چیز میں ادنیٰ تصنّع بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا آپ ایک مرتبہ اپنے مریدین کے طلب پر مالیگاؤں تشریف لے جا رہے تھے اور گھر سے جب نکلے تو شیروانی پہن کر نکلے راستہ میں آپ کے ایک مرید نے جو آپ کی خدمت کے لئے ہمیشہ ساتھ تھے عرض کیا کہ یہ شہر ایسا ہے جہاں عوام بھی کرتا اور صدری پہنتے اور عمامہ باندھتے ہیں اور سب مولویوں کے لباس میں رہتے ہیں شیروانی وغیرہ نہیں پسند کی جاتی آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا آپ چپ ہو گئے اور باوجود اس کے تو اس زمانہ میں اکثر عربی لباس پہنا کرتے تھے اور ساتھ بھی تھا پورے سفر میں کوئی تصنع کا لباس نہیں پہنا مگر ہر دلعزیزی کی حالت وہ تھی کہ کافی لوگوں نے بیعت کی اور کثرت سے وعظ فرمائے لوگ بیان کرتے تھے کہ کوئی وعظ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں کثرت لوگوں پر گریہ وزاری طاری نہ ہوتی یہی صورت بمبئی اور بھیونڈی میں رہی۔ یہ دورہ یتیم خانہ اسلامیہ الہ آبادی کی عمارت کے لئے کیا گیا تھا۔ واپسی میں انھیں مرید صاحب سے کہا کہ جنھوں نے لباس کی تبدیلی کے جانب توجہ دلائی تھی کہ مولوی عظمت علی کیا میں لباس اپنے بزرگوں کا جو تبرّ گا پہنتا ہوں۔ اس لئے

پہنوں کہ لوگ میرے گرویدہ ہوں؟ جو بیعت کی استدعا کرتا تھا بلا رُکاوٹ بیعت فرما دیا کرتے تھے اور بیعت کے اخیر میں یہ فرماتے تھے کہ میں تمہیں صرف اپنے بزرگوں کے بھروسے پر سلسلہ میں داخل کرتا ہوں میں کسی قابل نہیں ہوں۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے مرشد حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سنّت پر عمل کرتا ہوں آپ سے بھی جو شخص بیعت کی خواہش کرتا تھا غایت تواضع اور شفقت میں کر لیا کرتے تھے۔ جب کوئی اپنی حاجت سامنے لاتا تو فرماتے تھے کہ دُعا کرتا ہوں۔ کر چھنا، رامپور کے برادری کے اکثر حضرات نے بیعت کی اور اس لفظ کے اثر کو کہ دعا کرتا ہوں ان میں سے اکثر لوگوں نے مجھ سے بیان کیا مثلاً حاجی احمد اللہ صاحب ساکن موضع ہلدی نے بیان فرمایا کہ اس معمولی لفظ کو جو میاں فرما دیا کرتے تھے کہ دعا کرتا ہوں میں نے کبھی خطا ہوتے نہیں دیکھا۔ سخت سے سخت معاملات میں یہ جملہ صرف کارگر ہو جاتا تھا۔ مولانا کو بزرگانِ سلسلہ سے خاص عشق تھا اور اس کا اندازہ ہر کٹھن موقعوں پر ہوتا تھا۔ اکثر نے بزرگوں کی بشارتیں بیان فرمائیں مثلاً فرمایا کہ براؤن رِک ایک کمشنر تھا۔ عیدگاہ کی زمین کے سلسلہ میں میں نے اُس سے بہت سخت باتیں کر دیں۔ مجھے اُس نے دھمکی دی کہ میں دیکھ لوں گا۔ رات ہی کو انھوں نے خواب میں دیکھا اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کو کہ وہ ایک کالے سانپ کو جو مجھے ڈسنے آ رہا ہے مار رہے ہیں اسی صبح کو وہ کمشنر میرے پاس خود آیا اور اُس دن کا واقعہ یاد دلا کر مجھ سے معافی مانگی اور عیدگاہ کے زمین کا فیصلہ میرے موافق کر دیا۔ مسلمانوں پر فتنہ ؤ فساد کے زمانے میں کبھی کبھی کچھ لوگوں کو پھانسی کا حکم ہوتا تھا۔ تمام تدبیریں کرنے کے بعد کبھی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اور کبھی شیخ احمد عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تشریف لے جا کر کہتے تھے کہ جب تک یہ بے گناہ نہ چھوٹیں گے میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ میں اس دعا کے خطا ہونے کا کوئی واقعہ نہیں سُنا۔ اور وہیں کامیابی کی خبر سُن کر توشے کا فاتحہ کر کے واپس آتے تھے۔ کسی بزرگ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اولیائے کرام اور اِن کے وسیلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے یہاں مقبولیت ہو۔ اسی طرح اللہ نے زبان میں وہ تاثیر رکھی تھی کہ کوئی وعظ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جس میں لوگوں پر گریہ وزاری طاری نہ ہو۔ ے

از دُعا نبود مرادِ عاشقاں　　　جُز سخن گفتن بہ آں شیریں دہاں

دعا سے عاشقوں کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی کہ وہ محبوب کی لذّت حاصل کریں۔

رمضان المبارک کے معمولات بھی آپ کی کرامتوں سے ایک کرامت تھی ۔ پوری رات بیداری فرماتے تھے۔ بمشکل سے ایک گھنٹہ خواب استراحت میں رہتے تھے۔ تراویح کے بعد مجلس ہوتی تھی اس میں مختلف قسم کے خدا اور رسول اور اولیائے کرام کے تذکرے فرماتے تھے اور چائے کا دور بھی چلتا تھا اور یہ سلسلہ قریب قریب نصف رات تک چلتا تھا۔ ایک بجے رات کے بعد اپنے والد کے مصلّے پر آجاتے تھے اور انھیں کی طرح چار پانچ پارے تہجد میں پڑھتے تھے۔ تہجّد کے بعد قبل نماز فجر حلقۂ ذکر ہوتا تھا اور اس کے بعد دعا مانگی جاتی تھی۔ مسجد ہمارے یہاں کی پوری بھری ہوتی تھی۔ دعا میں تمام مسجد میں کہرام مچ جاتا تھا اتنا اثر ہوتا تھا۔ اور خاص طور پر جب ختم قرآن فرماتے تھے۔ دعاء معمولی آواز میں کرتے تھے۔ وہ سب مسنون دعاءٔ ہوتی تھی۔ لیکن اتنی دیر تک لوگوں پر گریہ وزاری طاری رہتی تھی کہ بعض بیتاب ہوجاتے تھے ۔ دور دور سے لوگ دُعا کے شرکت کے لئے آتے تھے اور فیضیاب ہوکر جاتے تھے۔ اور واقعی آپ کے تصرف سے شاید اس حدیث کا مصداق ان لوگوں کو نظر آتا ہو کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (میں اس شخص کا ہم جلیس ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے) بزرگوں نے لکھا ہے کہ کرامتوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معنوی اور حِسّی۔

کراماتِ حِسّی

کرامات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی بندے کا اعزاز بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کرامت سے مالا مال کرتا ہے۔

کراماتِ معنوی

اس بزرگ کے اخلاق پرہیزگاری، اتباع سُنّت اور جو اُس کے زمانے کے اللہ والے ہوں اُن کی نگاہ میں مقبولیت اور ان کے دلوں میں محبت کبھی کسی بزرگ کے ساتھ عوام النّاس کی

بھی گرویدگی اور رجوع ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کو جن کو خلوت نشینی پسند ہوتی ہے۔ عوام سے علٰحدہ کرلیا جاتا ہے اور اپنے محبوبیت کے دامن میں چھپا لیتے ہیں۔ ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت تُرا چہ کام　　　دیوانہ باش سلسلہ شُد شد نہ شُد

احمد تو عاشق ہے تجھ کو شیخ ہونے سے کیا کام　　　دیوانہ ہو اللہ کی محبت میں تمہارا سلسلہ چلے یا نہ چلے

مگر جن بزرگوں سے ہدایت کا کام لیا جاتا ہے جو نبوت کا ایک شعبہ ہے۔ اُن کو مقبولیت عام بھی ہوتی ہے۔ اور وہ عمر بھر ایک طرف اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں دوسرے طرف مخلوق کے دیکھنے میں عوام کے واسطہ ہونے کی وجہ سے وہ دنیادار معلوم ہوتے ہیں۔ بعض تو لباس بھی دنیاداروں کا پہنتے ہیں مگر حقوق اللہ کے ادا کرنے میں بلند پایہ رہتے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لباس میں لوگوں سے ملنے میں اپنی طرز معاشرت میں کبھی اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شیخ ہے۔ پیر ہے یا بڑا مولوی ہے۔ نہ جُبّہ، نہ قبا، نہ بڑے بڑے بال، نہ رنگے ہوئے۔ دن کو تو ایک لیڈر کی حیثیت سے بیٹھے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں کبھی مظلوموں کے بچانے کے لئے گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدے داروں سے گفتگو فرما رہے ہیں لیکن رات کو اگر آیئے۔ تو اللہ اللہ کے ذکر جہری کی آواز سے پورا محلہ منور نظر آئے گا اور یہ معلوم ہوگا کہ اللہ کی محبت میں اور اُس کے خوف اور خشیت میں آنسوؤں سے تمام دامن تر ہے اور گریہ وزاری کی آواز سے یہ معلوم ہوتا تھا چکیوں کے دو پارٹ سینوں میں چل رہے ہیں۔ (یہ بھی اتباع سنّت ہے)

اور صبح کو پھر وہی شگفتہ چہرہ ہے اور حاجتمندوں کے دل کو اپنی خوش اخلاقی سے لبھا رہے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ پوری رات کس چیز کی تڑپ تھی اور کیا بے چینی تھی جو کروٹیں بدلتے گذر گئی يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا (وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی)۔ ؎

تو اے افسردہ دل زاہد دمے در بزم رنداں شوق

کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دل ہا

ترجمہ۔ اے افسردہ دل زاہد تھوڑی دیر رندوں کی محفل میں بیٹھو تو یہ دیکھو گے کہ چہرہ پر

تومسکراہٹ ہے لیکن دل میں آگ جل رہی ہے اللہ کے عشق کی۔

یہ سب اللہ کے ان بندوں پر ان کے مالک کا کرم ہوتا ہے جب چاہتے ہیں رُلاتے ہیں جب چاہتے ہیں ہنساتے ہیں۔ دونوں میں انھیں لذّت حاصل ہوتی ہے۔ هُوَ اَضحَکَ وَ اَبکٰی ۔(وہی ہنساتا اور رلاتا ہے)۔

والد صاحب کو اللہ والوں میں بھی محبوبیت حاصل تھی ۔ اور عوام کے بھی محبوب تھے ۔ اپنے پیر حاجی حضرت امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نذر کردہ تھے۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور خصوصاً شیخ العالم شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سلسلہ صابریہ کے اکثر بزرگوں کی یہاں مقبولیت کرامت کے طور پر ظاہر ہوئی یہ تو حضرت کے کرامت معنوی کا تذکرہ تھا۔ اس سلسلے میں حضرت کے بہت خواب بھی آجاتے ہیں۔ کیونکہ سچے خواب عالم برزخ سے تعلّق روحانی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ایک خواب کا تذکرہ اوپر کرچکا ہوں اس کے علاوہ بعض خواب اس فقیر سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً والد صاحب کو میرے تعلیم کی طرف بڑی پریشانی تھی۔ کوئی اچھا حافظ ملتا نہیں تھا۔ اُس وقت دادا میاں کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا اور بجنسہٖ وہی خواب حضرت استاذی قاری عبدالرحمٰن صاحب نے بھی دیکھا کہ دادا میاں اُن سے کہہ رہے ہیں کہ محمد کی تعلیم تم اپنے ذمہ رکھو چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ اسی طرح جب سیاسی تحریکیں چل رہی تھیں ۱۹۱۹ء میں تو والد صاحب کے خلاف بہت سے گروہ الہ آباد میں جن میں سربرآوردہ لوگ تھے۔ والد صاحب کے مخالفت میں طرح طرح کی سازشیں کرتے تھے اُس وقت بھی آپ نے کچھ خواب دیکھے تھے بزرگوں نے جس راہ کی جانب اشارہ کیا اُس پر چلے اور تمام مقابلتیں ختم ہوگئیں۔ کرامت ظاہری بھی آپ سے اکثر ظاہر ہوئیں۔ جن کو جب بیان کیا جاتا تھا تو آپ فرمادیتے تھے کہ اتفاق ہے۔ کرچھنا میں رہنے والی صدّیقین کی برادری جو حضرت والا سے وابستہ تھی۔ ان سے بہت سی کرامتیں میں نے سنی ہیں ایک شخص کنبتھوا تحصیل کرچھنا کے عاشق علی صاحب نے بیان کیا کہ میری زمینوں پر بہت دنوں سے ناجائز طور سے کچھ لوگوں نے قبضہ کررکھا تھا اور جو کاغذات میرے ثبوت کے تھے وہ

کچہری سے غائب کردئے گئے تھے اور میرے پاس باقی رہے۔ میں مایوس ہوکر خدمت میں آیا آپ نے ایک دُعا بتلائی اور یہ فرمایا کہ جب یہ دعا کی مدّت ختم ہوگی تو اگر کوئی شخص پچھلی رات کو نظر آئے تو ڈرنا نہیں تمہارا انشاء اللہ کام ہوجائیگا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ مگر وہ شخص ڈرگیا اُس کا بیان ہے کہ میرے پُشت سے میاں کی آواز آئی کیوں ڈر رہے ہو۔ میں نے دیکھا کہ پیچھے سے پکار رہے ہیں۔ اس دن صبح کو جب میں نے مقدمہ کا فائل اُلٹا تو سب سے پہلا کاغذ تھا جو گم ہوگیا تھا وہ گم شدہ کاغذ سامنے ہی رکھا تھا اس طرح سے اور بہت سے واقعات مروی ہیں۔

تعویذ سے بہت کم ذوق تھا مگر اپنے پیر کے فرمانے کے مطابق جب کوئی تعویذ مانگتا تھا تو دے دیا کرتے تھے۔ کچھ مجرّب تعویذیں مجھے بھی بتائیں۔ کبھی ان کا فائدہ مرتب ہوا کبھی نہیں ہوا۔ مگر ان تعویذوں کو جب والد صاحب کے ہاتھوں سے لکھوا کر ان کو دیا تو ان کو فائدہ ہوگیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تعویذ کا اثر لکھنے والے کے تصرف سے تعلق رکھتا ہے۔

مولانا کی علالت کی اطلاع

مولانا بہت قوی جسم کے تھے کسرتی بدن تھا۔ یہاں سے کنہار ایک گاؤں بارہ میل پڑتا ہے وہاں پیدل تشریف لے جاتے تھے۔ میرے جوانی کا زمانہ تھا آپ کا دست مبارک نرم تھا ۔ انگلیاں کلائی کی ہڈّی سے مل جاتی تھی۔ ہم لوگ پنجہ لڑانے کی مشق کیا کرتے تھے۔ ہمارے ماموں زاد بھائی محمود میاں پنجہ کے مشّاق تھے والد صاحب سے جب پنجہ کشی کرتے تھے تو پورے بدن سے لٹک جاتے تھے اور پنجہ پھیر نہیں سکتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کے پنجہ میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس طرح ہر موقع پر طاقت ظاہر ہوتی تھی باوجود اس کے غذا بہت کم تھی۔ یہ صحت کی حالت تھی کہ اتفاق سے مسجد سے خانقاہ آنے میں پیر بے ڈول پڑگیا اور گرگئے جس سے کولھے کی ہڈّی ٹوٹ گئی۔ بہت دنوں تک فریش رہنے کے بعد بیساکھی لے کر چلنے لگے جس کی وجہ سے صحت خراب ہونے لگی۔ اور بلیڈ پریشر کی شکایت رہنے لگی۔ دوتین مرتبہ بلیڈ پریشر بہت اونچا ہوگیا۔ فالج کی کیفیت پیدا ہوگئی مگر پھر اچھے ہوگئے اسی زمانے میں مجھے بلا کر فرمایا کہ تم میرے

تمام کام دینی اور دنیاوی انجام دے رہے ہو۔ میرے جو قائم کردہ ادارے ہیں ان کا بھی کام کر رہے ہو اور مذہبی امور بھی کر رہے ہو۔ اور میں کمزور بھی ہوتا جا رہا ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اپنے کام جو تم کو میں نے سپرد کیا ہے اس کی سپردگی باضابطہ کر دوں تا کہ میرے بعد تم کو پریشان نہ کیا جا سکے اور ایک تحریر فرمائی اس تحریر کے بعد آپ نے تمام متعلقہ لوگوں کو اس کی اطلاع دے دی اور پھر جن چیزوں کے وہ متوِلّی تھے ان سب چیزوں کا مجھے متوِلّی بنا دیا۔ جو دینی معمولات تھے اور معذوری کی وجہ سے والد صاحب نہ کر سکتے تھے۔ عیدگاہ کی نماز۔ میلاد شریف کے جلسے۔ رجبی کا وعظ۔ رمضان المبارک کے بعض معمولات وہ سب میں انجام دیتا رہا۔

مولانا کا وصال

۱۹۳۵ء میں ایک مرتبہ پھر فالج کا دورہ پڑا مگر اس کے بعد صحت ہو گئی میں نے عرض کیا مستقل علاج کی ضرورت ہے اور یہ دل بہت کمزور معلوم ہوتا ہے اس کے جانب خاص توجہ ہونا چاہئے۔ ایک امریکن ڈاکٹر جو کرسچین کالج میں آیا ہوا تھا اس کو بلا کر دکھلایا۔ مگر مستقل علاج فرمانے پر تیّار نہیں ہوئے اور کبھی کبھی دواؤں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۳۶ء کو میں لکھنؤ میں تھا اور میرے بھائی احمد میاں بھی دیہات گئے ہوئے تھے کہ شام کے قریب حالت خراب ہوئی اور بے ہوش ہو گئے۔ مریدین موجود تھے اس دن صبح کو بمرولی میں طوفان اکسپریس لڑ گیا تھا۔ اور سیکڑوں آدمی مر گئے تھے۔ الہ آباد کے پورے ڈاکٹر اس میں مشغول تھے۔ ان سے بھی مدد حاصل نہیں کی جا سکی اور ۴۵-۸ بجے دنیا سے رحلت فرمائی۔ میں ۳ بجے دن کو پہونچا۔ احمد میاں مجھ سے ۳۔ ۴۔ گھنٹے پہلے آ گئے تھے۔ عیدگاہ میں نماز ہوئی اور پھر دوبارہ گھر پر نماز ہوئی۔ اور یہیں اپنے خانقاہ کے سامنے سپرد خاک ہوئے۔ چوتھے دن فاتحہ ہوا اور حضرت شاہ احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے میرے سر پر سجّادگی کی پگڑی باندگی۔ میں نے ایک ایک مختصر تقریر کے بعد وہ دستار سجّادگی احمد میاں کے سر پر رکھ دی اور سلسلہ کا کام ان کے سپرد کر دیا گیا۔

تاریخ وصال حضرت مولانا شاہ محمد ولایت حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۱۹۳۸ء بروز یکشنبہ بوقت ۸/ بج کر ۴۵ منٹ شب میں ہوا۔

۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۷/ جنوری ۱۹۳۸ء یوم دوشنبہ ۳ بجے دن نماز جنازہ عیدگاہ میں ہوئی اور جہاں قیام تھا وہیں دفن ہوئے اور ۱۶ ذیقعدہ ۱۹۵۴ھ کو فاتحہ ہوا۔ ۱۹/ جنوری ۱۹۳۸ء جس میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ حیات احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ صاحب سجادہ حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ ردولوی نے دستار سجّادگی بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں صاحب فاروقی کے سر پر باندھی مولانا محمد میاں صاحب نے وہ دستار فضیلت حضرت احمد میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سر پر رکھ دی اور ایک تقریر فرمائی جس کا آخری جملہ یہ تھا کہ احمد میاں جس طرح درس وتدریس اور علوم ظاہری میں میرے دست و بازو ہیں اسی طرح سلسلۂ طریقت کو بھی سنبھالیں گے اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔

مولانا کی تقریر نے تمام مجمع میں رقّت طاری کر دی اور ہر طرف سسکیوں کی آوازیں آنے لگی اور مجمع میں ایک کہرام مچا۔

منقول از ہمدم اخبار لکھنؤ

مورخہ ۲۲/ جنوری ۱۹۳۸ء

تعارف جامعہ چشتیہ ماضی اور حال کے تناظر میں

حضرت شیخ مخدوم احمد عبد الحق شیخ العالم علیہ الرحمۃ والرضوان سے منسوب و متعلق سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی قدیم مرکزی خانقاہ ہے جو برسہا برس سے تشنگان علوم شریعت و معرفت کو آسودۂ جان کر رہی ہے۔

جس کے پاکیزہ دامن میں مدرسہ چشتیہ صابریہ فیض القرآن ایک تعلیمی ادارہ قائم ہوا جو اول تا پنجم درجات پرائمری پر مشتمل تھا۔

۹۹-۶-۲۸ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے بہت سارے ارباب دانش اور باشعور افراد کی گزارش پر حضرت شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں مدظلۂ العالی وارا کین ادارۂ ہٰذا نے اس میں مزید توسیع کر کے ادارہ کو دار العلوم کی حیثیت سے بڑھایا اور تقریباً سو سے زائد بیرونی طلباء کا قیام عمل میں آیا اور اساتذہ کی ایک بڑی جماعت کا تقرر ہوا۔ چنانچہ ادارہ بحیثیت دار العلوم نہایت ہی منظّم تعلیم کے ساتھ اپنی ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔

(۱) درجات پرائمری اول تا پنجم- مضامین- ہندی، انگریزی اردو، دینیات، اسلامی، سائنس، جغرافیہ وغیرہ۔

(۲) چشتیہ ہائر سکنڈری اسکول گورنمنٹ کے منظور شدہ کورس کے ساتھ دینیات و اسلامی تاریخ۔

(۳) شعبہ حفظ القرآن بہ رعایت تجوید وحدر۔

(۴) شعبہ قرأت بہ روایت حضرت امام حفص رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) درس نظامیہ از اعدادیہ تا رابعہ مدارس اسلامی کا انتخاب شدہ عالم کا کورس۔

(۶) شعبہ تصنیف و تالیف، اسلامی معلومات عامہ اور طلبہ کی معلومات عامہ کے لئے نظامی

دار المطالعہ (لائبریری)۔

(۷) ایسے طلباء جن کے قیام وطعام علاج و معالجہ تعلیم و تربیت کا جامعہ کفالت کرتا ہے اور درسیات کی کتابیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ ۱۵۰ر کی تعداد پر مشتمل ہے۔

(۸) درجات پرائمری اول تا پنجم و چشتیہ ہائر سکنڈری اسکول کے طلباء و طالبات کی تعداد ۱۲۵۰ ہے جو شہر ردولی شریف وقرب وجوار سے متعلق ہیں۔

(۹) شعبہ حفظ وقرأت و درس نظامیہ کے اساتذہ جن کی تعداد ۱۰ر ہے شعبۂ پرائمری و چشتیہ ہائر سکنڈری اسکول کے اساتذہ و معلمات جن کی تعداد ۲۲ر ہے سفراء جن کی تعداد ۶ ہے۔

کل تدریسی وغیر تدریسی ملازمین کی تعداد ۳۸ر ہے

(۱۰) جامعہ کے سالانہ مصارف جس میں اخراجات مطبخ و مشاہرہ اساتذہ بھی شامل ہیں۔ اٹھارہ لاکھ روپئے کا تخمینہ ہے۔

(۱۱) جامعہ نے چشتیہ گرلس انٹر کالج کے لئے محلہ پورے میاں میں ایک وسیع زمین خرید کر ۲۰۱۰ء میں کالج کی بنیاد ڈال دی ہے۔ اور اس کا تعمیری کام جاری ہے جس کی لاگت تخمیناً ڈیڑھ کروڑ روپئے ہے۔

ترسیل زر وخط وکتابت کا پتہ

شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں

ناظم اعلیٰ جامعہ چشتیہ خانقاہ حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ پوسٹ ردولی شریف،
ضلع فیض آباد، یوپی (انڈیا) پن کوڈ 225411

چیک ڈرافٹ برائے مدرسہ: MADARSA JAMIA CHISHTIA
چیک ڈرافٹ برائے تعمیر: CHISHTIA EDUCATIONAL SOCIETY
Web:-HAZRATSHAIKULALAM.COM
WWW.MUJADID-E-SILSILAY-SABIRYA.COM